ذوق
سودا
غزلیات
Checked
1887

امتحان اعلیٰ قابلیت

جس میں

ولی - میر - آتش - مومن - غالب - داغ - امیر مینائی

کی

غزلیات

سودا و ذوق کے قصائد اور میر انیس و مرزا دبیر کے مراثی کا
انتخاب

جس کو ٹیکسٹ بک کمیٹی نے نسواں مدارس کے اپر مڈل
سیکشن میں بطور ایڈوانسڈ کورس کے منظور کیا۔

اور گپت برادرس منڈی دھنورہ نے مستند کلیات سے منتخب کرا کے بغرض
آسانی امیدواران امتحان ہذا شائع کیا

چند الفاظ

بادی النظر میں نسخہ ہذا کی تیاری کا صرف یہ منشا ہو سکتا ہے کہ امیدواران امتحان اعلیٰ قابلیت اردو بہت سی ان کتب کی خریداری کا بار نہ اٹھائیں جو کہ ٹیکسٹ بک کمیٹی نے امتحان ہذا کے لئے تجویز کی ہیں ممکن ہے کہ بعض اصحاب کے نزدیک ان کتب کی فراہمی کچھ معنی نہ رکھتی ہو۔ مگر بے بضاعت مدرسین کے لئے تو اس قدر کتب کی فراہمی ایک اہم ترین کام ہے۔ کیونکہ اکثر کو یہی کہتے سنا گیا ہے کہ امتحان دینے کا ارادہ تو ضرور ہے مگر کتب کا خریدنا احاطہ امکان سے باہر ہے۔

دوسرا منشا زبان اردو کی خدمت اور ان اصحاب کی خدمات کا اعتراف ہے جنہوں نے زبان اردو کی ترقی کے لئے اپنی عمر عزیز کو وقف کر دیا۔ نسخہ ہذا کی تیاری میں کچھ خاص مشکلات کا مقابلہ بھی کرنا پڑا ہے۔ اوّل تو یہ کہ کریکیولم میں یہ کتابوں کا ٹھیک پتہ نہ تھا کہ کون کون پبلشر کی شائع کردہ ہیں دوسرے جو پہلے مصرعہ کے لفظ دئے گئے تھے بعض میں اصل سے اختلاف تھا۔ سب سے بڑی دقت جو بحیثیت پبلشر ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کتاب کی فروختگی کے لئے میدان بہت تھوڑا ہے کیونکہ امتحان اعلیٰ قابلیت کے امیدوار صرف انگلیوں پہ

شمار کرنے کے لایق ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں کتاب کی قیمت کا زیادہ ہونا امر لازمی ہے مگر پھر بھی جہاں تک ممکن ہو سکا ہم نے اس نسخہ کی قیمت کم از کم رکھنے کی کوشش کی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس امتحان میں شریک ہو سکیں اور شایقین شعر بھی مستفید ہو سکیں آخر میں ناظرین کرام سے التماس ہے کہ نسخہ ہذا کی اشاعت کے لئے حتی الوسع کوشش کریں تاکہ پبلشر کا حوصلہ پست نہ ہونے پائے اور آیندہ بھی بہترین کتب شائع کرنے کے خدمت کرنے کا موقع ملتا رہے۔

دوسرا ایڈیشن

خدا کا شکر ہے کہ اس کتاب کے دوبارہ ایڈیشن کا موقع ملا جس کی وجہ ناظرین کی قدردانی ہے۔ ٹیکسٹ بک کمیٹی یو۔ پی نے سالہائے گذشتہ میں اس کو نارمل سکولز میں بطور سپلیمنٹری ریڈنگ بک کے منظور فرمایا اب بھی لڑکیوں کے اینگلو ورنیکلر/ مڈل سیکشن میں بطور آر دو ایڈ وانسڈ کورس کے منظور ہے۔ اس حوصلہ افزائی کے لئے ہم مشکور ہیں اور امید ہے کہ آیندہ بھی اس ذخیرہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

نیازمند

گیت برادرس

فہرست مضامین

غزلیات

قصائد

مراثی

نوٹ۔ قصیدہ سودا نمبر ۴ و نمبر ۶ و قصیدہ ذوق نمبر ۵ کورس اعلیٰ قابلیت ۱۹۳۴ء میں نہیں ہیں۔

الٰہی رکھ مجھے تو خاکِ پا اہلِ معانی کا
کہ کھلتا ہے اسی صحبت سے نسخہ نکتہ دانی کا

کیا یک بات میں واقف مجھے رازِ نہانی کا
لکھوں غنچہ اُپر حرف اُس دہن کی نکتہ دانی کا

کتابت بھیجنی ہے شمعِ بزمِ دل کو اے کاتب
پرِ پروانہ اوپر لکھ سخن مجھ جاں فشانی کا

عزیزاں بعد مرنے کے نہ پوچھو تم کہ تنہا ہوں
لکھا ہوں پردۂ دل پر خیال اس یارِ جانی کا

چھپا کر پردۂ فانوس میں رُخ شمع گریاں نے

سنا ہے جب سے آوازہ تیری روشن بیانی کا
پرت کی بزم میں تا سرخ روئی مجھ کو حاصل ہو
نین سوں اپنے دے ساغر شراب ارغوانی کا

بجا ہے گر کرے پرواز رنگ چہرۂ عاشق
ہوا ہے ذوق موہن کو لباس زعفرانی کا

ترے مکھ کی صفائی حیرت افزا لکھ سکے کیونکر
قلم ہے جوہر آئینہ نا صاف مانی کا

رہے وہ مو کمر جیوں دیدۂ تصویر حیراں ہو
لکھے گر خامہ موسوں بیاں مجھ ناتوانی کا

شراب جلوۂ ساقی سوں مت کر منع اے زاہد
یہی ہے مقتضا عالم میں ہنگام جوانی کا

ولی جن نے نہ باندھا دل کو اپنے نونہالاں سوں
نہ پایا ان نے پھل ہرگز جہاں میں زندگانی کا

۲

ہوا ہے دل مرا مشتاق تجھ چشم شرابی کا
خرابانی اپر آیا ہے شاید دل خرابی کا

کیا مدہوش مجھ دل کو انسندی نین ساقی نے
عجب رکھتا ہے کیفیت زمانہ نیم خوابی کا

خط سبز رنگ رکھتا ہے عداوت حسن خوباں سوں

محبت
مکھ سے
ذوق
پہ
پہ

کہ جیوں خفاش ہے دشمن شعاعِ آفتابی کا
نہ جاؤں صحنِ گلشن میں کہ خوش آتا نہیں مجھکوں
بغیر از ماہرو ہرگز تماشا ماہتابی کا

نہ پوچھو اب ہوا ہے کم سخن وہ دلبر رنگیں
لبِ تصویر پر ہے رنگ دائم لاجوابی کا

پری رخ کو اٹھاتا نیند سوں بیجا نہیں عاشق
عجب کچھ لطف رکھتا ہے زمانہ نیم خوابی کا

نہ جانوں کس پریرو سوں ہوا ہے جا کے ہمزانو
کہ آئینہ نے پایا ہے لقب حیرت مآبی کا

ولی سوں بیحیائی بات کرنا بے حسابی ہے
نہیں وہ آشنا بے یار ہرگز بے حسابی کا

۲

طالب نہیں ماہ و مشتری کا — دیوانہ ہوا جو تجھ پری کا
یوں غمزۂ شوخ ساحری تیں — استاد ہے سحر سامری کا
تجھ دل سے اے آفتاب طلعت — ممنون ہوں ذرہ پروری کا
کفار فرنگ کوں دیا ہے — تجھ زلف نے درس کافری کا
تیرا خطِ خضر رنگ اے شوخ — سلطان ہے خشکی و تری کا
سوں سر سوں قدم تلک جھلک ہے — گویا ہے قصیدہ انوری کا
خورشید سوں ہمسری کرے ہے — چیرا ترے سر اُپر زری کا

اے غنچہ نہ فخر کر کہ یو دل — تکمہ ہے پیا کی بکتری کا
پایا ہے جو کوئی دولت فقر — مشتاق نہیں سکندری کا
پھیکی سی لگے اُس کو شانِ دولت — چاکھا جو مزہ قلندری کا
کہتا ہے ولی پکار یو بات — بندہ ہوں پیا کی دلبری کا

۴

شغل بہتر ہے عشق بازی کا — کیا حقیقی و کیا مجازی کا
ہر زباں پر ہے مثل شانہ مدام — ذکر اُس زلف کی درازی کا
ہوش کے ہاتھ میں عناں نہ رہی — جب سوں دیکھا سوار تازی کا
نین دکھا کر اپس کے مکھ کی کتاب — علم کھویا ہے دل سوں قاضی کا
آج تیری نگہ نے مسجد میں — ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا
گر نہیں راز فقر سوں آگاہ — فخر بے جا ہے فخر رازی کا
اے ولی سرو قد کوں دیکھوں گا — وقت آیا ہے سرفرازی کا

۵

ہے جلوہ گر صنم میں بہار عتاب آج — لیتا ہے اُس کے ناز و ادا کا حساب آج
عالم کا ہوش کیونکہ رہیگا عجب ہوں میں — چوتا ہے اس کی نین سوں نگہ شراب آج
کیا ناز کیا غرور ہے اس نو بہار میں — دیتا نہیں سلام کا میرے جواب آج
کیوں ہو من ضعیف نہیوں غم سوں اے صنم — تیری کمر نے مجھ کو دیا پیچ و تاب آج
آگے ترے لباں کے ہیں چشمۂ حیات — لگتا ہے آبِ خضر مثالِ سراب آج
اُسکی نگاہِ مست سے معلوم یوں ہوا — آخر کرے گی خانۂ مردم خراب آج

اعجازِ حسن دیکھ کہ وہ روئے باعرق / پیدا کیا ہے چشمۂ آتش سوں آب آج

کیا بے خبر ہوا ہے معلم صنم کو دیکھ / مکتب میں اس کے بھول گیا ہے کتاب آج

معلوم نہیں کہ ہاتھ میں شمشیر لے صنم / آتا ہے کس کے قتل کوں اتنا شتاب آج

کیوں آرزوئے وصل کروں اس سوں اے ولی / دیتا نہیں ہے ناز سوں سیدھا جواب آج

٦

یہ رنگ صافی دل کیوں نہ ہو صفائے قدح / کہ دستِ آئینہ رو ہے مدام جائے قدح

نہ ہے طرب کہ ہوا بزمِ عیش میں دمساز / صنم کے لعل سوں یاقوت بہائے قدح

کیا ہے ساقیِ عشرت بہارِ الفت سوں / حنائے پنجۂ رنگیں نگار پائے قدح

اگر اشارت ابرو کرے وہ ماہ تمام / ہلال بزم میں ہو چرخ زن بجائے قدح

خمارِ حشر سوں کیا غم ہے مے پرستاں کوں / لکھے جو قبر کے تعویذ پر دعائے قدح

سدا ہے اس خمِ نیلی سوں جوش زن یہ بات / کہ نقدِ ہوش فلاطوں ہے رونمائے قدح

ہوا ہے قلقلِ مینا سوں مجھ کوں یہ ظاہر / کہ مے پرست کے سینے میں ہے غنائے قدح

ہوا ہے صبح کے مانند آفتابِ ضمیر / عیاں ہے جس کے اُپر جلوۂ ضیائے قدح

ولی کے دل ستی اے شوخ احتراز نہ کر / ہمیشہ انجمنِ گل رخاں ہے جائے قدح

٧

ہمیشہ ہے بہارِ سروِ آزاد / نہ جاوے دولتِ حسنِ خداداد

ترے رخ سوں کہ دائم بے خزاں ہے / ہوا ہے زیبِ در گلزار ایجاد

ہوا مانندِ مجنوں مو پریشاں / ترا قد دیکھ کر گلشن میں شمشاد

کیا ہوں سہو راہِ کوچۂ غم / ہوا ہوں بسکہ تیرے عشق سوں شاد

خدا حافظ کیونکہ یا و سے بلبل دل — نگاہِ مہرباں ہے دامِ صیاد
وفا کوں ترک مت کر ہر گز اے دل — محبت ہے وفا بن سست بنیاد
نہیں ہے بیقراری اس کی بیجا — ولی جس دل میں ہے زلف پریزاد

۸

اگر گلزار میں بیٹھے وہ سرو نازنین آکر
کرے نظارگی اس کی سو فردوسِ بریں آکر
اگر ہووے صنم خانہ میں اس بت کا گذر یکتک
تصدق اس پہ سب نگارستانِ چین آکر
عجب اس شوخ چنچل کی انکھاں ہیں شوخ اور چنچل
ہوتے قرباں جس اوپر آہوتے صحرا نشیں آکر
کرے شیرازہ بندی دل کی جو اس مکھ کو دیکھے سوں
پریشاں ہو اگر دیکھے وہ زلفِ عنبریں آکر
عجب نہیں دام میں اس کے اگر اٹکا ولی کا دل
کہ اس کے دام میں لاکھاں پھنسے ہیں اہلِ دیں آکر

۱. سے
۲. آنکھیں
۳. چہرہ
۴. لاکھوں
۵. آتش نشتر

۹

دل مرا ہے وہ آتشیں پیکر — ہو گئے راکھ جس کوں دیکھ شرر
کیا کہوں نبض دل کی بیتابی — قوت جس کا ہے آتش و نشتر
عشق بازاں میں اس کوں راحت ہے — جس کوں ملا اس کا ملا بستر
ان نے پایا ہے منزلِ مقصود — عشق جس کا ہے ہادی و رہبر

تنک لذّت کی جس کوں ہے لذّت — شکر اس کوں ہے زہر ۔ نہ ہے شکر
آشنایاں کوں موجِ آبِ فنا — ہے محبت کی تیغ کا جوہر
بزمِ دلبر میں اے ولی جا تو — شوق کا آج ہاتھ سے ساغر

۱۰

تو ہے رشکِ ماہِ کنعانی ہنوز — تجھ کوں ہے خوباں میں سلطانی ہنوز
ہر جھلک دیتی ہے تجھ رخسار کی — آرسی کوں درس حیرانی ہنوز
شبنم سوں تجھ مکھ کے ای دریائے حسن — چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز
حلقہ زن ہے تجھ دہن کی یاد میں — خاتمِ دستِ سلیمانی ہنوز
خواب میں دیکھا تھا تیری زلف کوں — دل میں ہے باقی پریشانی ہنوز
تجھ کمر کو دیکھ حیراں ہو رہا — مو قلم لے ہاتھ میں مانی ہنوز
روزِ اوّل سوں چمن میں حسن کے — نہیں ہوا پیدا اتہ ثانی ہنوز
جان جاتا ہے و لے آتا نہیں — کیا سبب وہ دلبر جانی ہنوز
اے ولی اس گلبدن کے عشق میں — مثلِ بلبل ہے غزل خوانی ہنوز

۱۱

شوخ آتا نہیں ہزار افسوس — مکھ دکھاتا نہیں ہزار افسوس
مطربِ نغمہ سازِ محفلِ عشق — تان گاتا نہیں ہزار افسوس
بزمِ عشرت میں جام لب کا پیا — مے پلاتا نہیں ہزار افسوس
وہ سجن ناز سوں بھلی باتاں — من میں لاتا نہیں ہزار افسوس
سیم تن گھر کی راہ غیر ولی — کوئی پاتا نہیں ہزار افسوس

۱ نقا
۲ آئینہ
۳ معشو
۴ بات
۵ پیرہن
کوچۂ محبت

۱۲

گلزارِ حسنِ یار میں ہے سبزہ زار خط — لازم ہے بلبلوں کو جو دیکھیں بہارِ خط

روشن سوادِ دیدۂ دل کا ہوا صنم — ہے سرمہ میری آنکھ میں تیرا غبارِ خط

یاقوت خط کوں دیکھ لبِ لعل موج کوں — کرتا ہے نقدِ ہوش اپس کا نثارِ خط

عنبر صفت ہمیشہ معطرِ دماغ ہے — دیکھا جو موجِ بحرِ خطِ مشکبار خط

دفتر میں خط کے چہرۂ ولی کا بجال کر — امیدوار مجھ کو کیا روزگارِ خط

۱۳

چہرے پہ ہے سجن کے عجب نور کی جھلک — دیکھے سوں جس جھلک کے گئی بجلی کی چمک

ہے گرمِ رقصِ شوق منیں مونسِ فلک — بولا ہوں جب سوں نغمۂ عشاق میں ملک

لایا ہے نذرِ آئینۂ آفتاب کون — اور مشتری جمال ترے کا سجن فلک

اس دور میں خلاصی جاں ہے نپٹ کٹھن — بانکی نین کے ہاتھ میں خنجر سی ہے پلک

پوشیدہ کیوں جہاں میں ہے عشقِ صفا قلب — ہے اس کے لعل لب کے آگے خوب بدمحک

طاقت کسے ہے رخ پہ ترے کر سکے نگاہ — خورشید سوں آ دھمکتے تری چہرہ کی جھلک

کہتے ہیں شاعرانِ زمن مجھ کو اے ولی — ہرگز ترے کلام میں ہم کو نہیں ہے شک

ں حرف جار

بہت مشکل

زیادہ

سینا

۱۴

دل لگا یار سوں اس دل کا چھٹرانا مشکل
عشق کا زخم لگا اس کا مٹانا مشکل

حسن ہے دام بلا زلف ہیں دو کالے ناگ
جس کے تئیں ناگ ڈسا اس کا جلانا مشکل

آتشِ عشق نے بہتوں کا کیا خانہ خراب
آگ دریا کوں لگی اس کا بجھانا مشکل

یاد کرنے کو لیا ہاتھ میں مَن کا مَن کا
دل اُپر بوجھ پڑی من کا پھرانا مشکل

طفلِ نادان ہٹیلا مرا غم اسے پیارے
مکتبِ عشق میں تعلیم دلانا مشکل

عمر جو یاد میں گذرے سو غنیمت سمجھو
سو گیا عیش میں پھر اس کا جگانا مشکل

رازِ مخفی ولی ظاہر نہ کسو سوں کرنا
ہاتھ سوں بات گئی اس کا پھرانا مشکل

۱۵

جیوں گل شگفتہ رو ہیں سخن کے چمن میں ہم
جیوں شمع سر بلند ہیں ہر انجمن میں ہم

ہم پاس آ کے بات نظیری کی مت کہو
رکھتے نہیں نظیر اپس کی سخن میں ہم

ہیں داستانِ عشق ہمیں یاد کئی ہزار
استاد بلبلاں کے ہیں ہر اک چمن میں ہم

خوباں جگت کے جیوں سوں ملتے ہیں ہم ستی
کامل ہوتے ہیں بسکہ محبت کے فن میں ہم

دل
دانہ تسبیح
ہمارے
دنیا
دل سے
سے

اس شوخ شعلہ رنگ سوں جب سوں لگن لگی
جلتے ہیں تب سوں شعلہ نمط اس لگن میں ہم

یک بار ہنس کے بول صنم نہیں تو حشر لگ[1]
جیوں برق بیقرار رہیں گے[2] کفن میں ہم

ہر چند جگ کے بخت سیاہوں میں ہیں وے
کاجل ہو جا بسے ہیں سجن[3] کے نین میں ہم

فرہاد تب سوں تیشہ من ہر کیا تلے[4]
باندھے ہیں جب سوں جیو کوں شیریں بچن میں ہم

دو جگ ہوئے ہیں دل سوں فراموش اے ولی
رکھتے ہیں جب سوں یاد سری جن[5] کی من میں ہم

[1] تک
[2] شرمندہ
[3] معشوق
[4] نیچے
[5] معشوق

انتخاب میر

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

ہنگامہ گرم کن جو دل ناصبور تھا
پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا

پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم
یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا

مجلس میں رات ایک ترے پرتوے بغیر
کیا شمع کیا پتنگ ہر اک بے حضور تھا

منعم کے پاس قاقم و سنجاب تھا تو کیا
اس رند کی بھی رات کٹی جو کہ عور تھا

ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر
اس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسی کا سر پر غرور تھا

تھا وہ تو رشک حور بہشتی ہمیں میں میر
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

۲

اس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا
چھوڑا وفا کو ان نے مروت کو کیا ہوا

امیدوار وعدۂ دیدار مر چلے
آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا

بخشش نے مجھ کو ابر کرم کی کیا خجل
اے چشم جوش اشک ندامت کو کیا ہوا

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا

۳

مانند شمع مجلس شب اشکبار پایا | القصہ میر کو ہم بے اختیار پایا
احوال خوش انھوں کا ہم بزم ہیں جو تیری | افسوس ہے کہ ہم نے واں کا نہ بار پایا
شہر دل ایک مدت اجڑا بسا غموں میں | آخر اجاڑ دینا اس کا قرار پایا
اتنا نہ دل سے ملتے نا دلکو کھو کے رہتے | جیسا کیا تھا ہم نے ویسا ہی یار پایا
کیا اعتبار یاں کا پھر اس کو خوار دیکھا | جس نے جہاں میں آکر کچھ اعتبار پایا
آہوں کے شعلے جس جا اُٹھے ہیں میر سے شب | واں جا کے صبح دیکھا مشتِ غبار پایا

۴

گل کو محبوب میں قیاس کیا | فرق نکلا بہت جو باس کیا
دل نے ہم کو مثال آئینہ | ایک عالم کا روشناس کیا
کچھ نہیں سوجھتا ہمیں اُس بن | شوق نے ہم کو بے حواس کیا
صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی | کیا پتنگے نے التماس کیا
ایسے وحشی کہاں ہیں اے خوباں | میر کو تم عبث اُداس کیا

سونگھا

۵

ملا ہے خاک میں کس کس طرح کا عالم یاں
نکل کے شہر سے ٹک سیر کر مزاروں کا
تڑپ کے مرنے سے دل کے کہ مغفرت ہو اسے
جہاں میں کچھ تو رہا نام بے قراروں کا
تڑپ کے خرمنِ گل پہ کہیں گرا اے بجلی

جلانا کیا ہے مرے آشیاں کے خاروں کا

تمہیں تو زہد و ورع پر بہت ہے اپنے غرور
خدا ہے شیخ جی ہم بھی گناہگاروں کا

٦

دم صبح بزم خوش جہاں شب غم سے کم نہ تھی مہرباں
کہ چراغ تھا سو تو دود تھا جو پتنگ تھا سو غبار تھا

دل خستہ جو لہو ہو گیا تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک
کبھی سوز سینہ سے داغ تھا کبھی درد و غم سے فگار تھا

دل مضطرب سے گذر گئی شب وصل اپنی ہی فکر میں
نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا نہ شکیب تھا نہ قرار تھا

یہ تمہاری ان دنوں دوستاں مژہ جس کے غم میں ہے خونچکاں
وہی آفت دل عاشقاں کسو وقت ہم سے بھی یار تھا

نہیں تازہ دل کی شکستگی یہی درد تھا یہی خستگی
اسے جب سے شوق شکار تھا اسے زخم سے سروکار تھا

کبھو جائیگی جو ادھر صبا تو یہ کہیو اس سے کہ بے وفا
مگر ایک میر شکستہ پا ترے باغ تازہ میں خار تھا

٧

اے دوست کوئی مجھ سا رسوا نہ ہوا ہوگا
دشمن کے بھی دشمن پر ایسا نہ ہوا ہوگا

ٹک گورِ غریباں کی کر سیر کہ دنیا میں
ان ظلم رسیدوں پر کیا کیا نہ ہوا ہوگا

اس کہنہ خرابی میں آبادی نہ کر منعم
اک شہر نہیں یاں جو صحرا نہ ہوا ہوگا

آنکھوں سے تری ہم کو ہے چشم کہ اب ہووے
جو فتنہ کہ دنیا میں برپا نہ ہوا ہوگا

جز مرتبۂ کل کو حاصل کرے ہے آخر
یک قطرہ نہ دیکھا جو دریا نہ ہوا ہوگا

۸

جیتے جی کوچۂ دلدار سے جایا نہ گیا
اس کی دیوار کا سر سے مرے سایا نہ گیا

دل کے تئیں آتشِ ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا

دل میں رہ دل میں کہ معمارِ قضا سے اب تک
ایسا مطبوع مکاں کوئی بنایا نہ گیا

کیا تنک حوصلہ تھے دیدہ و دل اپنے آہ
ایک دم راز محبت کا چھپایا نہ گیا

دل جو دیدار کا قاتل کے بہت بھوکا تھا
اس ستم کشتہ سے یک زخم بھی کھایا نہ گیا

شہرِ دل آہ عجب جائے تھی پر اسکے گئے
ایسا اجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا

سر نشینِ رہِ مے خانہ ہوں میں کیا جانوں
رسم مسجد کے تئیں شیخ کہ آیا نہ گیا

۹

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

قافلے میں صبح کے اک شور ہے
یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا

سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمیں　　تخم خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا
یہ نشانِ عشق ہیں جاتے نہیں　　داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا
غیرتِ یوسف ہے یہ وقتِ عزیز　　میرؔ اس کو رائیگاں کھوتا ہے کیا

۱۰

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا　　لہو آتا ہے جب نہیں آتا
ہوش جاتا نہیں رہا لیکن　　جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
صبر تھا ایک مونسِ ہجراں　　سو وہ مدت سے اب نہیں آتا
دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش　　گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا
عشق کچھ حوصلہ ہے شرط - ارنہ　　بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا
جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم　　پر سخن تا بلب نہیں آتا

۱۱

قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دل　　سارے عالم کو میں دکھا لایا
دل کہ یک قطرہ خوں نہیں ہے بیش　　ایک عالم کے سر بلا لایا
لب پہ جس بار نے گرانی کی　　اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا
دل مجھے اس گلی میں لے جاکر　　اور بھی خاک میں ملا لایا
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار　　عشق کی کون انتہا لایا
اب تو جاتے ہیں میکدہ سے میرؔ　　پھر ملیں گے اگر خدا لایا

۱۲

شہرۂ عالم اسے یمنِ محبت نے کیا　　ورنہ مجنوں ایک خاک افتادۂ ویرانہ تھا

اک نگاہ آشنا کو بھی وفا کرتا نہیں — وا ہوئی مژگاں کہ سبزہ سبزۂ بیگانہ تھا

روز و شب گذرے ہیں پیچ و تاب میں رہتے تجھے — اے دلِ صد چاک کس کی زلف کا تو شانہ تھا

یاد ایامے کہ اپنے روز و شب کی جائے باش — یا درِ باز بیاباں یا درِ مے خانہ تھا

غیر کے کہنے سے مارا اُن نے ہم کو بے گناہ — یہ نہ سمجھا وہ کہ واقع میں بھی تھا کچھ یا نہ تھا

شب فروغِ حسن کا باعث ہوا تھا حسنِ دوست — شمع کا جلوہ غبارِ دیدۂ پروانہ تھا

۱۳

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا — دل کے جانے کا نہایت غم رہا

حسن تھا تیرا بہت عالم فریب — خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

جامۂ احرام زاہد پر نہ جا — تھا حرم میں لیک نا محرم رہا

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی — ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا

صبح پیری شام ہونے آئی میر — تو نہ چیتا یاں بہت دن کم رہا

۱۴

اب تو چپ لگ گئی ہے حسرت سے — پھر کھلے گی زبان جب کی بات

نکتہ دانانِ رفتہ کی نہ کہو — بات وہ ہے جو ہووے اب کی بات

کس کا روئے سخن نہیں ہے اُدھر — ہے نظر میں ہماری سب کی بات

ظلم ہے قہر ہے قیامت ہے — غصے میں اس کے زیرِ لب کی بات

کہتے ہیں آگے تھا بتوں میں رحم — ہے خدا جانیے یہ کب کی بات

گو کہ آتش زباں تھے آگے میر

اب کی کہیے گئی وہ تب کی بات

۱۵

عشق میں اے طبیب یاں ٹک سوچ
پائے جاں درمیان ہے یاں ٹک سوچ

سرسری مت جہاں سے جا غافل
پاؤں تیرا پڑے جہاں ٹک سوچ

پھیل اتنا پڑا ہے کیوں تو یاں
یار اگلے گئے کہاں ٹک سوچ

ہونٹ اپنا ہلا نہ سمجھے بن
یعنی جب کھولے تو زباں ٹک سوچ

گل و رنگ و بہار پیدا ہیں
ہر عیاں میں ہے وہ نہاں ٹک سوچ

فائدہ سر جھکے کا شیب میں میر
پیری سے آگے اے جواں ٹک سوچ

۱۶

اے صبا گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گذار
کہیو ہم صحرا نوردوں کا تمامی حالِ زار

خاکِ دلی سے جدا ہم کو کیا یکبارگی
آسماں کو تھی کدورت سو نکالا یوں غبار

منصبِ بلبل غزلخوانی تھا سو وہ ہے اسیر
شاعری زاغ و زغن کا ہو نہ ہووے اب شعار

طائرِ خوش زمزمہ کنجِ قفس میں ہے خموش
چہچہے چڑیاں کریں ہیں صحنِ گلشن میں ہزار

برگِ گل سے بھی کیا نہ ایک نے ٹک ہم کو یاد
نامہ و پیغام و پرسش ہے مراتب درکنار

بے خلش کیونکر نہ ہو گر ہم سخن گلزار میں

بس قفس میں ہوں کہ میرا تھا دلوں میں ان کے خار

بلبلِ خوش لہجہ کی جا ہے یہ گو غوغائیاں
طرح غوغا کی چمن میں ڈالیں یہ کیا اعتبار

طائرانِ خوش لب و لہجہ نہیں رہتے چھپے
شور سے ان کے بھرے ہیں قریہ و شہر و دیار

شہر کے کیا ایک دو کوچوں میں تھی شہرت رہی
شہروں شہروں ملکوں ملکوں تھے انھوں کا اشتہار

کیا کہوں سوئے چمن ہوتا جو میں سرگرم گشت
پھول گل جیب کھلنے لگتے جوش زن ہوتی بہار

شور سن سنکر غزلخوانی کا میری ہم صفیر
غنچہ ہو آتے جو ہوتا آب و رنگِ شاخسار

خوش نوائی کا جنھیں دعویٰ تھا رہ جاتے خموش
جن کو میں کرتا مخاطب ان کو ہوتا افتخار

بعضوں کو رشک قبولِ خاطر و لطف سخن
بعضوں کا سینہ فگار اور بعضوں کا دل داغدار

ایک کے ہونٹوں کے اوپر آفریں استاد تھا
ایک کہتے تھے رسوخ دل ہے اپنا استوار

ربط کا دعویٰ تھا جن کو کہتے تھے مخلص ہیں ہم
جانتے ہیں ذاتِ سامی ہی کو ہم سب خاکسار

نقل کرتے کیا یہ صحبت منعقد جب ہوتی بزم
بیٹھ کر کہتے تھے منہ پہ میرے بعضے بعضے یار
بندگی ہے خدمت عالی میں ہم کو دیر سے
کر رکھی ہے جان اپنی ہم نے حضرت پر نثار
سو نہ خط اُن کا نہ کوئی پرچہ پہونچا مجھ تلک
واہ وا ہے رابطہ رحمت ہے یہ اخلاص بیار
رفتہ رفتہ ہو گئیں آنکھیں بھی اب میری سفید
بسکہ نامے کا کیا یاروں سے میں نے انتظار
لکھنے گر دو حرف لطف آمیز بعد از چند روز
تو بھی ہوتا اس دلِ بیتاب طاقت کو قرار
سو تو اک بنوشتہ کاغذ بھی نہ آیا میرے پاس
ان ہم آوازوں سے جن کا میں کیا ربط آشنا
خط کتابت سے یہ کہتے تھے نہ بھولیں گے تجھے
آویں گے گھر بار کی تیرے خبر کو بار بار
جب گیا میں یاد سے تب کس کا گھر کا ہیکا پاس
آفریں صد آفریں اے مردمانِ روزگار
اب بیاباں در بیاباں ہے مرا شور و فغاں
گو چمن میں خوش کی تم نے میری جا تے نالہ دار
یہ مثل مشہور یہ عمر سفر کوتاہ ہے

طالع برگشتہ بھی کرتے ہیں اب امداد کار

اک پر افشانی میں بھی ہے یہ وطن گلزار سا
سامعوں کی چھاتیاں نالوں سے ہو ونگی فگار

منہ پہ آویں گے سخن آلودۂ خون جگر
کیونکہ یاران زماں سے چاک ہے دل جوں انار

لب سے لیکہ تا سخن ہیں خوں چکاں شکوے بھرے
لیک ہے اظہار ہر ناکس سے اپنا ننگ و عار

چپ بھلی گو تلخ کامی کھینچیاں اس میں پڑے
بیت بحثی طبع نازک پر ہے اپنی ناگوار

آج سے کچھ بے حسابی جور کن مردم نہیں
ان سے اہل دل سدا کھینچے ہیں رنج بے شمار

بس قلم رکھ ہاتھ سے جانے بھی دے یہ حرف میر
کاہ سے کچا ہے نہیں کہسار ہوتے بے وقار

کام کے جو لوگ صاحب فن ہیں وہ محسود ہیں
بے تہی کرتے رہیں گے حاسد ان نابکار

۱۷

سبزہ نورستہ رہگذار کا ہوں ۔۔۔ سر اٹھایا کہ ہو گیا پامال
کیوں نہ دیکھوں چمن کو حسرت سے ۔۔۔ آشیاں تھا مرا بھی یاں پر سال
ہجر کی شب کو یاں تئیں تڑپا ۔۔۔ کہ ہوا صبح ہوتے میرا وصال

۱۸

طریق عشق میں ہے رہنما دل — پیمبر دل ہے قبلہ دل خدا دل

رکا اتنا خفا اتنا ہوا دل — کہ آخر خون ہو ہو کر بہا دل

جسے مارا اُسے پھر کر نہ دیکھا — ہمارا طرفہ ظالم سے لگا دل

گئے وحشت سے باغ و راغ میں تھے — کہیں ٹھہرا نہ دنیا سے اٹھا دل

اسیری میں تو کچھ واشد کبھو تھا — رہا غمگیں ہوا جب سے رہا دل

ہمہ تن میں الم تھا سو نہ جاتا — کہ وہ یہ درد ہے پہلو میں یا دل

خموشی مجھ کو حیرت سے ہے ورنہ — بھرے ہیں لب تلک شکوے تا دل

۱۹

پھر کچھ کہوں گا روز یہ کہتا تھا دل میں میں — آشفتہ طبع میر کو پایا اگر کہیں

سو کل ملا مجھے وہ بیاباں کی سمت کو — جاتا تھا اضطراب زدہ سا اُدھر کہیں

تک چل کے میں برنگ صبا یہ اسے کہا — کاے خانماں خراب ترا بھی ہے گھر کہیں

آشفتہ جا بجا جو پھرے ہے تو دشت میں — جا گہ نہیں ہے شہر میں تجھ کو مگر کہیں

آسودگی سے جنس کو کرتا ہے کون سوخت — جانے ہے نفع کوئی بھی جی کا ضرر کہیں

موتی سے تیرے اشک ہیں غلطاں کسو طرف — یاقوت سے ٹکڑے ہیں لخت جگر کہیں

تا کے یہ دشت گردی و کب تک یہ خستگی — اس زندگی سے کچھ تجھے حاصل ہے مر کہیں

کہنے لگا وہ ہو کے پر آشفتہ یک بیک — مسکن کرے ہے دہر میں مجھ سا بشر کہیں

آوارہ گاں کو تنگ ہے سنا نصیحتیں — مت کہیو ایسی بات تو بار دگر کہیں

تعیین جا کے بھول گیا ہوں پہ یہ ہے یاد — کہتا تھا ایک روز یہ اہل نظر کہیں

بیٹھے اگرچہ نقش ترا تو بھی دل اُٹھا — کرتا ہے جائے باش کوئی رہگذر کہیں
کتنے ہی آئے رے گئے سر پہ خیال میرؔ — ایسے گئے کہ کچھ نہیں ان کا اثر کہیں

۲۰

میں کون ہوں اے ہم نفساں سوختہ جاں ہوں
اک آگ مرے دل میں ہے جو شعلہ فشاں ہوں

لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
میں ورنہ وہی خلوتیٔ رازِ نہاں ہوں

جلوہ ہے مجھی سے لبِ دریائے سخن پر
صد رنگ مری موج ہے میں طبعِ رواں ہوں

پنجہ ہے مرا پنجۂ خورشید میں ہر صبح
میں شانہ صفت سایہ روِ زلفِ بتاں ہوں

دیکھا ہے مجھے جن نے سو دیوانہ ہے میرا
میں باعثِ آشفتگیٔ طبعِ جہاں ہوں

تکلیف نہ کر آہ مجھے جنبشِ لب کی
میں صد سخن آغشتہ بخوں زیرِ زباں ہوں

ہوں زرد غمِ تازہ نہالاں چمن سے
اس باغِ خزاں دیدہ میں میں برگِ خزاں ہوں

رکھتی ہے مجھے خواہشِ دل بسکہ پریشاں
درپے نہ ہو اس وقت خدا جانے کہاں ہوں

اک وہم نہیں بیش مری ہستیٔ موہوم
اس پہ بھی تری خاطرِ نازک پہ گراں ہوں

۲۱

یہ جو چشمِ پُر آب ہیں دونوں — ایک خانہ خراب ہیں دونوں
رونا آنکھوں کا روئیے کب تک — پھوٹنے ہی کے باب ہیں دونوں
ہے تکلف نقاب وے رخسار — کیا چھپیں آفتاب ہیں دونوں
تن کے معمورے میں یہی دل و چشم — گھر تھے دو سو خراب ہیں دونوں
کچھ نہ پوچھو کہ آتشِ غم سے — جگر و دل کباب ہیں دونوں
ایک سب آگ ایک سب پانی — دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں
آگے دریا تھے دیدۂ تر میر — اب جو دیکھو سراب ہیں دونوں

۲۲

رفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں — ساتھ اس کارواں کے ہم بھی ہیں
جس چمن زار کا تو ہے گلِ تر — بلبل اس گلستاں کے ہم بھی ہیں
وجہ بیگانگی نہیں معلوم — تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں
مر گئے مر گئے نہیں تو نہیں — خاک سے منہ کو ڈھانکے ہم بھی ہیں

۲۳

کچھ تمہیں ملنے سے بیزار ہو میرے ورنہ — دوستی ننگ نہیں عیب نہیں عار نہیں
ناز و انداز و ادا عشوہ و اغماض و حیا — آب و گل میں ترے سب کچھ ہے یہی پیار نہیں
صورتِ آئینہ ٹک دیکھ کہ کیا صورت ہے — بدزبانی تجھے اس منہ پہ سزاوار نہیں

دل کے الجھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں اے ناصح — تو کسی زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں

۲۴

اس سے گھبرا کے جو کچھ کہنے پہ آجاتا ہوں — دل کی پھر دل ہی میں لئے چپکا چلا جاتا ہوں
سعی دشمن کو نہیں دخل مری ایذا میں — رنج سے عشق کے میں آپ کھپا جاتا ہوں
گرچہ کھویا سا گیا ہوں پہ تہ حرف سخن — اس فریبندۂ عشاق کی پا جاتا ہوں
خشم کیوں بے مزگی کاہے کو بے لطفی کیا — بد برا اتنا بھی نہ ہو مجھ سے بھلا جاتا ہوں
استقامت سے ہوں جوں کوہ قوی دل لیکن — ضعف سے عشق کے ڈھتا ہوں گرا جاتا ہوں
مجلس یار میں تو بار نہیں پاتا ہوں — در و دیوار کو احوال سنا جاتا ہوں
اک بیاباں ہے مری بیکسی و بے تابی — جیسے آواز جرس میں سے جدا جاتا ہوں
تنگ آوے گا کہاں تک مرا قلب سلیم — بگھڑی صحبت کے تئیں ونبھا جاتا ہوں

۲۵

شیخ جی آؤ مصلیٰ گرو جام کرو — جنس تقوے کے تئیں صرف مئے جام کرو
فرش مستاں کرو سجادۂ بے تہ کے تئیں — مے کی تعظیم کرو شیشہ کا اکرام کرو
دامن پاک کو آلودہ رکھو بادہ سے — آپ کو مغبچوں کے قابل دشنام کرو
نیکنامی و تقاوت کو دعا جلد کہو — دین و دل پیشکش سادۂ خودکام کرو
ننگ و ناموس سے اب گذرو جوانوں کی طرح — پرفشانی کرو اور ساقی سے ابرام کرو
اٹھ کھڑے ہو جو جھکے گردن مینائے شراب — خدمت بادہ گساراں ہی سرانجام کرو
خشکی اتنی بھی تو لازم نہیں اس موسم میں — پاس جوشش گل و دل گرمی ایام کرو
سایۂ گل میں لب جو پہ گلابی رکھو — ہاتھ میں جام کو لو آپ کو بدنام کرو

آہ تا چند رہو خانقہ و مسجد میں — ایک تو صبح گلستان میں بھی شام کرو
رات ساری تو کٹی سنتے پریشاں گوئی — میر جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

۲۶

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم — اب جو ہیں خاک انتہا ہے یہ
بود آدم نمود شبنم ہے — ایک دو دم میں پھر ہوا ہے یہ
شکر اس کی جفا کا ہو نہ سکا — دل سے اپنے ہمیں گلا ہے یہ
شور سے اپنے حشر ہے برپا — یوں نہیں جانتا کہ کیا ہے یہ
دیکھ بے دم لگا مجھے کہنے — ہے تو مردہ سا پر بلا ہے یہ
میر کو کیوں نہ مغتنم جانے — اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

۲۷

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو
وگرنہ ہم خدا تھے گر دل بے مدعا ہوتے

فلک اے کاش ہم کو خاک ہی رکھتا کہ ہمیں ہم
غبار راہ ہوتے یا کسو کی خاک پا ہوتے

الٰہی کیسے ہوتے ہیں جنھیں ہے بندگی خواہش
ہمیں تو شرم دامنگیر ہوتی ہے خدا ہوتے

۲۸

ہستی اپنی حباب کی سی ہے — یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکی اس کے لب کی کیا کہیے — پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں   حالت اب اضطراب کی سی ہے
میں جو بولا کہا کہ یہ آواز   اسی خانہ خراب کی سی ہے
میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں   ساری مستی شراب کی سی ہے

۲۹

اب جو اک حسرت جوانی ہے   عمر رفتہ کی یہ نشانی ہے
رشک یوسف ہے آہ وقت عزیز   عمر اک بار کاروانی ہے
گریہ ہر وقت کا نہیں بے ہیچ   دل میں کوئی غم نہانی ہے
اس کی شمشیر تیز ہے ہمدم   مر رہیں گے جو زندگانی ہے

۳۰

میرؔ دریا ہے سنے شعر زبانی اس کی   اللہ اللہ طبیعت کی روانی اس کی
ایک ہے عہد میں اپنے وہ پراگندہ مزاج   اپنی آنکھوں میں نہ آیا کوئی ثانی اس کی
مینہ تو بوچھار کا دیکھا ہے برستے تم نے   اسی انداز سے تھی اشک فشانی اس کی
بات کی طرز کو دیکھو تو کوئی جادو تھا   پر ملی خاک میں کیا سحر بیانی اس کی
اس کا وہ عجز تمہارا یہ غرور خوبی   منتیں ان نے بہت کیں پہ نہ مانی اس کی
سرگذشت آپ ہی کس انداز سے کہتا تھا   سو گئے تم نہ سنی ہائے کہانی اس کی
مرثیے دل کے کئی کہہ کے دیے لوگوں کو   شہر دلی میں ہے سب پاس نشانی اس کی
آبلے کی سی طرح ٹھیس لگی پھوٹ بہے   دردمندی میں گئی ساری جوانی اس کی
اب گئے اس کے جز افسوس نہیں کچھ حاصل   حیف صد حیف کہ کچھ قدر نہ جانی اس کی

۳۱

باغ میں سیر کبھو ہم بھی کیا کرتے تھے
روش آب رواں پھیلے پھرا کرتے تھے

غیرت عشق کسو وقت بلا تھی ہم کو
تھوڑی آزردگی میں ترک وفا کرتے تھے

دل کی بیماری سے خاطر تو ہماری تھی جمع
لوگ کچھ یوں ہی محبت سے دوا کرتے تھے

جب تلک شرم رہی مانع شوخی اسکی
تب تلک ہم بھی ستم دیدہ حیا کرتے تھے

مائل کفر جوانی میں بہت تھے ہم لوگ
دیر میں مسجدوں میں دیدہ ہا کرتے تھے

اتنی بیتابی دل نے ہمیں بہلا ہی دیا
آگے رنج و تعب عشق اٹھا کرتے تھے

اٹھ گئے پر مرے تکیے کو تو کہتے ہیں یاں میر
درد دل بیٹھے کہانی سی کہا کرتے تھے

۳۲

داد فریاد جا بجا کرتے
شاید اس کے بھی دل میں جا کرتے

دیکھیں کب تک رہے ہے یہ صحبت
گالیاں کھاتے ہیں دعا کرتے

کچھ کہیں تو کہے ہے یہ نہ کہو
کیونکر اظہار مدعا کرتے

راہ تکنے کو بھی نہایت ہے
منتظر کب تلک رہا کرتے

ہستی موہوم یک سر و گردن
سینکڑوں کیونکہ حق ادا کرتے

وہ نہیں سرگذشت سنتا میر
یوں کہانی سی کیا کہا کرتے

منتظر تب ہو نفع جو کچھ بھی
دل کی بیماری کی دوا کرتے

۳۳

وہ دل نہیں رہا ہے نہ اب وہ دماغ ہے
جی تن میں اپنے بجھتا سا کوئی چراغ ہے

یارب کہیں گے بندہ مرہم کہاں کہاں
سوز درون سے ہاتھ سے بدن داغ داغ ہے

مدت ہوئی کہ زانو سے اُٹھتا نہیں ہے سر ‏ گڑھنے سے رات دن کے ہمیں کب فراغ ہے
گھر گھر پھرے ہے جھانکتی ہر صبح جو نسیم ‏ پردے میں کوئی ہے کہ یہ اُسکا سراغ ہے

۴۳

ہے گی طلب شہریاں کچھ تو کیا چاہئے ‏ بیٹھے نہیں بنتی میاں کچھ تو کیا چاہئے
عشق میں اے مہرباں کچھ تو کیا چاہئے ‏ گریہ و شور و فغاں کچھ تو کیا چاہئے
ہاتھ رکھے ہاتھ پر بیٹھے ہو کیا بے خبر ‏ چلنے کو ہے کارواں کچھ تو کیا چاہئے
میں جو کہا تنگ ہوں مار مروں کیا کروں ‏ وہ بھی لگا کہنے ہاں کچھ تو کیا چاہئے
کیا کروں دل خوں کروں شعر ہی موزوں کروں ‏ چلتی ہے اتنیک زباں کچھ تو کیا چاہئے
ہو نہ سکے گر نماز دل کی طرف کر نیاز ‏ وقت گیا پھر کہاں کچھ تو کیا چاہئے
چاہوں کسو سے دعا دل کی کروں ابتدا ‏ نفع ہو پھر یا زیاں کچھ تو کیا چاہئے
یہ تو نہیں دوستی ہم سے جو تم کو رہی ‏ پاسِ دلِ دوستاں کچھ تو کیا چاہئے
میر نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے ‏ نامِ خدا ہو جواں کچھ تو کیا چاہئے

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرہ کو دریا کی جدائی کا

اسیر اے دوست تیرے عاشق و معشوق دونوں ہیں
گرفتار آہنی زنجیر کا یہ - وہ طلائی کا

تعلق روح سے مجھ کو جسد کا ناگوارا ہے
زمانہ میں چلن ہے چار دن کی آشنائی کا

فراقِ یار میں مر مر کے آخر زندگانی کی
رہا صدمہ ہمیشہ روح و قالب کی جدائی کا

ہوئی منظور محتاجی نہ مجھ کو اپنے سائل کی
بنایا کاسۂ سر واژگوں کاسہ گدائی کا

نظر آتی ہیں ہر سو صورتیں ہی صورتیں مجھ کو
کوئی آئینہ خانہ کارخانہ ہے خدائی کا

نکل اے جان تن سے تا وصالِ یار حاصل ہو
چمن کی سیر ہے انجام بلبل کو رہائی کا

وصالِ یار کا وعدہ ہے فردائے قیامت پہ
یقیں مجھ کو نہیں ہے گو تلک اپنی رسائی کا

بھروسا آہ پر ہرگز نہیں اے یار عاشق کو
شکار اب تک نہیں دیکھا کہیں تیرِ ہوائی کا

دکھایا حُسن سے اعجازِ موسیٰ کلکِ قدرت نے
یدِ بیضا بنایا خورِ انگشتِ حنائی کا

نہیں مٹتی ہے پتھر کی لکیر احباب کہتے ہیں
رہیگا پائے بت پر نقش اپنی جبہ سائی کا

شکستِ خاطرِ احباب ہوتی ہے درست اس سے
توجہ میں تری اے یار اثر ہے مومیائی کا

دل اپنا آئینہ سے صاف عشقِ پاک کرتا ہے
تماشہ دیکھتا ہے حُسن اس میں خود نمائی کا

کفِ افسوس ملواتی ہے تیری پاک دامانی
نیچا کر دامنِ عصمت کو جامہ پارسائی کا

نہیں دیکھا ہے لیکن تجھ کو پہچانا ہے آتش نے
بجا ہے اے صنم جو تجھ کو دعویٰ ہے خدائی کا

۲

حُسن پری اک جلوۂ مستانہ ہے اُس کا — ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اُس کا
گل آتے ہیں ہستی میں عدم سے ہمہ تن گوش — بلبل کا یہ نالہ نہیں افسانہ ہے اُس کا
گریاں ہے اگر شمع تو سر دھنتا ہے شعلہ — معلوم ہوا سوختہ پروانہ ہے اُس کا
وہ شوخ نہاں گنج کے مانند ہے اُس میں — معمورۂ عالم ہے جو ویرانہ ہے اُس کا

جو چشم کہ حیراں ہوئی آئینہ ہے اُس کی
جو سینہ صد چاک ہوا شانہ ہے اُس کا

دل قصر شہنشہ ہے وہ شوخ اس میں شہنشاہ
عرصہ یہ دو عالم کا جلو خانہ ہے اُس کا

وہ یاد ہی اُس کی کہ بھلا دی دو جہاں کو
حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہی اُس کا

یوسف نہیں جو ہاتھ لگے چند درم سے
قیمت جو دو عالم کی ہے بیعانہ ہے اُس کا

اللہ رے صفائے دو بناگوش کا عالم
مشتاق ہر اک گوہر یکدانہ ہی اُس کا

آوارگی نکہت گل تھا یہ اشارہ
جامہ سے جو باہر ہے وہ دیوانہ ہی اُس کا

یہ حال ہوا اُس کے فقیروں سے ہویدا
آلودہ دنیا جو ہے بیگانہ ہی اُس کا

تشکرانہ ساقی ازل کرتا ہے یہ آتش
لبریز مئے شوق سے پیمانہ ہے اُس کا

٣

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

کیا کیا الجھتا ہے تری زلفوں کے تار سے
بخیہ طلب ہے سینۂ صد چاک شانہ کیا

زیر زمیں سے آتا ہے جو گل سو زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

اڑتا ہے شوق راحت منزل سے اسپ عمر
مہمیز کسکو کہتے ہیں اور تازیانہ کیا

زینہ صبا کا ڈھونڈھتی ہے اپنی مشت خاک
بام بلند یار کا ہے آستانہ کیا

چاروں طرف سے صورتِ جاناں ہو جلوہ گر
دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا

صیادِ اسیرِ دام رگِ گل ہے عندلیب
دکھلا رہا ہے چھپ کے اسے آب و دانہ کیا

طبل و علم ہے پاس نہ اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کریگا زمانہ کیا

آتی ہے کس طرح سے مری قبضِ روح کو
دیکھوں تو موت ڈھونڈھ رہی ہے بہانہ کیا

ہوتا ہے زرد سن کے جو نامرد مدّعی
رستم کی داستاں ہے ہمارا فسانہ کیا

بے یار ساز وار نہ ہوئے گا گوش کو
مطرب ہمیں سناتا ہے اپنا ترانہ کیا

صیادِ گلعذار دکھاتا ہے سیرِ باغ
بلبل قفس میں یاد کرے آشیانہ کیا

ترچھی نگہ سے طائرِ دل ہو چکا شکار
جب تیر کج پڑے گا اڑیگا نشانہ کیا

بیتاب ہے کمال ہمارا دلِ حزیں
مہماں سرائے جسم کا ہوگا روانہ کیا

یوں مدّعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے

آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

۴۴

سامنا تجھ سے جو اسے ناوک فگن ہو جائیگا
جو کٹری کو بھول کر تو وہ ہرن ہو جائیگا

نام تیرا جس کو وردا سے گلبدن ہو جائیگا
غنچۂ گل کی طرح خوشبو دہن ہو جائیگا

موسم گل میں بدن کو کپڑے پھاڑے کھائینگے
دھجیاں لینے کے قابل پیرہن ہو جائے گا

تیرے آنے کی چمن میں ہوگی ہر گل کو خوشی
شرخ تر لالہ سے رنگِ یاسمن ہو جائیگا

حسن کا عالم دکھا دے گی مجھے سیرِ چمن
چشم نرگس یکگوش گل ۔غنچہ دہن ہو جائیگا

عشق شیریں میں عبث دونوں کو ہے آسیمش تنگ
کوہ کن خسرو نہ خسرو کوہ کن ہو جائیگا

خلعتِ شاہی نہیں اے بوالہوس تشریفِ عشق
جس نے پہنا اس کو وہ جامہ کفن ہو جائیگا

بعدِ مردن بھی رہے گا شوقِ عریانی مجھے
روح کو جسم مثالی پیرہن ہو جائیگا

ہم کنار اک دن نگار تمثال ہو کے یار سے

آئینہ جوشِ صفا سے وہ بدن ہو جائیگا

پھاڑ کر پیوند میں مجنوں کروں گا ہر برس
پیرہن درویش کا دلقِ کہن ہو جائیگا

چشم کے چشموں میں ان کا اتفاق اچھا نہیں
اشک کے قطروں سے دریا موجزن ہو جائیگا

موت کے آنے کی ہوگی اس قدر شادی مجھے
پھٹ کے اُترے گا شکنجہ پیرہن ہو جائیگا

روئے بُت پر آنکھ میری طرح رغبت کی نہ ڈال
سامنا قصّاب کا اے برہمن ہو جائے گا

سکۂ داغِ وفا اک دن مرے کام آئینگے
عشق کے بازار میں ان کا چلن ہو جائیگا

مدّعی کیا تشنۂ دیدار ہوویں گے ترے
آبِ زہرہ دیکھکر چاہِ ذقن ہو جائیگا

چار دن ہے گرم بازارِ شباب اے نونہال
کوڑیوں کے مول یہ سیبِ ذقن ہو جائیگا

شاعروں کے کہنے پر اترا نہ اے گیسوئے یار
عنبرِ سارا نہ تو مشکِ ختن ہو جائے گا

خط کے آنے کی خبر تھی روئے رنگیں پر کسے
کیا سمجھتا تھا میں خارستاں چمن ہو جائے گا

دخترِ رز ہو گی حلقے میں ہمارے بے نقاب
خلوتی کو اشتیاقِ انجمن ہو جائے گا

دمِ فنا اپنا کہیگا کوہ کن سر پھوڑ کر
غمزۂ شیریں فریبِ پیرِ زن ہو جائیگا

ہر گھڑی ہر دم ترقی ہے جمالِ یار کو
روح سے بہتر لطافت میں بدن ہو جائیگا

وجد ہوگا ہر شجر کو دیکھ کر اس کی بہار
لالۂ غربت مرا داغِ وطن ہو جائے گا

دم میں دم جب تک ہے چھٹنے کا نہیں میں یار سے
میرے اُس کے اتفاقِ روح و تن ہو جائیگا

قفلِ بے مفتاح کا عالم کرے گی خامشی
مثلِ ماہی بے زباں اپنا دہن ہو جائیگا

منزلِ مقصود دکھلا دے گی توفیقِ ازل
دوست دشمن ہوں گے رہبر راہزن ہو جائیگا

یار مہماں ہوگا آتش وصل کی شب آئیگی
خانۂ شادی مرا بیت الحزن ہو جائیگا

——— ۵ ———

روز و شب ہنگامہ برپا ہے میانِ کوئے دوست
لب پہ میری لڑتے ہیں سگانِ کوئے دوست

حور کی تعریف گویا یار کی تعریف ہے
ذکر کو جنت کے ہیں سمجھا بیانِ کوئے دوست

تشنۂ خونِ جہاں ہے یہ تو وہ قتالِ خلق
آفت جاں ہیں زمین و آسمان کوئے دوست

قاصدِ کشتہ نظر آتا ہے ہر مردہ مجھے
مجھ کو گورستاں سے اوپر ہے گمانِ کوئے دوست

ہمنشیں کہتے ہیں افسانہ سے آجاتی ہے نیند
ہجر کی شب میں سنوں گا داستانِ کوئے دوست

رشک اس سے کہتے ہیں میں نے صاف اسی سمجھا رقیب
صورتِ دیوار اگر دیکھی میانِ کوئے دوست

نقش پائے غیر پاتا ہوں پسِ دیوار میں
آشنا میرے در نکلا پاسبانِ کوئے دوست

قاصدوں کے پاؤں توڑے بدگمانی نے مری
خط دیا لیکن نہ بتلایا نشانِ کوئے دوست

چاہ رہ نقشِ قدم ہے خار رہ قزاق ہے
ہو چکے دشمن ہمارے رہروانِ کوئے دوست

آتش اہل کربلا سے چل کے اب کہتا ہوں میں
اے خوشا طالع تمہارا اے ساکنانِ کوئے دوست

۶

بہار آئی ہے عالم ہے گل نسرین و سوسن پہ
جوانانِ چمن نازاں ہیں اپنے اپنے جوبن پہ

نقاب اٹھے جو نور رخسارِ آتش رنگ سے اپنے
پرِ پروانہ سے آسے چلیں شمعوں کی گردن پہ

دلِ نازک کو اپنے جنبش مژگاں سے کیا ڈر ہے
چھری چلتی کبھی دیکھی نہیں شیشہ کی گردن پہ

حذر عالی مقاموں کو ہے لازم خاکساروں سے
پیادے غالب آتے ہیں سوارِ پشتِ توسن پہ

ادب آموز ہے ہر ایک ذرہ اپنی وادی کا
نہیں ممکن کہ گرد اڑ کر پڑے رہرو کے دامن پہ

سیہ چشم اکثر آتے ہیں تماشا دیکھنے اس کا
کمندِ آہوئے شہری ہے سبزہ اپنے مدفن پہ

نہایت بلبل شیدا کا اس نے دل جلایا ہے
جو بس ہو وے تو رکھدوں آگ میں گلچیں کے دامن پہ

نہ دیکھا سخت طینت کو کبھی سرسبز دنیا میں
شگوفہ پھولنا باقی نہیں دیوار آہن پہ

زرہ جس دن سے اے قاتل گلے میں تو نے ڈالی ہے
طلا و نقرہ کو اک رشک ہے اقبالِ آہن پہ

نہانے کو نہ جا حمام میں ہمرہ رقیبوں کے
لٹا دے گا ہمیں رشکِ آتشِ سوزانِ گلخن پہ

نہ سمجھا پیر نہ سمجھا میرے خطِ شوق کا مطلب
مقدر نے مجھے عاشق کیا کس طفلِ کودن پہ

تری زلفِ سیہ اک دن سفیدا ے یار ہووے گی
یہ وہ شب ہے چلے گی جو طریقِ روزِ روشن پہ

حرارت طور کے شعلے کی ہر اک دانہ رکھتا ہے
یقیں ہے خاک ہو بجلی گرے گر اپنے خرمن پہ

فنا ہو کر نہ چھوٹے گی یہ خو نظارہ بازی کی
ہماری خاک کے ذرّے کرینگے قبضہ روزن پہ

جو کامل ہیں نہیں اندیشہ آتش ان کو بدبیں کا
دہانِ زخمِ کاری خندہ زن ہے چشمِ سوزن پہ

ے

شرف بخشا گہر کو صرف کر کے تو نے زیور میں
نگیں کو نام نے تیرے بٹھایا خانۂ زر میں

یہ کیفیت اُسے ملتی ہے ہو جس کے مقدر میں
مے الفت نہ خم میں ہے نہ شیشہ میں نہ ساغر میں

رہا کرتا ہے نظمِ شعر کا سودا مرے سر میں
عروسِ فکر ان روزوں لدی رہتی ہے زیور میں

تکلف بر طرف اے نازنیں موقوف آرائش
نزاکت سے دبا جاتا ہے کیوں پھولوں کے زیور میں

کریں گے سیر شب کو کیمیاگر تیرے کوچہ میں
بھگو دینگے فتیلے روغنِ گوگردِ احمر میں

قیامت تک یہی گردش رہیگی روز و شب ان کو
مہ و خورشید حسنِ یار سے آئے ہیں چکر میں

مرے ویرانہ کی حد میں کبھی اڑ کر جو نکلے
پلاؤں چغد کو پانی ہما کے کاسۂ سر میں

تفنگِ یار کے چھروں کی عالم کو تمنا ہے
یہ لوہے کے چنے ہیں دیکھئے کس کے مقدر میں

نکلکر کنجِ عزلت سے نہ کر ہنگامہ افروزی
شرر یاقوت کا ہم سنگ ہے جبتک ہے پتھر میں

کرے بوٹا سا قد ہر چند پیدا اس کی موزونی
ترے کانوں کے پتوں سے کہاں پتے صنوبر میں

شرف اللہ نے بخشا ہے آدم پر محمد کو
فضیلت ہے مقدم سے زیادہ یاں موخر میں

جہاں چاہے بسر اوقات کرے چار دن بلبل
چمن میں آشیانہ ہے قفس صیاد کے گھر میں

خدا چاہے تو نالوں سے مرے پگھلے دل اس بت کا

یہ شان اُس کی نرمی موم کی پیدا ہو پتھر میں

نہ جب تک ہم پیالہ ہو کوئی ہیں مے نہیں پیتا
نہیں مہماں تو فاقہ ہے خلیل اللہ کے گھر میں

الٰہی بازوئے قاتل میں زور دست قدرت دے
روانی ہے اُسی کے دم سے آب خشک خنجر میں

لب لعلیں کو تیرے وصل کی شب ہم نے جو پایا ہے
نہ ہوں گے تشنگی سے ہونٹ اپنے خشک محشر میں

دگرگوں عشق حسن یار سے ہے رنگ عالم کا
کوئی چہرہ بحال اب ہم جو سنتے ہیں تو دفتر میں

کیا شمشیر کی صورت نہ اک عاشق کو دو ٹکڑے
نہ پایا وے جوہر انصاف قاتل تیرے خنجر میں

دہن اے حور ہے تیرا لعینہ چشمہ جنت کا
تبسّم سے ترے لیتی ہیں لہریں موج کوثر میں

خیال بام سودا ہے ترے دروازہ تک پہنچو
پر جبریل پیدا ہوں جو بازو سے کبوتر میں

تری تلوار دکھلا دے بہار باغ ای قاتل
لہو سے میرے گل پھولیں چمن بندی کے جوہر میں

رہا منظور خاطر خاتمہ بالخیر عاشق کا
کوئی چیونٹی موئی تو اُس کو گاڑا ہے شکر میں

وہ نرگسِ چشم دیکھیں ملکِ دل غارت کرے کس کا
رہا کرتی ہے صف بندی بہت مژگاں کے لشکر میں

وہی تاثیر دے گا آتشیں نالوں میں بھی اپنے
لیاقت دی ہے جس نے شیشہ کے بننے کی پتھر میں

ڈراتا ہے بہت رندوں کو ذکرِ نارِ دوزخ سے
تماشا ہو جلے واعظ لگا اٹھے آگ منبر میں

یہ راہ و رسمِ خود بینی حسینوں میں ہے مدت سے
کھلے تھے جوہر اس آئینہ کے عہدِ سکندر میں

خیال آتا ہے جنت کا تو آنکھوں میں ہی پھر جائیں
وہ شہد و شیر کی نہریں زمیں مشک و عنبر میں

نہ اٹھنے دینگے جب تک بت جواہر کا نہ لے لینگے
برہمن کو بٹھایا ہم نے جب قصاب کے گھر میں

مآل کار کی صورت بھی آنکھوں کو نظر آئی
لگا دیا تھا اک آئینہ بھی قبرِ سکندر میں

نہایت حرص مے ہے زندگی میں مجھ قدح کش کو
یقیں ہے تشنہ رہ جائے مری مٹی کے ساغر میں

ترے دانتوں کا دعویٰ کا دیکھا تھا میری آنکھوں کو
صفا تو تھی چمک ہیرے کی بھی ہوتی جو گوہر میں

قناعت دی ہے مثلِ قبر مجھ کو خاکساری نے

رہوں گا باغ باغ آتش میں اک پھولوں کی چادر میں

۸

صاف ہو ہر چند یہ باطن عزیزِ دل نہ ہو
کج نما آئینہ ہرگز دید کے قابل نہ ہو

روئے زیبا کا کسی محبوب کے مائل نہ ہو
دل تو دینا سہل ہے پھر جان کی مشکل نہ ہو

یار تو بھولا کرے غمازیِ اے کاش یاد
دوست تو غافل ہوا دشمن کہیں غافل نہ ہو

نیم بسمل کی طرح سے زندگانی ہے خراب
اس قدر بھی آدمی کو حسرتِ قاتل نہ ہو

اے صنم کوئی نہیں محبوب تجھ سا دوسرا
سخت کافر ہے جو وحدت کا ترے قائل نہ ہو

مشقِ طفلاں سے زیادہ روز ہوتا ہے سیاہ
نامۂ عصیاں ہمارا کا غذِ باطل نہ ہو

اے بتِ بے رحم عزرائیل کا عاشق نہ بن
سینۂ بیمارِ الفت کے لئے توسل نہ ہو

ہے غرورِ حسنِ دو روزہ سے از خود رفتہ یار
اسقدر بھی نشۂ معجونِ آب و گل نہ ہو

اُٹھ چکا روزِ قیامت روئے قاتل سے نقاب

عرصۂ محشر تنگ ہے تیر کی منزل نہ ہو
حرمتِ کعبہ طریق صاحب اسلام ہے
چاہیئے رنجیدہ کافر کا بھی تجھ سے دل نہ ہو
ہے ہر اک مصرعہ مرا خط بتاں کے وصف میں
مدعا ہے عشق کو اس سے کبھی حاصل نہ ہو
ڈوب جانا پار اترنا ہے محیطِ عشق سے
تہ تو ہے بحرِ محبت کی نہیں ساحل نہ ہو
اپنے اشکوں کی جو غلطانی دکھاؤں میں اسے
گوہرِ غلطاں کی نیساں سے صدف مائل نہ ہو
کنج تنہائی میں میں نے زندگی کی ہے بسر
گور بھی میری کسی کے گور کی شامل نہ ہو
دام میں صیاد نے کھینچا انھیں اچھا کیا
باغ ہے کچھ بلبل و قمری کی یہ محفل نہ ہو
حشر تک نہ زیرِ زمیں تڑپا کرے گا گور میں
کشتۂ ابرو ہے آتش تیغ کا بسمل نہ ہو

۹

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکاں ہے | زمیں جس کی چہارم آسماں ہے
خدا پنہاں ہے عالم آشکارا | نہاں ہے گنج ویرانہ عیاں ہے
دلِ روشن ہے روشنگر کی منزل | یہ آئینہ سکندر کا مکاں ہے

تکلف سے بری ہے حسنِ ذاتی
قبائے گل میں گل بوٹا کہاں ہے

پسیجے گا کبھی دل تو کسی کا
ہمیشہ اپنی آہوں کا دھواں ہے

بہ رنگِ بو ہوں گلشن میں میں بلبل
بغل غنچہ کی میرا آشیاں ہے

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ
قناعت بھی بہارِ بے خزاں ہے

چمن کی سیر پر ہوتا ہے جھگڑا
کمر میری ہے دستِ باغباں ہے

بہت آتا ہے یادائے صبر مسکیں
خدا خوش رکھے تجھ کو تو جہاں ہے

الٰہی ایک دل کس کس کو دوں میں
ہزاروں بت ہیں یاں ہندوستاں ہے

بقیں ہوتا ہے خوشبوئی سے اس کے
کسی گلرو کا غنچہ عطر داں ہے

وطن میں ہیں نئے اہلِ شوق کی طرح
سفر میں روز و شب یک رواں ہے

سحر ہووے کہیں شبنم کرے کوچ
گل و بلبل کے دریا درمیاں ہے

سعادتمند قسمت پر ہیں شاکر
ہما کو مغز یا دامِ استخواں ہے

دلِ بیتاب جو اس میں گرے ہیں
ذقنِ جاناں کا یارے کا کنواں ہے

جرس کے ساتھ دل رہتے ہیں نالاں
مرے یوسف کا عاشق کارواں ہے

ذکہہ رندوں کو حرفِ سخت واعظ
درشت اہلِ جہنم کی زباں ہے

قدِ محبوب کو شاعر کہیں سرو
قیامت کا یہ آئے آتش جاں ہے

— ۱۰ —

شہرۂ آفاق مجھ سا کون سا دیوانہ ہے
ہند میں میں ہوں پرستاں میں مرا افسانہ ہے
صید گاہِ مرغِ دل رخسارۂ جانانہ ہے

دام زلفِ عنبریں ہے خالِ مشکیں دانہ ہے
حسن سے رتبہ ہے اپنے عشقِ کامل کا بلند
آستانہ پہ پری ہے بام پہ دیوانہ ہے
اس میں تڑپتا ہے صفائے روئے جاناں کا خیال
دل نہیں پہلو میں اپنے آئینہ کا خانہ ہے
بیچتا ہوں دل کو جو محبوب چاہے مول لے
بوسہ قیمت ہے توجہ کی نظر بیعانہ ہے
پھوٹیں وہ آنکھیں نگاہِ بد سے جو دیکھیں تجھے
آتشیں رخسار مجمر خال کالا دانہ ہے
روز و شب اس شمع رو کو بھیجتا ہوں خطِ شوق
نامہ بر دن کو کبوتر رات کو پروانہ ہے
خارِ خارِ دل غنیمت جانتا ہوں عشق میں
زلف دودِ آہ کی آراستگی کا شانہ ہے
شرح لکھنا چاہئے اس کی بیاضِ صبح پہ
مطلعِ خورشید بیتِ ابروئے جانانہ ہے
حالتِ آئینہ رکھتا ہے صفا سے دل مرا
آشنا سے آشنا بیگانہ سے بیگانہ ہے
قتل سے مجھ سخت جاں کے منکر اے قاتل نہ ہو
حجتِ قاتل تری تلوار کا دندانہ ہے

واسطے ہر شے کے دنیا میں مقرر ہیں محل
شہر میں جیب تک ہے مجنوں گنج بے ویرانہ ہے

باغِ عالم میں نہیں اس شوخ سا کوئی حسیں
گل سے اپنا یار یوسف سبزۂ بیگانہ ہے

اب نہیں آتے ترے یار جوبن کو ترے بیم زوال
خطِ مشکیں حسن کی جاگیر کا پروانہ ہے

حال ہے جس کا اسی کے واسطے ہے خوشنما
نقص ہے تلوار کا وصف ارہ کا دندانہ ہے

یار کھینچے تیغ تیرے قتل کرنے کے لئے
سر جھکا آتش یہ جائے سجدۂ شکرانہ ہے

۱۱

آج تک واقف نہیں کوئی ہمارے حال سے
سامنا آئینہ کا ہے عالمِ تمثال سے

پھنس کے اس میں مرغِ جاں چھوٹا ہے گو نکی جال سے
اپنی دیکھی ہوئی زلفِ پریشاں حال سے

سامنے سینہ نہ کر اے دل دہن کے خال سے
رکتی ہے بندوق کی گولی کہیں بھی ڈھال سے

نشۂ مے کا اثر رکھتا ہے مطرب کا سماع
کچھ خبر رہتی نہیں صوفی کو اپنے حال سے

مطلب دیدار کی خاطر جو پہنچوں اُن سے
مُنہ چھپا دیں سعد شکلیں قرعہ رمال سے

جب چھپا ہے روئے نورانی یہ افشاں یار نے
لڑ گیا ہے مطلع خورشید بیت المال سے

زنشری کا بوسہ بازی میں مجھے ملتا ہے لطف
قند کی ڈلیا وہ لب ہیں لعل لب ہیں فالسے

باندھتا ہوں شعر میں مضموں طلائی رنگ کے
مرغ زرّیں صید کرتا ہوں میں اپنے جال سے

کار اعلیٰ گو کرے ادنےٰ وہی بیقدر ہے
دیکھ لے قیمت میں کم ہوتا ہے کمبل شال سے

ہاتھ مل کر رہ گیا صیاد اُڑا کر لے گئے
دانۂ قسمت ہوا میرے پرو کے جال سے

ناتواں ہر چند میں مجنوں ہوں آنے دے بہار
اے جنوں زنجیر توڑوں گا ترے اقبال سے

کس کو ہے فکر کفن پروانہ مردہ ہوں میں
شمع کشتہ ہوں مجھے کیا کام ہے غسال سے

ماہرو کیونکر کہیں تجھ کو نہ ہم صاحب کمال
سینۂ عارف نہ ہوگا صاف تیرے گال سے

دل اُلجھتا ہے نہایت دیکھتے ہوتا ہے کیا

زلف پیچاں کچھ اشارہ کر رہی ہے خال سے
حشر تک ہووے نہ وہ زلف سیہ آتش سفید
دوں جسے تشبیہ اپنے نامۂ اعمال سے

۱۲

یا ز ا ر دہر میں تری منزل کہاں نہ تھی
یوسف نہ جس میں ہو کوئی ایسی کاں نہ تھی

زردی نے میرے رنگ کی مجھ کو رلا دیا
ہنسوائے جو کسی کو یہ وہ زعفراں نہ تھی

ظاہر سے خوبرویوں کو باطن خلاف تھا
شیریں لبوں کی طرح سے ان کی زباں نہ تھی

منزل ہی دور ہے جو پہنچے نہیں ہنوز
دم لینے والی راہ میں عمر رواں نہ تھی

دکھلائی سیر آنکھوں کو بام مراد کی
ایسی کوئی کمند کوئی نردباں نہ تھی

قوس قزح سے ہم نے بھی تشبیہ دی ہے
چلہ نہ ہونے سے جو وہ ابرو کماں نہ تھی

آگاہ جذبِ عشق زلیخا سے تھا نہ حسن
یوسف کو چاہ میں خبر کارواں نہ تھی

یاد آگئی جو سلکِ گہر تیرے گوش کی
سوہانِ روح تھی مجھے شب کہکشاں نہ تھی

رہیجانا مجھے جسم کا جاں سے عجیب نہیں
کس کارواں کی گرد پس کارواں نہ تھی

نافہمی کی دلیل ہے یہ سجدہ سے ابا
ابلیس کو حقیقت آدم عیاں نہ تھی

عاشق کے سر کے ساتھ ہی سودائی کو ہی یار
موزوں تھا وہ جس کو ہوائے جناں نہ تھی

بانگ جرس سے آگے سراک قدم رہا
گرد اپنے کارواں کی پس کارواں نہ تھی

افسوس کیا جوانیٔ رفتہ کا کیجئے
وہ کون سی بہار تھی جس کو خزاں نہ تھی

نالوں سے ایک دن نہ کئے گرم گوش یار
آتش تمہارے دہن میں زباں نہ تھی

۱۳

ناز و ادا ہے تجھ سے دلارام کے لئے
یہ جامع قطع ہی ترے اندام کے لئے

وحشت میں کعبہ کو جو گیا کوئے یار سے
بیلتے جنوں نے جامۂ احرام کے لئے

عاشق ہوں ہر طرح سے گنہگار ہوں ترا
حاجت قصور کی نہیں الزام کے لئے

کیا کیا جپے گی کیسا رٹیگی زباں اسے
تسبیح ہم نے لی ہے ترے نام کے لئے

طفلی کے گریہ کا یہ کھلا حال وقت مرگ
آغاز ہی میں روتے تھے انجام کے لئے

اچھا نہیں مقابلہ اُس چشم شوق سے
اک دن شکست فاش ہے بادام کے لئے

دونوں نہال آئے الٰہی مراد پہ
حاصل ہو پختگی ثمر خام کے لئے

ہر چند اپنا نامۂ عصیاں سیاہ ہو
ہوگا سفید صبح ہے ہر شام کے لئے

نامرد اور مرد میں اتنا ہی فرق ہے
وہ نان کے لئے مرے یہ نام کے لئے

مثل کمند اپنی رسائی ہوئی اگر
اے قصر یار بوسے لب بام کے لئے

کیا چشم مست یار سے تشبیہ دیجئے
کیفیت نگاہ نہیں جام کے لئے

رکھوا کے زلف یار نے لاکھوں ہی مرغ دل
پیدا کئے ہیں کشمکش دام کے لئے

دل میں سوائے یار جگہ ہو نہ غیر کی
خلوت سرا ہے خاص نہیں عام کے لئے

جاتا ہے بہر غسل جو اے خوش دماغ تو
جلتا ہے عود گرمی حمام کے لئے

آتش چھپا ہے پائے توکل کو محکمی
جو صبح کو ملے نہ رہے شام کے لئے

۱۴

کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے
جس طرف دیکھا مقامِ ہو نظر آیا مجھے

حُسن سے قدرت خدا کی رو نظر آیا مجھے
ریش پیغمبر ترا گیسو نظر آیا مجھے

روئے گل بے چشم و بے ابرو نظر آیا مجھے
سرو باقی قد بے بازو نظر آیا مجھے

رازِ دل افشا نہ ہوا ے دل کہے دیتا ہوں میں
پھوڑ ڈالی آنکھ اگر آنسو نظر آیا مجھے

تیری تلوار اس کو سمجھا میں اُسے مشتاق زخم
جب کوئی تشنہ کنار جو نظر آیا مجھے

دیدۂ یعقوبؑ سے دیکھا جو عالم کی طرف
یوسفؑ اس بازار میں ہر سو نظر آیا مجھے

دل شبِ فرقت رہا سینہ میں مردہ کی طرح
گور کا پہلو مرا پہلو نظر آیا مجھے

کہکشاں سنے ساقِ پائے یار کا دھوکا دیا
ماہِ تاباں کاسۂ زانو نظر آیا مجھے

سامنا رُخ کا ترے گل نے کیا تھا ایک روز
رنگ اُڑا ایسا گل بے بو نظر آیا مجھے

خالِ مشکیں کا ترے جس رات افسانہ سُنا
سو گیا تو خواب میں ہندو نظر آیا مجھے

اے فراق اب عہدِ وصل دائمی ہے یار سے

بے طرح سمجھا اگر پھر تو نظر آیا مجھے

جب ترے روئے عتاب آلودہ سے تشبیہ دی
لالہ آتش برنگ و آتش خو نظر آیا مجھے

تو وہ گل ہے باغ عالم میں کہ جس کے واسطے
گل بھی آوارہ برنگ بو نظر آیا مجھے

حاجیوں کی طرح سے میں نے کیا اس کا طواف
کعبہ سنتا تھا جسے وہ تو نظر آیا مجھے

تو نے دکھلائی صنم برقع کی جالی سے جو آنکھ
دام میں صیاد کے آہو نظر آیا مجھے

وصل کی شب کر دیا بیکار رعب حسن نے
دست و پا ہر ایک بے قابو نظر آیا مجھے

مہرہ کی وصلی سے تھا وہ صفحۂ رو بسکہ صاف
قطعۂ دستارِ چارہ ابرو نظر آیا مجھے

چشم بے سرمہ جو دکھلائی کسی محبوب نے
سامری نا واقفِ جادو نظر آیا مجھے

تو نے زلفوں کو الجھ پڑنے سے منڈوا دیا جو یار
شاہ بازِ حسن بے بازو نظر آیا مجھے

تیرے دنداں میں دکھائی دی جو مسی کی لکیر
اے پری دُرِ نجف میں مو نظر آیا مجھے

مشک و عنبر کی بھی بو چین و شکن کے ساتھ ہے
طرۂ سنبل پہ بھی گیسو نظر آیا مجھے

بے تصنع اس کو سمجھا میں نے تیغِ بے نیام
جب ترا اے آستیں بازو نظر آیا مجھے

یاد کر اس گل کو آتش مثلِ شبنم رو دیا
پیرہن کوئی اگر خوشبو نظر آیا مجھے

۱۶

نافہمی اپنی پردہ ہے دیدار کے لئے
ورنہ کوئی نقاب نہیں یار کے لئے

نورِ تجلی ہے ترے رخسار کے لئے
آنکھیں مری کلیم ہیں دیدار کے لئے

وردیے بہت اس ابروئے خمدار کے لئے
چورنگ کی کمی نہیں تلوار کے لئے

قول اپنا ہے یہ سبحہ و زنار کے لئے
دو پھندے ہیں یہ کافر و دیندار کیلئے

لطفِ چمن ہے بلبل و گلزار کے لئے
کیفیتِ شراب ہے میخوار کے لئے

سیری نہ ہوگی تشنۂ دیدار کے لئے
پانی نہیں چہِ ذقنِ یار کے لئے

اتنی ہے نمود مرے یار کے لئے
شہرہ ہے جس قدر مرے اشعار کیلئے

وحشتِ عدم سے آتے ہیں باغِ جہاں میں ہم
یے داغ لالہ رو گلِ بے خار کے لئے

شمشاد اپنے طرّہ کو پیچھے تو لیجئے
اس لالہ رو کی لپٹی دستار کے لئے

دو آنکھیں ہیرے پر نہیں تیرے فقیر کے
دو ٹھیکرے ہیں بھیک کے دیدار کے لئے

سرمہ لگایا کیجئے آنکھوں میں مہرباں
اکسیر یہ سفوف ہے بیمار کے لئے

حلقہ میں زلفِ یار کے موتی پرو دیئے
دنداں ضرور ہیں دہنِ یار کے لئے

گفت و شنید میں ہوں بسر دن بہار کے / گل کے لئے ہے گوش زباں خار کے لئے

بے یار سر ٹپکنے سے ہلتا ہے گھر مرا / رہتا ہے زلزلہ در و دیوار کے لئے

بیٹھا جو اس کے سایہ میں دیوانہ ہو گیا / سایہ پری کا ہے تری دیوار کے لئے

بلبل ہی کو بہار کے جانیکا غم نہیں / ہر برگ ہاتھ ملتا ہے گلزار کے لئے

اے شاہ حسن زلف و رخ و گوش و چشم و لب / کیا کیا علاقے ہیں تری سرکار کے لئے

چال پری کی چلا جو گلستاں میں جھوم کر / طاؤس نے قدم تری رہوار کے لئے

آیا جو دیکھنے ترے حسن و جمال کو / پکڑا گیا وہ عشق کی بیگار کے لئے

حاجت نہیں بناؤ کی اے نازنیں تجھے / زیور ہے سادگی ترے رخسار کے لئے

بیمار تندرست ہو دیکھے جو روئے یار / کیا چاشنی ہے شربت دیدار کے لئے

اس بادشاہ حسن کی منزل میں چاہئے / بال ہما کی پرچھتی دیوار کے لئے

سودائے زلف یار میں کافر ہوا ہوں میں / سنبل کے تار چاہئیں زنار کے لئے

زنجیر و طوق جو کہ ہے بازار دہر میں / سودا ہے اس پری کے خریدار کے لئے

چو بانہیں گے بعد فنا اپنے استخواں / دولت ہمائے یار کی دیوار کے لئے

معشوق کی زباں سے ہے دشنام دلپذیر / شیرینی زہر ہے تری گفتار کے لئے

جاں سے عزیز تر ہے مرے دلکو داغ عشق / مہتاب ہے لحد کی شب تار کے لئے

وہ مست خواب چشم ہے کوئی بلائے بد / کیا مرتبہ ہے فتنہ بیدار کے لئے

خلوت سے انجمن کا کہاں یار کو دماغ / وہ جنس بے بہا نہیں بازار کے لئے

پہنا ہے جب سے تونے شب ماہ میں اسے / کیا کیا شگوفے پھولتے ہیں ہار کے لئے

چھلکا ہوئے ہیں سمجھ کے راہ وفا میں آبلے / پہیے لگائیے انھیں رفتار کے لئے

جو مشتری ہی بندہ ہی اُس خوش جمال کا — یوسف تھے غلام خریدار کے لئے
سونیکے پتے ہو ویں ہیر اک گل کے کان میں — مقدور ہو جو بلبلِ گلزار کے لئے
گلہائے زخم سے ہوں شہادت نہال — توفیق خیر ہو تری تلوار کے لئے
اندھیر ہے جو دم کی نہ اُس سے ہو روشنی — یوسف مرا چراغ ہے بازار کے لئے
احساں جو ابتدا سے ہی آتش وہی ہے آج — کچھ انتہا نہیں کرمِ یار کے لئے

۱۷

بہر طرح سے ثابت ہے وہ دہاں ہوتا — کلام کرتے ہم اُس سے جو رمزداں ہوتا
بتوں کے حسن سے ہے نورِ حق عیاں ہوتا — مجاز پر بھی حقیقت کا ہے گماں ہوتا
فغان و آہ سے ہے سوزِ دل عیاں ہوتا — دلیل آگ کے ہونے کی ہی دھواں ہوتا
بنے ہوئے ہیں یہ محبوب چار عنصر سے — حکیم تھا وہ جو ان کا مزاجداں ہوتا
یہی رہا ذقنِ یار دیکھ کر افسوس — اُچک کے گرتے ہم اس میں اگر کنواں ہوتا
جواب کھاتا نہ گیسوئے یار کشتی میں — بلا کے پیچ یہ کرتا جو پہلواں ہوتا
یقیں ہے مردِ مسلماں بھی سجدہ کرتا ہی — تراش کے بت جو ترا سنگ آستاں ہوتا
مہِ صیام میں نعمت جو کچھ ملے کم ہے — خدا کا بندۂ مومن ہے میہماں ہوتا
نہ پوچھ علمِ محبت سے کیا کھلا تجھ کو — یقیں ہوا کہ وہ جس کا نہ تھا گماں ہوتا
وہی ہے صدرنشیں بزمِ خاکساراں میں — صفِ نعال میں جس کا کہ ہے مکاں ہوتا
اُداس قالبِ خاکی میں روح رہتی ہے — مکاں سے تنگ ہے مشتاق لامکاں ہوتا
فراغِ حال ہے دشوار خوشنوایوں کو — قفس سے تنگ ہے بلبل کا آشیاں ہوتا
ترے شہید کا دھوکہ تھا دیکھا اے ترک — جو کربلائے معلیٰ میں رغواں ہوتا

ہنسا نے یار کو ہم خالِ زرد دکھلا کر — یہ رنگِ زرد تماشائے زعفراں ہوتا
زیادہ چشم سے لازم ہے روشنی دل میں — خیالِ یار رہے اس گھر میں مہماں ہوتا
گلوں سے نالۂ بلبل کی وجہ کیا پوچھو — زباں کا درد نہیں گوش سے بیاں ہوتا
جو کرتی آتشِ سودائے زلفِ یار اُسے زرد — یقیں ہے مشک سیہ فام زعفراں ہوتا
یہ جوئے آب بھی نیرنگ اپنا دکھلاتی — محیطِ خوں تری شمشیر سے رواں ہوتا
لباسِ سرخ سے کرتا ہے یار خونریزی — حسینوں میں بھی ہے مریخ سا جواں ہوتا
کرایہ رہنے کو سودائے زلف میں لیتے — کوئی جو خانۂ زنجیر سا مکاں ہوتا
خدا کے خوانِ کرم سے ہو سیر جو چاہے — نہ مُہر ہوتی ہے اس پہ نہ ہے نشاں ہوتا
جو لکھتے ہیں خمِ ابروئے یار کی توصیف — قلم جو تیر بھی ہوتا تو پھر کماں ہوتا
نیاز مند نہ ہوتا تو پوچھتا ہوں میں — یہ ناز آپ جو کرتے ہیں پھر کہاں ہوتا
دکھاتے ہیں رقمِ خال و دیدہ ابرو کو — سرِ حساب ہے ان سے سیاق داں ہوتا
گلوری پان کی کھا کر جو آپ ہنس پڑتے — شگفتہ گل کی طرح غنچۂ دہاں ہوتا
نگاہِ نازِ تمہاری ہی رُخ جدھر کرتی — نشستِ تیر کے قابل ہے وہ مکاں ہوتا
صدا جرس کی ہے غنچوں کے کھلنے سے آتی — روانہ نکہتِ گل کا ہے کارواں ہوتا
خوشا نصیب ہوا فرط سے یہ حیں دل میں — کمالِ ذوق سے ہے وصل جاوداں ہوتا
بلند پایہ کرے گی وہ زلف شانہ کو — کمند سے بھی تو ہے کارِ نردباں ہوتا
تم اپنے چاند سے منہ کو نہ پھیرتے پیارے — خلاف ہم سے جو ہوتا تو آسماں ہوتا
حقیقتِ دہنِ یار عقل سے یہ کھلی — اسی محل میں خموشی کا ہے مکاں ہوتا
بقدرِ حوصلہ جو چاہیے لے داغِ جنوں — بہارِ گل میں یہ سودا نہیں گراں ہوتا

کہیں جگہ ترے مردود کو نہیں ملتی — ہر اک طرف سے ہے اُس پہ کہاں کہاں ہوتا
نقاب اُلٹ کے وہ دیدارِ عام کرتے ہیں — قیامت آتی اُٹھا ہے دو جہاں ہوتا
کوئی ہزار کہے کب کسی کی سنتا ہے — بہار گل میں ہے دیوانہ باغباں ہوتا
یہ ناگوار طبیعت ہے لذت دنیا — نوالہ حلق میں اپنے ہے استخواں ہوتا
یقیں آبلہ پڑ پڑ کے پھوٹ بہتے تو — بیانِ حال جو آتش کا ہم زباں ہوتا

١٨

اک سال میں دس دن بھی جسے غم نہیں ہوتا — وہ شہر ہے جس میں کہ محرّم نہیں ہوتا
سنبل میں تری زلف کا عالم نہیں ہوتا — یہ پیچ نہیں ہوتے ہیں یہ خم نہیں ہوتا
کعبہ میں رخِ یار کا عالم نہیں ہوتا — محراب میں ان ابروؤں کا خم نہیں ہوتا
اک جام میں کھلتا ہے طلسمات جہاں کا — ہستی میں کسے مرتبۂ جم نہیں ہوتا
نشتر کی طرح چھیڑتی رہتی ہیں وہ مژگاں — کس جا بہنے والے کا لہو کم نہیں ہوتا
تلوار کی موت اسکے نصیبوں میں نہیں ہے — ابرو کے اشارہ سے جو بیدم نہیں ہوتا
بے عشق سے تمہارا نہ کہتا کہ حسن — کہتے نہیں انساں سے جو محرم نہیں ہوتا
اکسیر شکِ مسیحا کے تصور میں ہے یہ حال — آنکھوں میں ہے جان اور فنا دم نہیں ہوتا
فرقت میں تری کون سی شب کو نہیں روتا — کب سینہ زنی سے مری ماتم نہیں ہوتا
پیدا کرے گو موم کی وہ جسم گدازی — زخمِ دلِ احباب کا مرہم نہیں ہوتا
آتی ہے یہی معرکۂ عشق سے آواز — یاں کشتہ نہ ہو جو وہ مسلّم نہیں ہوتا
کم موت کے آنے سے نہیں یار کا جانا — قالب میں جو ڈھونڈھو تو کہیں دم نہیں ہوتا
اُس زلف کی بو سونگھی ہو جس نے وہی جانے — افعی سیہ رنگ میں یہ سم نہیں ہوتا

مقبول ہے جو ذرہ کہ درگاہ کو تیرے — وہ ملتفتِ نیّرِ اعظم نہیں ہوتا

شیشہ میں جو ہے روشنی بادۂ گلگوں — فانوس میں یہ شمع کا عالم نہیں ہوتا

بے صرفہ لٹے دولتِ دیدار شب و روز — معشوقوں میں ایسا کوئی عالم نہیں ہوتا

زنجیر کا اس زلف کے سودا ہو کیونکر — یہ سلسلہ درہم و برہم نہیں ہوتا

افسوس ہے انسان ہو گر علم کا جویا — وہ مال ہے یہ صرف سے جو کم نہیں ہوتا

اولاد سے اب تک ہے خصومت وہی باقی — ابلیس سا بھی دشمنِ آدم نہیں ہوتا

اس باغ کے ناظر نگہ پاک سے ہیں ہم — گل چیں ہیں کہ آلودۂ شبنم نہیں ہوتا

ثابت قدمِ فقر کو ہے نفس کشی شرط — بے دیو کے مارے ہوئے رستم نہیں ہوتا

یہ نکتہ ہمارا ہے سخن چیں کی نصیحت — الزام جو دیتا نہیں ملزم نہیں ہوتا

تا چند بہار آتی نہیں دیکھئے آتش — کب تک شرفِ نیّرِ اعظم نہیں ہوتا

١٩

کعبہ و دیر میں ہے کس کے لئے دل جاتا — یار ملتا ہے تو پہلو ہی میں ہے مل جاتا

خدمتِ یار میں ہیں جیسے ہوں سائل جاتا — کچھ نہ کچھ بوسہ و دشنام سے ہے مل جاتا

تیرے دانتوں سے جو موتی کو مقابل جاتا — صورتِ اشک وہ گہر خاک میں ہی مل جاتا

پھل ملا ہے یہ تری تیغ سے ہم کو اے ترک — پھوٹ کی طرح سر اک زخم ہے کھل کھل جاتا

سخن کی ہوتی ہوئی ڈھونڈھا نہ دہن کا مضمون — سہل کو چھوڑ کے کیوں جانبِ مشکل جاتا

پیر تو کرتے ہیں یقیں ہے کہ چھری بھی پھیرے — زمزموں سے مرے صیاد ہے ہل ہل جاتا

زخمِ کاری کی تری تیغ سے اللہ ری خوشی — رقص کرتا ہوا دنیا سے ہے بسمل جاتا

راہ بھولے ہوئے حاجی ہیں بھٹکتا ناحق — کعبۃ اللہ جو جاتا تو سوئے دل جاتا

طرفہ رکھتی ہے خرابات مغاں کیفیت | ہوشیار آکے ہے اس بزم میں غافل جاتا
راہ میں شانِ کریمی ہے تری بھر دیتی | پھر کے خالی کسی در سے ہی جو سائل جاتا
اے صبا تو ہی اُڑا کر رخِ لیلیٰ دکھلا | دستِ مجنوں نہیں تا پہ دۂ محمل جاتا
کون سی راحتِ جاں کی ہے یہ تجھیز مشتاق | کر کے اندھیر ہے وہ رونقِ محفل جاتا
آمدِ یار کی کانوں سے سُنی ہے جو خبر | چھپکے پہلو سے ہے آنکھوں کی طرف دل جاتا

۲۰

دل بہت تنگ رہا کرتا ہے | رنگ بے رنگ رہا کرتا ہے
حُسن میں تیرے کوئی عیب نہیں | قمع میں دنگ رہا کرتا ہے
صلح کی دل سے ہیں یاں مصلحتیں | واں سر جنگ رہا کرتا ہے
محتسب کو ترے مستانوں سے | خوفِ سر جنگ رہا کرتا ہے
دل مرا پی کے محبت کی شراب | نشہ میں بھنگ رہا کرتا ہے
عار سے عار ہے مجھ مجنوں کو | ننگ سے ننگ رہا کرتا ہے
جوہر تیغ دکھاتا ہے جو حُسن | عشق پر رنگ رہا کرتا ہے
گفتنی حال نہیں ہے اپنا | کچھ عجیب ڈھنگ رہا کرتا ہے
حلب رُخ میں تری خالوں سے | لشکرِ زنگ رہا کرتا ہے
منزلِ گور کے دیوانوں کے | سینہ پہ سنگ رہا کرتا ہے
عالمِ وجد ترے مستوں کو | بے دف و چنگ رہا کرتا ہے
فندق دست صنم سے نادم | گل اور رنگ رہا کرتا ہے
بندش چست سے تیری آتش | قافیہ تنگ رہا کرتا ہے

انتخاب مومن

دل قابلِ محبتِ جاناں نہیں رہا
وہ ولولہ وہ جوش وہ طغیاں نہیں رہا

ٹھنڈا ہے گرمجوشیٔ افسردگی سے جی
کیسا اثر کہ نالہ و افغاں نہیں رہا

کرتے ہیں اپنے زخمِ جگر کو رفو ہم آپ
کچھ بھی خیالِ جنبشِ مژگاں نہیں رہا

دل سختیوں سے آ گئی طبیعت میں کاہلی
صبر و تحمل قلقِ جاں نہیں رہا

کیا اچھے ہو گئے کہ بھلوں سے برے ہوئے
یاروں کو فکرِ چارۂ درماں نہیں رہا

غش ہیں کہ بے دماغ ہیں گل پیرہن فقط
از بس دماغِ عطرِ گریباں نہیں رہا

آنکھیں بدیں شوخ نظر کو نگہ اب کہ میں
مفتونِ لطفِ نرگسِ فتاں نہیں رہا

ناکامیوں کا گاہ گلہ گاہ شکر ہے
شوقِ وصال و اندوہِ ہجراں نہیں رہا

ہے تودہ تودہ خاک سبکدوش ہو گئی
سر پر جنونِ عشق کا احساں نہیں رہا

ہر لحظہ مہرِ جلوہ سے ہیں پردہ پوشیاں
آئینہ زارِ دیدۂ حیراں نہیں رہا

پھرتے ہیں کیسے پردہ نشینوں سے منہ چھپائے
رسوا ہوئے کہ اب غمِ پنہاں نہیں رہا

آسیبِ چشمِ قہر پری طلعتاں نہیں
اے انس اک نظر کریں انساں نہیں رہا

بیکار رہتی امید سے فرصت ہے رات دن
وہ کاروبارِ حسرت و حرماں نہیں رہا

ہے سیرِ دشت و بادیہ لگنے لگا ہے جی
اور اس خراب گھر میں کہ ویراں نہیں رہا

کیا تلخ کامیوں نے لبِ زخم سی دیے
وہ شورِ اشتیاقِ نمکداں نہیں رہا

بے اختیار ہو گئے ہم ترکِ عشق سے
از بسکہ پاسِ وعدہ و پیماں نہیں رہا

نیند آگئی افسانۂ گیسو و زلف سے / وہم و گمانِ خوابِ پریشاں نہیں رہا
کس کام کے رہے جو کسی سے رہا نہ کام / سر ہے مگر غرور کا ساماں نہیں رہا
مومن یہ لاف الفت تقوےٰ ہے کیوں مگر / دلی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا

۳

کیا رام نہ کروگے اگر ابرام نہ ہوگا / الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا
کاش اب وہ آئیں جو سنو نامہ کی باتیں / قاصد سے ادا سنجِ پیغام نہ ہوگا
ہاں جوشِ تپش چھیڑ چلی جائے کہ یہ تو / چھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہوگا
ناکامیِ امید پہ صبر آتے تو کیا آئے / ہر بات پہ کہتے ہو کہ یہ کام نہ ہوگا
منقوشِ دلِ خلق ہے یہ مہر کی خوبی / کتنا ہی کرے ظلم وہ بدنام نہ ہوگا
بیٹھا رہوں کیا منتظرِ دور میں ساقی / مستوں میں کوئی میکدہ آشام نہ ہوگا
اس جوشِ تپش پر ہوئی مشکل سے رسائی / صد شکر کہ گذر غیر کا تا بام نہ ہوگا
کیا کیجئے دل شوخیِ فطرت پہ جو آجائے / یہ تو میں سمجھتا تھا کہ خود رام نہ ہوگا
گلرنگ ہو اگر تیغ خوں سے مرا دامن / کیا اب بھی خجل چرخ سیہ فام نہ ہوگا
خو ہوگئی ہجراں میں تڑپنے کی شبِ وصل / گو چین ہوا ان کو مجھے آرام نہ ہوگا
ہیں پاک نظر ہم تو وے ذوق فراغش / بے چاشنیِ بوسہ و دشنام نہ ہوگا
کم ظرفیِ اغیار پہ ساقی کو نظر ہے / افسوس مے آلودہ لبِ جام نہ ہوگا
وہ شوخ فریبِ قلقِ غیر میں آیا / اب مجھ سے تو صبر اے دلِ ناکام نہ ہوگا
کیا فتنۂ محشر کو قدِ یار سے نسبت / ہے خاص کشش ولولۂ عام نہ ہوگا
اغیار سے بیفائدہ ہے گرمیِ صحبت / کاہے کو جلے گا جو کوئی خام نہ ہوگا

ہے مہر تجھے دیکھ کے شرمندۂ مشتاق — اتنا کہ ظہورِ سحر و شام نہ ہوگا

بلبل کے سے نالے کہ صبا کی سی کروں سعی — میرا نہ ہوا ہے وہ گل اندام نہ ہوگا

وہ مشق رہی اور نہ وہ شوق ہے مومن — کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہوگا

٣

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا — رنج راحت فزا نہیں ہوتا

بے وفا کہنے کی شکایت ہے — تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا

ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم — حرفِ ناصح برا نہیں ہوتا

کس کو ہے ذوقِ تلخ کامی لیک — جنگ میں کچھ مزا نہیں ہوتا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے — ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر — دل کسی کام کا نہیں ہوتا

امتحاں کیجیے مرا جب تک — شوق زور آزما نہیں ہوتا

ایک دشمن کہ چرخ ہی نہ رہے — تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا

آہ طولِ عمل ہے روز افزوں — گرچہ اک مدعا نہیں ہوتا

نارسائی سے دم رکے تو رکے — میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حالِ دل یار کو لکھوں کیونکر — ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

رحم بر خصمِ جانِ غیر نہ ہو — سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا

دامن اس کا جو ہے دراز تو ہو — دستِ عاشق رسا نہیں ہوتا

چارۂ دل سوائے صبر نہیں — سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سنے عرضِ مضطر اے مومن — صنم آخر خدا نہیں ہوتا

۴

قتلِ عدو میں عذرِ نزاکت گراں ہے اب — مجھ میں ستم اٹھانیکی طاقت کہاں ہے اب
وحشت سے میرے سارے اجبّا چلے گئے — آتا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب
سجدہ میں سر قلم ہو دعا پر زباں کٹے — گویا نہ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب
قتلِ عدو نے شوقِ شہادت مٹا دیا — لب پر ہمارے غلغلۂ الاماں ہے اب
پیری میں وصل غیرتِ یوسف ہوا نصیب — بختِ وفا مثالِ زلیخا جواں ہے اب
کہدیں رقیب نے تری بے التفاتیاں — ناصح ہمارے حال پہ کچھ مہرباں ہے اب
رکھ لے سر اپنے زانو پہ نازک تو شوق سے — تیرا مریضِ عشق بہت ناتواں ہے اب
چشمِ غضب سے مشورۂ قتل کھل گیا — جو بات دل میں تھی سو نظر سے عیاں ہے اب
بے طاقتی سے مجھ میں نہیں تابِ التفات — بیہودہ فکرِ جور و سرِ امتحاں ہے اب
وہ ہنس گئے کہ لافِ گزافِ جہاد تھا — مومن ہلاکِ خنجرِ نازِ بتاں ہے اب

۵

اخفائے شوق شکوہ اثر اس سے تھا عبث — یعنی کہا کہ مرتے ہیں تم پر کہا عبث
ہیں یک سخت جان گر دو دل سے پوچھ لو — تم کو خیال ہے مرے آزار کا عبث
ہے ستم پہ لطف تو ہے افزائشِ الم — صد شکر غیر ہو گئے اس سے خفا عبث
اے مہروش یہ حسن تو ہرگز نہ چھپ سکے — چلمن تو کیا ہے پردہ کا بھی چھوڑنا عبث
امید وعدہ بھی تو نہیں روزِ ہجر میں — ہم سے وفائے زندگیِ بیوفا عبث
اے ضعف میں تو سینہ سے آتا ہے لب تلک — کہتے ہیں اپنے نالہ کو ہم نارسا عبث

کیا اپنے درد دل کا بھی شکوہ نہ کیجئے — اُلجھے ہے بات بات پہ زلفِ دوتا عبث
گو چارہ ساز حضرتِ عیسٰی ہی کیوں نہ ہوں — گر دردِ عشق ہے تو اُمیدِ شفا عبث
جس غم میں مر رہے تھے وہ غم ہی نہیں رہا — افسوس مر کے دیکھا کہ جینا ہی کیا عبث
اے روزِ ہجر کچھ شبِ ہجراں بھی کم نہیں — بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث
ہرگز نہ رام وہ صنمِ سنگدل ہوا — مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث

٦

گر جیدے اور یہ ہی رہی یار کی طرح — ہم بھی بنیں گے بوالہوس اغیار کی طرح
آوازِ گنبد اس سے شکایت عدو کی تھی — ناچار چپ ہیں صورتِ دیوار کی طرح
سونے دیا نہ اس نے شبِ وصل میں بھی کیا — ہم جاگتے ہیں طالعِ بیدار کی طرح
پھرتا ہے بہرِ کشتنِ عشاق کو بہ کو — گردش میں ہے وہ چرخِ ستمگار کی طرح
ہوتے ہیں پائمالِ گل اے بادِ نوبہار — کس سے اُڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح
چینِ جبیں بلاؤ نگاہِ غضب ستم — کرنی ہے قتل اس بتِ خونخوار کی طرح
خورسند رشکِ غیر کی بھی ہم کو ہو گئی — اب ور کچھ نکالئے آزار کی طرح
ہوتے ہیں قتل غیر ادھر سے نگاہِ لطف — ارمان میرے نکلے ہیں تلوار کی طرح
کہتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں — کب رو سکے گا دیدۂ خونبار کی طرح
ہیں بار کی ضعف کہ گلگشت باغ میں — چبھتے ہیں میرے پاؤں میں گل خار کی طرح
دل میں ہوا ہے بتکدہ ظاہر کیا عمل — رہنا حرم میں مومنِ مکار کی طرح

٧

نہ کیونکر بس ہوا جاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر — وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں ہی میں کہہ کر

کہاں لخت جگر ہیں سیل گریہ میں چڑھا دریا — چلے آتے ہیں یہ ڈوبی ہوئی لاشیں بہہ بہہ کر

بہار باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل — ذرا سن بول لے ہو زمزمہ پیرا چہک کر

نوید اے دل کہ رشک غیر سے چھوٹا ہی ہم نے — ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہہ سہہ کر

ستم ہے شدت گریہ سے رنگت خون کی پھیکی — رکھے ہو مال چشم خونفشاں پر لاکھ بہہ بہہ کر

لگی ہچکی ہے سر زانوئے غم پر سے کہ یاد آیا — ککلی ہاتھ ہر دم مارنا زانو پہ قہ قہ کر

خدا کو مان اپنی راہ لے کعبہ کو جا مومن — صنم خانہ میں کیا لیویگا اے گم گشتہ رہ رہ کر

٨

جاتے تھے صبح رہ گئے بے تاب دیکھ کر — طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھ کر

پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار — آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر

یہ تشنہ کامی نگہ گرم دیکھنا — حیرت سے رو دیا طرف آب دیکھ کر

توبہ کہاں کدورت باطن تجھے ہوش تھے — غش ہو گیا میں رنگ مے ناب دیکھ کر

اٹھی نہ نعش بھی ترے کوچہ سے بعد قتل — ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھ کر

رکھے وہ میرے حال پہ حیران کیوں نہ ہوں — آنکھیں سی کھل گئیں در نایاب دیکھ کر

شوق وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر — سوجھا نہ کچھ مجھے شب مہتاب دیکھ کر

جو ہے تمیز عشق و ہوس آج تک نہیں — وہ چھپتے پھرتے ہیں مجھے بیتاب دیکھ کر

مومن یہ تاب کیا کہ تقاضے جلوہ ہو — کافر ہوا ہے شیخ دین کے آداب دیکھ کر

٩

مجلس میں تھا نہ دیکھ سکوں یار کی طرف — دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف

کتنا شعلۂ مہر نے حیراں کیا ہمیں — تکتے ہیں کب سے روزن دیوار کی طرف

وہم فغانِ غیر نے سینہ جلا دیا
آتش لگی تھی کوچۂ دلدار کی طرف

شامِ فراق جوابِ عدم کا ہے انتظار
آنکھیں لگی ہیں دولتِ بیدار کی طرف

اُس نے دکھا دکھا کے مجھے چھیڑ دیکھنا
گل پھینکے عندلیبِ گرفتار کی طرف

ہے کیا قبول سجدہ شہیدانِ عشق کا
ہوں غوش سر جھکاتے ہی تلوار کی طرف

دیکھ اشکِ لالہ گوں رقیب اُس نے سنس دیا
دیکھا نہ میرے دیدۂ خونبار کی طرف

گلیاں تک تا رہے یہ پیا گل کھلا نگہ
گذری نسیم آہ چمن زار کی طرف

اب شک نہ ہم یار یہ منصف کریں کیسے
کی آکے موت نے بھی تو اغیار کی طرف

دل بعد قتل بھی نہیں پھرتا کہ کوتیں
منہ پھر گیا ہے کوئے ستمگار کی طرف

کافر گلے لگا ہے تو مومن نے مت مگر
دیکھ اپنے نقشِ رشتۂ زنار کی طرف

امتحاں کے لئے جفا کب تک
التفاتِ ستم نما کب تک

عمر ہے بیوفا یہ تم تو کہو
ہے ارادہ نباہ کا کب تک

جرم معلوم ہے زلیخا کا
طعنۂ دستِ نارسا کب تک

مجھ پہ عاشق نہیں ہے کچھ ظالم
صبر آخر کرے وفا کب تک

دیکھئے خاک میں ملاتی ہے
نگہِ چشمِ سرمہ سا کب تک

کہیں آنکھیں دکھا چکو مجھ کو
جانبِ غیر دیکھنا کب تک

نہ بلائیں گے وہ آئیں گے
جوشِ لبیک مرحبا کب تک

ہوش میں آ تو مجھ میں جان نہیں
غفلت جرأت آزما کب تک

ہے شبِ وصل غیر بھی کافی
تو مجھے آزمائیگا کب تک

تم کو خو ہو گئی برائی کی　　در گذر کیجیے بھلا کب تک
مر چکے اب تو اس صنم سے ملیں　　مومن اندیشۂ خدا کب تک

۱۱

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم　　پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم　　منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم
ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا　　انصاف کیجے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم
بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے　　شاہد شکایتوں پہ تری مدعی سے ہم
اس کو میں جا مریں گے مدد اے ہجوم شوق　　آج اور زور کرتے ہیں بیطاقتی سے ہم
صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا　　لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم
بے روئے مثل ابر نہ نکلا غبار دل　　کہتے تھے ان کو برق تبسم ہنسی سے ہم
ان ناتوانیوں پہ بھی تھے خار راہ غیر　　کیونکر نکالے جاتے نہ اس کی گلی سے ہم
کیا گل کھلے گا دیکھیے ہے فصل گل تو دور　　اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم
منہ دیکھنے سے پہلے بھی کس دن وہ صاف تھے　　بے وجہ کیوں غبار رکھیں آرسی سے ہم
ہے چھیڑ اختلاط بھی غیروں کے سامنے　　ہنسنے کے بدلے روئیں نہ کیوں گدگدی سے ہم
وحشت ہے عشق پردہ نشیں میں دم بکا　　منہ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشم پری سے ہم
کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا　　کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

۱۲

ناصح ناداں یہ دانائی نہیں — دل کو سمجھاؤں میں سودائی نہیں
کس توقع پہ امیدِ وصل اب — طاقت صبر و شکیبائی نہیں
دعویٔ حسن جہاں سوز اسقدر — پھر کہو گے تم کہ ہرجائی نہیں
دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرو دشنہ پھر — یار سے ہے وہ کچھ تماشائی نہیں
گر نہیں ملتے ملوں گا اور سے — کیوں مجھے کیا پاس رسوائی نہیں
ہے دعا بھی بے اثر گویا کہیں — عرض عاشق کی پذیرائی نہیں
دردِ دل تو سن لے ظالم ایکبار — گو دماغِ چارہ فرمائی نہیں
چاہتا قاتل کو ہوں روزِ جزا — چاہ کی اب تک سزا پائی نہیں
ترک مذہب کیوں کروں مومن میں کیا — اس صنم کی لاف یکتائی نہیں

۱۳

تا نہ پڑے کہیں خلل آپ کے خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں
اور ہی رنگ آج ہے عارض گلعذار میں
خونِ دل اپنا تھا مگر گونۂ رخ طراز میں
کیونکہ نہ آدھی رات تک جاگے وہ جس کا دھیان تھا
آ ہوتے نیم خواب میں نرگس نیم باز میں
خسرو عیشِ وصلِ یار جانتے و کوہکن
اپنا جگر تو خوں ہوا عشق کے امتیاز میں

بن ترے بزم سور ہیں ہیں یہ قباحتیں کہ ہے
نغمۂ صور کا اثر نغمۂ مرنے نوازمیں

اُن سے اب التفات کی غیر کو ہے شکایتیں
سنکے مرا مبالغہ منتِ احترازمیں

کیا سبھی سینے جل چکے کیا سبھی دل پگھل چکے
بو مجھے کباب اب نہیں آہِ جگر گدازمیں

پردہ نشیں کے عشق میں پردہ دری نہ ہو کہیں
ہوتی ہیں بے حجابیاں جانِ نہفتہ رازمیں

رخنہ در سے غیر یاں دیکھا کسی کو آج ہے
رخنہ گری کچھ اور ہے نالۂ رخنہ سازمیں

یادِ بتاں میں لاکھ بار فرطِ قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اُٹھے ہیں مومن اب گریۂ شب نمازمیں

۱۴

آہ فلک فگن ترے غم سے کہاں نہیں
جو فتنہ خیز اب ہے زمیں آسماں نہیں

کہنا پڑا تجھے پئے الزام پند گو
وہ ماجرا جو لایق شرح و بیاں نہیں

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں

اظہارِ دوستی کی خوشی کیا شبِ وصال
دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو مہرباں نہیں

باتیں تری وہ ہوش ربا ہیں کہ کیا کہوں
جو کوئی رازداں ہے مرا رازداں نہیں

تو میری ہی جواب ہے کیوں سنتے شوق پر
یہ کیا ہوا کہ میں پسِ قاصد رواں نہیں

پیشِ عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھتا
قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں

بے صرفہ جانکنی کا مری کچھ تو ہو حصول
محنت کسی کی آج تلک رائیگاں نہیں

کرتے وفا امیدِ وفا پہ تمام عمر
یہ کیا کہیں کہ اس کو سرِ امتحاں نہیں

اس کو بھی جانتا ہوں فریبِ وصالِ غیر
تم کو عبث یقیں ہے کہ میں بدگماں نہیں

میں اپنی چشمِ شوق کو الزامِ خاک دوں
تیری نگاہِ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں

فطری ہے پیرِ چرخ سے اپنا مقابلہ
طفلی سے مجھ کو حسرتِ بختِ جواں نہیں

گذرے ہیں میری خاک سے غیروں کے ساتھ وہ

فتنہ اُٹھا ہے گرد پسِ کارواں نہیں
لگ جائے شاید آنکھ کوئی دم شبِ فراق
تا صبح ہی کو سے آؤ گزاف نہ خواں نہیں
استنے سبک نظر ہیں یہ اوضاعِ روزگار
دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں
ہر ذرّہ میری خاک کا برباد ہو چکا
بس اے خرامِ ناز کہ تابِ تواں نہیں
نالہ کے ساتھ دم کے نکلجانے کا ہے خوف
پہ کیا علاج طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں
میں جانتا ہوں نعش پہ آنے کا مدّعا
آسودگی پسند تری شوخیاں نہیں
اس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنہ آخر زماں نہیں

۱۵

تاثیر صبر میں نہ اثر اضطراب میں
بے چارگی سے جان پڑی کس عذاب میں
بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے
اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں
چرخ و زمیں میں تو یہ کا ملتا نہیں سُراغ

ہنگامہ بہار و ہجوم سحاب میں
اے زہرہ چہرہ دشمنِ منحوس کو نہ دیکھ
نالے بہیں گے خون کے اس فتحیاب میں
اتنی کدورت اشک میں حیراں ہوں کیا کہوں
دریا میں ہے سراب کہ دریا سراب میں
فکر مآل سے مے و شاہد رہے عزیز
پیری میں موت یاد تھی پیری شباب میں
تم نکلے بہر سیر تو نکلے گا مہر بھی
ہووے گا اجتماع شبِ ماہتاب میں
ڈوبی ہجوم اشک سے کشتی زمین کی
ماہی کو اضطراب ہوا جوشِ آب میں
کھولا جو دفتر گلہ اپنا زباں کیا
گذری شبِ وصال ستم کے حساب میں
اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو
یوں کچھ نہ ہو امید ابھی انقلاب میں
قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم
فتراک میں جو سر ہے تو جاں ہی رکاب میں
بازیچہ کر دیا ستمِ یار و جورِ چرخ
طفلی سے غلغلہ ہے مرا شیخ و شاب میں

مومن یہ عالم اُس صنمِ جاں فزا کا ہے
دل لگ گیا جہانِ سراسر خراب میں

۱۶

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستمِ ناز تو دیکھو

اُس بت کے لئے میں ہوس حور سے گذرا
اس عشقِ خوش انجام کا آغاز تو دیکھو

چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرتِ ناصح
طرزِ نگہ چشمِ فسوں ساز تو دیکھو

اربابِ ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے
کم طالعیِ عاشقِ جانباز تو دیکھو

مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اُٹھے وہ
بدنامیِ عشاق کا اعزاز تو دیکھو

محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو

اس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

دیں پاکیِ دامن کی گواہی مرے آنسو
اس یوسفِ بیداد کا اعجاز تو دیکھو

جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جورِ اجلِ تفرقہ پرداز تو دیکھو

۷۱

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہونگے
فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے

ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہونگے
نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بے جاں ہوں گے

تابِ نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہونگے

تو کہاں جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہونگے

ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہونگے

کر کے زخمی مجھے نادم ہوں یہ ممکن ہی نہیں
گر وہ ہوں گے بھی تو بے وقت پشیماں ہونگے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیماں کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہونگے

ہم نکالیں گے سُن اے موج ہوا بل تیرا
اُس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہونگے

صبر یا رب مری وحشت کا پڑیگا کہ نہیں
چارہ فرما بھی کبھی قیدیِ زنداں ہونگے

منتِ حضرتِ عیسیٰ نہ اُٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لئے شرمندۂ احساں ہونگے

تیرے دلِ تفتہ کی تربت پہ عدو جھوٹا ہے
گل نہ ہوں گے شررِ آتشِ سوزاں ہونگے

غور سے دیکھتے ہیں طوف کو آہوئے حرم
کیا کہیں اس کے سگِ کوچہ کے قرباں ہونگے

داغِ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہونگے

چاک پردہ سے یہ غمزے ہیں تو اے پردہ نشیں
ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہونگے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پاؤں وہی خارِ مغیلاں ہوں گے

سنگ اور ہاتھ وہی وہ ہی سر و داغِ جنوں
وہ ہی ہم ہوں گے وہی دشت و بیاباں ہونگے

عمر تو ساری کٹی عشقِ بتاں میں مومنؔ
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

۱۸

کیا مرے قتل پہ حامی کوئی جلّاد بھرے
آہ جب دیکھ کے تجھ سا ستم ایجاد بھرے

خونِ دل پیتے ہیں خو کردۂ محبّت اے کاش
ساغرِ دہر میں ساقی مے بیداد بھرے

کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں
ہجر کا دُکھ کوئی کب تک دلِ ناشاد بھرے

تیشہ کچھ دشنۂ شیرویہ نہیں اے غیرت
اپنے ہی خوں سے مگر دامنِ فرہاد بھرے

ہوں میں وہ صید جگر خوں اسیری مشتاق
جو میں ذبح بھی ہر دم دم صیّاد بھرے

پھر تو سرگوشیِ دشمن میں بھی تاثیر نہ ہو
گر نہ کان اُس کے فغانِ گلہ ارشاد بھرے

چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا
خون اتنا کہ سرِ نشترِ فصّاد بھرے

دم بدم رنگ تغیر ہے مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مری تصویر میں بہزاد بھرے

مومن اس شعلہ زبانی کی کہاں قدر مگر
مُنہ درِ آبلہ سے گرمیِ فریاد بھرے

١٩

نہ کٹی ہم سے شب جدائی کی
کتنی ہی طاقت آزمائی کی

رشک دشمن بہانہ تھا سچ ہے
میں نے ہی تم سے بیوفائی کی

کیوں بُرا کہتے ہو بھلا ناصح
میں نے حضرت سے کیا برائی کی

دام عاشق ہے دل دہی ستم
دل کو چھینا تو دلربائی کی

آگئے وہ دست غیر میں تیرے ہاتھ
آس تو نے شکستہ پائی کی

گر نہ بگڑو تو کیا بگڑتا ہے
مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی

گھر تو اُس ماہ رو کا دور نہ تھا
لیک طالع نے نارسائی کی

مرگئے پر ہے بے خبر صیّاد
اب توقع نہیں رہائی کی

کوچہ غیر میں ملا وہ ہمیں
ہرزہ تازی نے رہنمائی کی

دل ہوا خون خیال ناخن یار
تو نے اچھی گرہ کشائی کی

مومن آؤ تمہیں بھی دکھلادوں
سیر بتخانہ میں خدائی کی

٢٠

دعا بلا تھی شب غم سکون جاں کے لئے
سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لئے

نہ پائے یار نے بوسے نہ آستاں کے لئے
عبث میں خاک ہوا مثل آسماں کے لئے

خلاف وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں

آمید یک شبِ ہجر پاسِ جلد داں کے لئے

سُنیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں
کہ سخت چاہئے دل اپنے رازداں کے لئے

حجاب چرخ بلا ہے ہوا کرے بے تاب
فغاں اثر کے لئے اور اثر فغاں کے لئے

ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پہ کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کے لئے

مزہ یہ شکوہ میں آیا کہ بے مزہ ہوتے ہو
میں تلخ کام رہا لذّتِ زباں کے لئے

لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کے لئے

وہ لعلِ روح فزا دے کہاں تلک بوسے
کہ جو ہے کم ہے یہاں شوقِ جانفشاں کے لئے

ملے رقیب سے وہ جب سُنا وصال ہوا
دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لئے

کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ دامِ قفس
ہے ہم برقِ بلا روز آشیاں کے لئے

جنونِ عشقِ ازل کیوں نہ خاک اُڑائیں کہ ہم
جہاں میں آتے ہیں ویرانہ جہاں کے لئے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے موئے
ہمیں بھی دینی تھی جان اُس کے امتحاں کے لئے
رواں فزا ہے سحرِ حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لبِ بتاں کے لئے
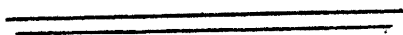
انتخاب غالب

کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی دردِ بے دوا پایا

دوستدارِ دشمن ہے اعتمادِ دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل
خون کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

حالِ دل نہیں معلوم لیکن اسقدر یعنی
ہم نے بارہا ڈھونڈا تم نے بارہا پایا

شورِ پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مزا پایا

۲

شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردہ میں بھی عریاں نکلا

زخم نے داد نہ دی تنگیٔ دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پر افشاں نکلا

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

دلِ حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ درد
کام یاروں کا بقدرِ لبِ دنداں نکلا

ہے نو آموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام آساں نکلا

دل میں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

۳

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفَس جادۂ سرمنزلِ تقویٰ نہ ہوا

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کشِ گلبانگِ تسلی نہ ہوا

کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجیے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

۴

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا

تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز
میں اور دکھ تری مژہ ہائے دراز کا

صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا وگرنہ میں
طعمہ ہوں ایک ہی نفَسِ جاں گداز کا

ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز
ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا

تاراج کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسدؔ
سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

۵

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی
در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

وائے دیوانگیِ شوق کہ ہر دم مجھ کو
آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا

جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے
جوہرِ آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

عشرتِ قتل کہ اے اہلِ تمنا مت پوچھ
عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

لے گئے خاک میں ہم داغِ تمنائے نشاط
تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا

عشرتِ پارۂ دل زخمِ تمنا کھانا
لذتِ ریشِ جگر غرقِ نمکداں ہونا

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

حیف اس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب
جسکی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

۶

یہ نہ تھی ہماری قسمت جو وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کبھی جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

۷

درد منت کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا

جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو | اک تماشہ ہوا گلا نہ ہوا
ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں | تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا
کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب | گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا
ہے خبر گرم اُن کے آنے کی | آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی | بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی | حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا
زخم گر دب گیا لہو نہ تھما | کام گر رک گیا روا نہ ہوا
رہزنی ہے کہ دلستانی ہے | لیکے دل دلستاں روانہ ہوا
کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں | آج غالب غزل سرا نہ ہوا

۸

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
ہوا جب غم سے یوں بےحس تو غم کیا سر کے کٹنے کا
نہ ہوتا گر جدا تن سے تو زانو پہ دھرا ہوتا
ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پہ کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

۹

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا | جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے | ہوں شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایانِ دست و بازوئے قاتل نہیں رہا

بر روئے شش جہت درِ آئینہ باز ہے
یاں امتیازِ ناقص و کامل نہیں رہا

وا کر دیے ہیں شوق نے بندِ نقابِ حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

دل سے ہوائے کشتِ وفا مٹ گئی کہ واں
حاصل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

بیدادِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

۱۰

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گذرنا ہے دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد
تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکشِ چارۂ زحمت میں تمام
مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا وا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا

ضعف سے گریہ مبدل بہ دمِ سرد ہوا
باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال
ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

ہے مجھے ابرِ بہاری کا برس کر کھلنا
روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا

گر نہیں نکہتِ گل کو ترے کوچے کی ہوس
کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا

تا کہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل
دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا

بخشے ہے جلوۂ گل ذوقِ تماشا غالب
چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

۱۱

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیٔ انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

خوں ہے دل خاک میں احوالِ بتاں پر یعنی
ان کے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد

درخورِ عرض نہیں جوہرِ بیداد کو جا
نگہِ ناز ہے سرمہ سے خفا میرے بعد

ہے جنوں اہلِ جنوں کے لئے آغوشِ وداع
چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق
ہے مکرر لبِ ساقی میں صلا میرے بعد

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلا میرے بعد

۱۲

کی وفا ہم سے تو غیر اسکو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

آج ہم اپنی پریشانیٔ خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

دل میں آ جائے ہے ہوتی ہے جو فرصت غش سے
اور پھر کون سے نالہ کو رسا کہتے ہیں

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے ہیں

پائے افگار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے
خارِ رہ کو ترے ہم مہرِ گیا کہتے ہیں

اک شرر دل میں ہے اس سے کوئی گھبرائیگا کیا
آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں

دیکھئے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ
اسکی ہر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید
مر گیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہیں

١٣

مانعِ دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں — ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں
شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھکو کہ جہاں — جادہ غیر از نگہِ دیدۂ تصویر نہیں
حسرتِ لذّتِ آزار رہی جاتی ہے — جادۂ راہِ وفا جز دمِ شمشیر نہیں
رنجِ نومیدیِ جاوید گوارا رہیو — خوش ہوں گر نالہ زبونی کشِ تاثیر نہیں
سر کھجاتا ہے جہاں زخمِ سر اچھا ہو جائے — لذّتِ سنگ بہ اندازۂ تقریر نہیں
جب کرم رخصتِ بیباکی و گستاخی دے — کوئی تقصیر بجز خجلتِ تقصیر نہیں
غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ — آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

١٤

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں — خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے — سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں
ترے سروِ قامت سے اک قدِ آدم — قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہیں
تماشہ کر اے محوِ آئینہ داری — تجھے کس تمنّا سے ہم دیکھتے ہیں
سراغِ تفِ نالہ داغِ دل سے — کہ شب رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب — تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

١٥

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں

لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں
تھیں بنات النعش گردوں دن کو پردہ میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں
قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزنِ دیوارِ زنداں ہو گئیں
سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنعاں ہو گئیں
جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شامِ فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں
ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں
نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں
وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
جو مری کوتاہیٔ قسمت سے مژگاں ہو گئیں
بسکہ روکا میں نے اور سینہ میں ابھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے
نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو

یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی
بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہیو کہ ہاں کیوں ہو

نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

۱۸

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

موت کا ایک دن معیّن ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

ہے کچھ ایسی بات جو چپ ہوں ورنہ کیا بات کر نہیں آتی
کیوں نہ چیخوں کہ یاد کرتے ہیں میری آواز گر نہیں آتی
داغِ دل گر نظر نہیں آتا بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی
ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی
مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی
کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب شرم تم کو مگر نہیں آتی

۱۹

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
شکنِ زلفِ عنبریں کیوں ہے نگہِ چشمِ سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
ہم کو ان سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

۲۰

شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے — یہ بھی مت کہہ کہ جو کہیے تو گلا ہوتا ہے

پُر ہوں میں شکوہ سے یوں راگ سے جیسے باجا — اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو — شکوۂ جور سے سرگرم جفا ہوتا ہے

عشق کی راہ میں ہے چرخ مکوکب کی وہ چال — سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوکِ بیداد کہ ہم — آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے

خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ — کہ بھلا چاہتے ہیں اور برا ہوتا ہے

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب — لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

خامہ میرا کہ وہ ہے باربدِ بزمِ سخن — شاہ کی مدح میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے

اے شہنشاہِ کواکب سپہ و مہرِ علم — تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے

سات اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے — تو وہ لشکر کا ترے نعل بہا ہوتا ہے

ہر مہینے میں جو یہ بدر سے ہوتا ہے ہلال — آستاں پر ترے مہ ناصیہ سا ہوتا ہے

میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزلخوانی میں — یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق فزا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف — آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

۲۱

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے — نالہ پابندِ نے نہیں ہے

کیوں بوتے ہیں باغباں تونبی — گر باغ گدائے مے نہیں ہے

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے — پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے

ہاں کھائیو مت فریب ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

شادی سے گذر کہ غم نہ ہووے | اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے
کیوں رد قدح کرے ہے زاہد | مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب | آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

۲۲

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے | ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک | اک بات ہے اعجازِ مسیحا مرے آگے
جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور | جز وہم نہیں ہستیٔ اشیا مرے آگے
ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے | گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے
مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے | تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
سچ کہتے ہو خودبین و خودآرا ہوں نہ کیوں ہوں | بیٹھا ہے بتِ آئینہ سیما مرے آگے
پھر دیکھئے اندازِ گل افشانیٔ گفتار | رکھدے کوئی پیمانۂ صہبا مرے آگے
نفرت کا گماں گذرے ہے میں رشک سے گذرا | کیونکر کہوں لو نام نہ اُن کا مرے آگے
ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر | کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے
عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام | مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلا مرے آگے
خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے | آئی شبِ ہجراں کی تمنا مرے آگے
ہے موجزن اک قلزمِ خوں کاش یہی ہو | ہوتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے
گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے | رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالب کو بُرا کیوں کہو اچھا مرے آگے

۲۳

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

شرع و آئین پر مدار سہی
ایسے قاتل کو کیا کرے کوئی

چال جیسے کڑی کمان کا تیر
دل میں ایسے کے جا کرے کوئی

بات پر واں زبان کٹتی ہے
وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب
کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

۲۴

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اسکی گردن پر
وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بدم نکلے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے

بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا

اگر اس طرّہ پرپیچ وخم کا پیچ وخم نکلے

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی
پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جامِ جم نکلے

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا
اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کافر پہ دم نکلے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

۳۵

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

حسرت نے لا رکھا ہے تری بزمِ خیال میں
گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا
افسونِ انتظار تمنا کہیں جسے

سر پر ہجومِ دردِ غریبی سے ڈالیے
وہ ایک مشتِ خاک کہ صحرا کہیں جسے

ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں
شوقِ عناں گسیختہ دریا کہیں جسے

درکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو
صبحِ بہار پنبۂ مینا کہیں جسے

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

۲۶

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے

پھر گرمِ نالہ ہائے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کئے ہوئے

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کئے ہوئے

پھر بھر رہا ہے خامۂ مژگاں بخونِ دل
سازِ چمن طرازیٔ داماں کئے ہوئے

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کئے ہوئے

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کئے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا ساماں کئے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبیٔ عنواں کئے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کئے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کئے ہوئے

اک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کئے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منتِ درباں کئے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کئے ہوئے

انتخاب داغ

یارب ہے بخش دینا بندہ کو کام تیرا / محروم رہ نہ جائے کل یہ غلام تیرا
جبتک ہے دل بغل میں ہر دم ہو یاد تیری / جبتک زباں ہے منہ میں جاری ہو نام تیرا
ایمان کی کہیں گے ایمان ہے ہمارا / احمد رسول تیرا مصحف کلام تیرا
شمس الضحیٰ محمد بدر الدجیٰ محمد / ہے نور پاک روشن ہر صبح شام تیرا
اُس شاہ انبیا کے در کا ہوں میں سلامی / آیا سلام جس کو پہنچا پیام تیرا
ہے تو ہی دینے والا پستی سے دی بلندی / اسفل مقام میرا اعلیٰ مقام تیرا
بے جان و بے چگوں ہے بے شبہ ذات تیری / واحد احد صمد ہے اللہ نام تیرا
محروم کیوں رہوں میں جی بھر کے کیوں نہ لوں میں / دیتا ہے رزق سب کو ہے فیض عام تیرا
یہ داغ بھی نہ ہوگا تیرے سوا کسی کا / کونین میں ہے جو کچھ وہ ہے تمام تیرا

۲

زباں ہلاؤ تو ہو جائے فیصلہ دل کا / اب آ چکا ہے لبوں پر معاملہ دل کا
کسی سے کیا ہو تپش میں مقابلہ دل کا / جگر کو آنکھ دکھاتا ہے آبلہ دل کا
خدا کے واسطے کر لو معاملہ دل کا / کہ گھر کے گھر ہی میں ہو جائے فیصلہ دل کا
تم اپنے ساتھ ہی تصویر اپنی لے جاؤ / نکال لینگے کوئی اور مشغلہ دل کا
قصور تیری نگہ کا ہے کیا خطا اسکی / لگاوٹوں نے بڑھایا ہے حوصلہ دل کا

نہ جان دیتے ہیں آ مرے نہ زندہ رہتے بنے
بگڑ گیا ہے یہ کیسا معاملہ دل کا

شباب آتے ہی اے کاش موت بھی آتی
ابھارتا ہے اسی سن میں ولولہ دل کا

کئے ہیں تو نے دل اہل انجمن بے تاب
روا روی میں ہے مصروف قافلہ دل کا

جو منصفی ہے جہاں میں تو منصفی تیری
اگر معاملہ ہے تو معاملہ دل کا

ملی بھی ہے کبھی عاشق کا کام دنیا میں
ہوا بھی ہے کبھی کمبخت فیصلہ دل کا

نگاہِ مست کو تم ہوشیار کر دینا
یہ کوئی کھیل نہیں ہے مقابلہ دل کا

ہماری آنکھ میں بھی اشک گرم ایسے ہیں
کہ جن کے آگے بھرے پانی آبلہ دل کا

ہوا نہ اس سے کوئی اور کانوں کان خبر
الگ الگ کیا سب سے معاملہ دل کا

اگرچہ جان پہ بن بن گئی محبت میں
کسی کے منہ پہ نہ رکھا معاملہ دل کا

ازل سے تا بہ ابد عشق ہے اُنکے لئے
نہ چھٹائے چھٹے گا نہ سلسلہ دل کا

کروں تو داورِ محشر کے سامنے فریاد
تجھی کو سونپ نہ دے وہ معاملہ دل کا

نہ آئیں خضر کبھی آپ بھول کر بھی ادھر
جناب من نہیں آسان مرحلہ دل کا

کچھ اور بھی تجھے اے داغ بات آتی ہے
وہی بتوں کی شکایت وہی گلہ دل کا

٣

کہتے ہیں وہ یہ وصف گل نو بہار پر
طرہ ہے اپنی ایک جوانی ہزار پر

قاتل نے میرے اپنی برائت کے واسطے
لکھا گزشتہ سن مری لوح مزار پر

دل مر گیا ہے جب سے ہمارا یہ حال ہے
طاری ہو جیسے سوگ کسی سوگوار پر

اس کو مٹا کے دیتی ہے بیداد آپ کی
اب کیجئے کرم ستم روزگار پر

تڑپائیں تا بہ حشر اگر اُن کا بس چلے
لوٹے ہوئے ہیں میرے دل پائدار پر

بیٹھا میں رقیب بنے یہ خبر نہ تھی — دنیا کے کام ہوتے ہیں سب اعتبار پر

ملتے ہیں کچھ اس بت سنگیں سے رنگ ڈھنگ — آتا ہے پیار اس دل ناکردہ کار پر

حسرت بھی اس میں بند تمنا بھی اس میں بند — مہریں لگی ہوئی ہیں دل داغدار پر

ساقی کو صرف دور ہے میکش کو بیان — پڑتے ہیں ہاتھ جام مے خوشگوار پر

اٹھتے سے دل میں ایک تمنا کی خواہشیں — بھولا ہوا ہوں زندگی مستعار پر

بے ڈھب گھرا ہوا ہے پھنسا ہے بری طرح — اللہ رحم کر دل ناکردہ کار پر

ہوتا ہے سب کا ایک اشارہ میں فیصلہ — وہ چشم شوق بند نہیں ہے ہزار پر

تم کو تو آرزو کی خلش بھی نہیں ہوتی — کیا جانو کیا گذرتی ہے امیدوار پر

وہ رفتہ رفتہ ہاتھ کے چالاک ہو گئے — رکھ رکھ کے ہاتھ میرے دل بیقرار پر

پیری میں دل ہے یاد جوانی سے داغ داغ — آتی ہوتی ہے اپنی خزاں بھی بہار پر

امید اس کی ذات سے اسے داغ چاہیئے — سب منحصر ہے رحمت پروردگار پر

۴۴

عذر آنے میں بھی ہے اور بلاتے بھی نہیں — باعث ترک ملاقات بتاتے بھی نہیں

منتظر ہیں دم رخصت کہ یہ مر جائے تو جائیں — پھر یہ احسان کہ ہم چھوڑ کے جاتے بھی نہیں

سر اٹھاؤ تو سہی آنکھ ملاؤ تو سہی — نشۂ مے بھی نہیں نیند کے ماتے بھی نہیں

کیا کہا پھر تو کہو ہم نہیں سنتے تیری — نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں — صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

مجھ سے لاغر تری آنکھوں میں کھٹکتے تو رہے — تجھ سے نازک مری نظروں میں سماتے بھی نہیں

دیکھتے ہی مجھے محفل میں یہ ارشاد ہوا — کون بیٹھا ہے اسے لوگ اٹھاتے بھی نہیں

ہوچکا قطع تعلق تو جفائیں کیوں ہیں / جنکو مطلب نہیں ہوتا وہ ستاتے بھی نہیں

زیست سے تنگ ہوا اے داغ تو کیوں جیتے ہو / جان پیاری بھی نہیں جان سے جاتے بھی نہیں

۵

میں نے چاہا جو تمہیں اسکا گنہگار تو ہوں / مگر اتنا بھی سمجھ لو کہ وفادار تو ہوں

عمر بھر آپ نے مجھ کو کبھی اچھا نہ کیا / خیر اچھا نہ سہی آپ کا بیمار تو ہوں

یا خدا پرسشِ اعمال کا دیتا ہوں جواب / بات کا ہوش کسے ہے یہ ابھی ہشیار تو ہوں

مے و معشوق سے انکار نہیں اے زاہد / عاشقِ زار تو ہوں رند قدح خوار تو ہوں

گو مرے پاس نہیں غیرِ متاع کاسہ / میں تماشائی اندازِ خریدار تو ہوں

ابھی کیا جانے کوئی مجھ کو تمہارا شیدا / کوئی دن اور بھی رسوا سر بازار تو ہوں

گو مری وضع نہیں ہے کہ ملوں غیر سے میں / تابعِ حکم جفاکار و ستمگار تو ہوں

کیا گذر جائے تجھے رات یونہیں بے کھٹکے / بزم میں گل نہ سہی ہیں نہ سہی خار تو ہوں

تابِ نظارۂ انوارِ تجلی نہ سہی / میری ہمت ہے کہ میں طالبِ دیدار تو ہوں

داغ مرنے نہیں دیتا مجھے رشکِ اغیار / ورنہ مر جاؤں ابھی جان سے بیزار تو ہوں

۶

دیکھیں تو کیسے فتنے ہیں نیچی نگاہ میں / آئینہ رکھ دے کاش کوئی اُن کی راہ میں

دیکھو پڑا نہ ہو دلِ گم گشتہ راہ میں / میری نگاہ میں نہ تمہاری نگاہ میں

امیدوارِ رحمتِ باری ہوں اس قدر / ہوتا ہوں میں شریک پرائے گناہ میں

کس فتنہ گر کی چال نے بیتاب کر دیا / نقشِ قدم بھی دوڑتے پھرتے ہیں راہ میں

وہ شوقِ وصل و رنگ شکایت ہی مٹ گیا / عاشق کو دل لگی کا مزا کیا نباہ میں

یوسف خلا میں بکے جائے ننگ ہے — سارے ہی قافلہ کو ڈبونا تھا چاہ میں
تقدیر کو جیسا آگ لگاتا ہے سوز عشق — ہوتی ہے روشنی مرے بخت سیاہ میں
پھینکے جو کانٹ کسی لاغر کے ہاتھ پاؤں — کانٹے بچھائے آپنے دشمن کی راہ میں
ہوتی ہے دیکھنے کے لئے آنکھ میں نگاہ — دیکھو تمہاری آنکھ ہے میری نگاہ میں
کرتے ہیں یوں بگڑ کے مرے باب میں سوال — جرأت جواب کی نہیں رہتی گواہ میں
محشر میں کس طرف سے یہ آئیگی صدا — آنا ہو جس کو آئے ہماری پناہ میں
دل بھی نہیں جمے تو ہمارا قدم جمے — اک پاؤں بتکدے میں تو اک خانقاہ میں
جو پیچ پڑ گئے تھے وہ سارے نکل گئے — اب گفتگو رہی مری اُن کی نباہ میں
ہنگام شکوہ خوف بٹھانے سے فائدہ — تم خود ہی بیٹھ جاؤ دلِ دادخواہ میں
ہم دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے اُن کے پاس — کیا آگیا ہے فرق ہماری نگاہ میں
بجلی گری کہ آہ پڑی بادہ خوار کی — ہلچل پڑی ہوتی ہے عجب خانقاہ میں
کیا سب کا خون گردن قاتل ہی پر رہا — اک بوند بھی لہو کی نہیں قتل گاہ میں
کیونکر داغ دہلوی کی زباں مستند نہ ہو — پیدا کیا خدا نے اسے تختگاہ میں

ناداں ہے دوست کچھ خبر نیک و بد نہیں — مجھ بیگناہ پر یہ ستم جس کی حد نہیں
یہ کیا کہا کہ غیر کو تجھ سے حسد نہیں — بنجائے تو گواہ تو اس کی سند نہیں
بندہ کو آسرا ہے فقط اسکی ذات کا — اللہ کی مدد سے زیادہ مدد نہیں
تجھسا ہی بلکہ تجھ سے بھی اچھا ملیگا اور — تو اس صنم کدہ میں صنم ہے صمد نہیں
ہم کو ملے تو لطف رہے اسے جناب خضر — گردش زدوں کو لذت عمر ابد نہیں

ہم کس شمار میں ہیں ہو کر حمید دہشت — یہ حرف ہمزہ وہ ہے کہ جس کا عدد نہیں
کیا دیکھ کر نہال ہوں شمشاد سرو کو — وہ بانکپن وہ چال وہ بوٹا سا قد نہیں
بچ بچ کے میری قبر سے چلتا ہے کیوں عدو — عشرت سرائے خلد ہے کنج لحد نہیں
کیا فرض ہے کہ ہو بنی آدم ہی میں رقیب — شیطان و سیاہ بھی تو لا و لد نہیں
وہ دل کہاں کہ تیری محبت ہو دلنشیں — کوئی بھی ایسی روح کے قابل جسد نہیں
خون جگر کہاں صف مژگاں کے واسطے — افسوس ایسی فوج کو ملتی رسد نہیں
دشمن کو چار چاند لگے ہیں تو کیا کریں — ہم کو کسی سے کینہ و بغض و حسد نہیں
کیونکر رہے ہمیشہ طبیعت کا ایک حال — وہ بحر بھی ہے خاک اگر جزر و مد نہیں
وہ امتحاں کریں تو سہی سوز عشق کا — اے داغ داغ دل سے زیادہ سند نہیں

۸

تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں — تجھے ہر بہانہ سے ہم دیکھتے ہیں
ہماری طرف اب وہ کم دیکھتے ہیں — وہ نظریں نہیں جنکو ہم دیکھتے ہیں
زمانہ کے کیا کیا ستم دیکھتے ہیں — ہمیں جانتے ہیں جو ہم دیکھتے ہیں
پھرے بتکدہ سے تو اے اہل کعبہ — پھر آ کر تمہارے قدم دیکھتے ہیں
ہمیں چشم بینا دکھاتی ہے سب کچھ — وہ اندھے ہیں جو جام جم دیکھتے ہیں
نہ ایما ہے خواہش نہ اظہار مطلب — مرے منہ کو اہل کرم دیکھتے ہیں
کبھی توڑتے ہیں وہ خنجر کو اپنے — کبھی نبض بسمل میں دم دیکھتے ہیں
غنیمت ہے چشم تغافل بھی ان کی — بہت دیکھتے ہیں جو کم دیکھتے ہیں
غرض کیا کہ سمجھیں مرے خط کا مضموں — وہ عنوان و طرز رقم دیکھتے ہیں

سلامت رہے دل بُرا ہے کہ اچھا ہزاروں میں یہ ایکدم دیکھتے ہیں
رہا کون محفل میں اب آنے والا وہ چاروں طرف دمبدم دیکھتے ہیں
اُدھر شرم حائل اِدھر خوف مانع نہ وہ دیکھتے ہیں نہ ہم دیکھتے ہیں
اُنھیں کیوں نہ ہو دلربائی سے نفرت کہ ہر دل میں وہ غم الم دیکھتے ہیں
جواب خطِ شوق لکھنا ہے مشکل وہ گھڑیوں شگافِ قلم دیکھتے ہیں
نگہباں سے بھی کیا ہوئی بدگمانی اب اس کو ترے ساتھ کم دیکھتے ہیں
ہمیں داغ کیا کم ہے یہ سرفرازی کہ شاہِ دکن کے قدم دیکھتے ہیں

۹

اس ادا سے وہ جفا کرتے ہیں کوئی جانے کہ وفا کرتے ہیں
یوں وفا عہد وفا کرتے ہیں آپ کیا کہتے ہیں کیا کرتے ہیں
ہم کو چھیڑو گے تو پچھتاؤ گے ہنسنے والوں سے ہنسا کرتے ہیں
نامہ بر تجھ کو سلیقہ ہی نہیں کام باتوں میں بنا کرتے ہیں
چلتے عاشق کا جنازہ اُٹھا آپ بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہیں
یہ بتاتا نہیں کوئی مجھ کو دل جو آتا ہے تو کیا کرتے ہیں
حُسن کا حق نہیں رہتا باقی ہر ادا میں وہ ادا کرتے ہیں
تیر آخر بدل کافر سے ہم اخیر آج دعا کرتے ہیں
کس قدر ہیں تری آنکھیں بیباک ان سے فتنے بھی حیا کرتے ہیں
روتے ہیں غیر کا رونا پہروں یہ ہنسی مجھ سے ہنسا کرتے ہیں
اس لیئے دل کو لگا رکھا ہے اس میں محبوب رہا کرتے ہیں

تم ملو گے نہ وہاں بھی ہم سے — حشر سے پہلے گلا کرتے ہیں

جھانک کر روزنِ در سے مجھ کو — کیا وہ شوخی سے حیا کرتے ہیں

اس نے احسان جتا کر یہ کہا — آپ کس منہ سے گلا کرتے ہیں

روز لیتے ہیں نیا دل دلبر — نہیں معلوم یہ کیا کرتے ہیں

داغ تو دیکھ تو کیا ہوتا ہے — جبر پر صبر کیا کرتے ہیں

۱۰

زندگی کا نہیں ساماں ہر مو دل میں — مژدۂ یار نے کیا پھیر دی جھاڑو دل میں

ایک تیرے ہی نہ رہنے سے رہا کیا کیا کچھ — کوئی حسرت نہ رہی جب سے رہا تو دل میں

یہی دھڑکا ہے کہ خالی نہ رہے وصل کی شب — دل ہی پہلو میں تو ہے آپ کا پہلو دل میں

اشک پیتا ہوں اگر ضبط محبت کے لئے — ریزے الماس کے بنجاتے ہیں آنسو دل میں

سانپ سا لوٹ رہا ہے شبِ ہجراں کیا کیا — لہریں لیتا ہے خیالِ خمِ گیسو دل میں

ساتھ ہر سانس کے آجاتی ہے پھولوں کی مہک — بس گئی ہے گلِ عارض کی جو خوشبو دل میں

ضعف اس درجہ بڑھا ہے کہ الٰہی توبہ — درد بھی اب تو بدلتا نہیں پہلو دل میں

اب کہاں ہوش کہاں صبر کہاں تاب و تواں — کر گئی گھر یہ تری نرگسِ جادو دل میں

تیر کی طرح سے چلتی ہیں نگاہیں دل پر — تیغ کی طرح اُترجاتے ہیں ابرو دل میں

پہلوئے غیر میں بیٹھے وہ نظر آتے ہیں — سوچتا ہوں جو کبھی وصل کا پہلو دل میں

کیا کہوں گذرے ہیں دن رات مجھے سولی پر — جب سمایا ہے کسی کا قدِ دلجو دل میں

روح قالب میں ہے یا غنچہ میں بو ہے پنہاں — بند شیشہ میں پری ہے کہ پری رو دل میں

نوکِ پیکاں جو ادھر ہے لبِ سوفار ادھر — تیرِ سفاک ہوا خوب ترازو دل میں

ایسے آتے ہیں نکلنے کے لئے ہو نیتار — آرزو بیٹھ رہی جب کے کہاں تھی دل میں
خلش و حسرت و بیتابی و آزار و الم — سب کے سب ایک طرف سب سے سوا تو دل میں
شیوۂ راستی ایسا ہے دکن میں اے داغ — بل نہیں رکھتے مسلمان سے ہندو دل میں

۱۱

کب وہ چوکے جو شرابِ عشق سے مستانہ ہے
شورِ محشر اس کو مہرِ خواب اک افسانہ ہے

پھر سرِ شوریدہ پر جوشِ جنوں دیوانہ ہے
پھر دلِ تفتیدہ پر برقِ بلا پروانہ ہے

خوب ہی چلتی ہوئی وہ نرگسِ مستانہ ہے
آشنا سے آشنا بیگانہ سے بیگانہ ہے

آتے جاتے ہیں نئے ہر روز مرغِ نامہ بر
بندہ پرور آپ کا گھر بھی کبوتر خانہ ہے

فاتحہ پڑھنے کو آیا تھا مگر وہ شمع رو
آج میری قبر کا جو پھول ہے پروانہ ہے

درد سے بھرتے ہیں آنسو ضبط سے پیتے ہیں ہم
آنکھ کی ہے آنکھ یہ پیمانہ کا پیمانہ ہے

ہائے ساقی پر گرا یا جب گرایا ہے مجھے
چال سے خالی کہاں یہ لغزشِ مستانہ ہے

کوہکن کا تھا یہی پیشہ جو کاٹا تھا پہاڑ

کام مشکل جاں کنی اے ہمتِ مردانہ ہے

جب پڑا ہے وقت کوئی ہو گئے ہیں سب الگ

دوست بھی اپنا نہیں بیگانہ تو بیگانہ ہے

اُس کے در پہ جا کے ہوتا ہے گدا کو بھی زیاں

لوگ کہتے ہیں مزاج اُس شخص کا شاہانہ ہے

مجھ کو بیجا کر کہا ناصح نے اُن کے روبرو

آپ کے سر کی قسم یہ آپ کا دیوانہ ہے

اُس کو دیوانہ بنا لوں تو کروں جھک کر سلام

میں تو بھولا ہوں مگر دشمن بڑا فرزانہ ہے

ہم نے دیکھا ہے نہیں خالی نحوست سے کوئی

زاہدوں کو نامبارک سبحۂ صد دانہ ہے

داغ یہ ہے کوچۂ قاتل مان ناداں ضد نہ کر

اُٹھ یہاں سے آ ادھر گھر بیٹھ کچھ دیوانہ ہے

۱۲

دل کے رہنے کا اعتبار کسے | اور کہنے کا اختیار کسے

دل سے دشمن کا اعتبار کسے | ہم بتائیں صلاح کار کسے

یاد بھی ہے کہ آج بھول گئے | کل کیا تھا امیدوار کسے

موت سے پیشتر ہی مر جاؤں | اس قدر تاب انتظار کسے

جب کہا میں نے ہائے لوٹ لیا | دل پکارا کہ میرے یار کسے

غیر کو بھی ملا لیا ہم نے ـــ وہ بنائیں گے رازدار کسے
ذکرِ دشمن تو خوب تھا کہتے ـــ اب گذرتا ہے ناگوار کسے
دل دعا کیا کرے مرے حق میں ـــ بخشوائے گناہگار کسے
بجلیاں ہیں یہ شوخیاں تیری ـــ اور کہتے ہیں بے قرار کسے
داغؔ سے وہ اگر نہیں ملتے ـــ نہ ملیں ہے یہ افتخار کسے

۱۳

اک چیز ہے اس عالمِ ہستی میں بشر بھی ـــ دنیا کا طلبگار بھی دنیا سے حذر بھی
اس تیر کا زخمی ہے مرا دل بھی جگر بھی ـــ اچھوں کی بری ہوتی ہے سیدھی بھی نظر بھی
دیکھوں کسی محبوب کو میں سامنے تیرے ـــ منت سے کہے تو نگہِ لطف ادھر بھی
یہ کان تک آئیگی بری ہو کہ بھلی ہو ـــ رک جائیگی کیا تیری طرح تیری خبر بھی
کیا ایک ہی ڈورے میں بندھی انکی نزاکت ـــ جب ہلتی ہے گردن تو لچکتی ہے کمر بھی
بے تاب تری بزم میں دیکھا جسے دیکھا ـــ ہوش اٹھتے ہے اڑتی ہے اڑتی ہے خبر بھی
دل اس نے لیا مجھ کو ملی دولتِ دیدار ـــ کیا لوٹ کا سامان ادھر بھی ہے ادھر بھی
گنتی ہیں وہ دنیا کے جو سب چاہنے والے ـــ پوچھے تو کوئی ہے تمہیں دنیا کی خبر بھی
جب جرمِ محبت کی سزا مل گئی اکبار ـــ تقصیر وہی ہم سے ہوئی بارِ دگر بھی
روندا ہے غضب لشکرِ غم نے مرے دلکو ـــ ایسی نہیں پامال کوئی راہ گذر بھی
ہوتی ہے دعا کا فرودینداگی مقبول ـــ اللہ کی سرکار میں لٹتا ہے اثر بھی
اچھا ہے کہ جنگل میں ہو پانی کا سہارا ـــ لیجائے مرا نامہ رساں دیدۂ تر بھی
فرماتے ہیں وہ سنتے ہیں جب داغؔ کے اشعار ـــ اللہ زباں دے تو زباں میں ہو اثر بھی

۱۴

ساتھ شوخی کے کچھ حجاب بھی ہے
اس ادا کا کہیں جواب بھی ہے

رحم کر میرے حال پر واعظ
کچھ امنگیں بھی ہیں شباب بھی ہے

عشق میں ہے متاعِ درد کی قدر
یہ گراں بھی ہے انتخاب بھی ہے

مار ڈالا ہے اس دورنگی نے
مہربانی بھی ہے عتاب بھی ہے

سن لی کیفیتِ جہاں واعظ
دیکھ اس قسم کی شراب بھی ہے

کیا رہے گا یہی ترا عالم
ساتھ عالم کے انقلاب بھی ہے

جھٹپٹے وقت گھر سے چلے جانا
دن بھی ہے گرم آفتاب بھی ہے

عشق بازی کو ہے سلیقہ شرط
یہ گنہ بھی ہے یہ ثواب بھی ہے

کچھ مجھے یاس کچھ مجھے امید
صبر کے ساتھ اضطراب بھی ہے

اس جفا پر وفا کروں کب تک
آدمیت کا کچھ حساب بھی ہے

تجھ سا نا آشنا نہیں کوئی
بے وفا جان بھی شتاب بھی ہے

دل ہمارا ہے تشنۂ مقصود
دشت میں بحر بھی سراب بھی ہے

سو جہنم ہے اک تری رنجش
اس سے بڑھ کر کوئی عذاب بھی ہے

ہوش مل ہو تو کچھ کہیں تم سے
نشہ بھی ہے خمارِ خواب بھی ہے

داغ کا کچھ پتہ نہیں ملتا
کہیں وہ خانماں خراب بھی ہے

۱۵

چلا تھا جب دل کیا تھا نالہ جلینگے لب جب دعا کرینگے
جو وہ کیا تھا تو کیا کیا تھا جو یہ کرینگے تو کیا کریں گے

مزا اسی میں ہے دل لگی کا کہ شوخیاں ہوں شرارتیں ہوں
جو آپ ہم سے حیا کریں گے تو چھیڑ کر ہم خفا کریں گے

عجب طرح کا معاملہ ہے وہ سوچتے ہیں یہ بات پھر دل
کبھی ہے طمع کہ لیجئے دل کبھی یہ ہے فکر کیا کریں گے

عداوت اُن کو ہے آج جس سے اُسی پہ کل مہربانیاں ہیں
جو دشمنی کر سکیں نہ پوری وہ دوستی ہم سے کیا کریں گے

ہزار ہیں ڈھنگ عاشقی کے جو ان کو پہنتے وہ انکو جانے
تمہیں کو ہم بیوفا کہیں گے تمہیں سے ہم التجا کریں گے

پیامبر کی مجال کیا تھی جو اُن سے کہہ کر جواب لاتا
بہت سنیں ہم نے ایسی باتیں بہت سی ایسی سنا کریں گے

ہوئے ہیں وہ تو گر خفا ہم یہ کہتے پھرتے ہیں جا بجا ہم
جو کوئی ہم پہ ستم کریگا ہم اس کے حق میں دعا کریں گے

جو رشکِ لقماں بھی چارہ گر ہو مسیح ثانی بھی وہ اگر ہو
کسی سے اچھے ہوئے نہ ہوں گے ہم آپ اپنی دوا کریں گے

خطا کروگے جو بوسہ مانگا یہ کیا کہا پھر نہ ہم سے کہنا
خطا کریں گے خطا کریں گے خطا کریں گے

کوئی سہے رنج و غم کہاں تک اُٹھائے ظلم و ستم کہاں تک
وہ حضرتِ داغ بھی نہیں اب جو تجھ سے مہر و وفا کریں گے

انتخاب امیر

نورِ وحدت سے یہ عالم ہے دلِ آگاہ کا
مہر ہے اک ایک ذرّہ میری گردِ راہ کا

طالبِ دریا ہو دیدار ایک رشکِ ماہ کا
رزقِ ماہی ہے تجھے لکھ لکھ کے نام اللہ کا

خوب ہی مہندی رچی خونِ شہیدِ ناز کی
خنجرِ قاتل پہ عالم ہے کفِ نوشاہ کا

فی الحقیقت غوطۂ بحرِ فنا ہے لا الٰہ
ہے ابھرنا اس بھنور سے ذکرِ الا اللہ کا

مصرِ دل میں تجھ سے یوسف کو کیا ہے بادشاہ
ای پیر پیروں میں تو دیوانہ ہوں اپنی چاہ کا

اسقدر دلبر تصرف کیا سبب یہ کون ہیں
بک گیا ہے کیا بتوں کے ہاتھ گھر اللہ کا

بسملوں کے رقص پہ اس طفل کا ہے لوٹے دل
اب شہادت گاہ میں عالم ہے بازیگاہ کا

حق رسی چاہے تو نقد و دولت سے گذر
منزلیں طے ہوں تو حج حاصل ہو بیت اللہ کا

دیکھ کر ناف و کمر اس بت کا آتا ہے خیال
رہرو راہِ عدم کو بھی خطر ہے چاہ کا

ساکنِ مسجد ہوا جا کر جھکا جو سروِ قد
یہ مثل مشہور ہے سیدھا ہے گھر اللہ کا

عشق عارض کر رہا حسنِ عارض کو تباہ
لوٹتا ہے لشکرِ شاہی اثاثہ شاہ کا

صحبتِ احباب یا دربار یا ہمکار ہو
بات وہ کہنی بھلا ہو جس میں خلق اللہ کا

پیاس شیدائی زنخداں کی بجھانا چاہئے
حیف ہے پیاسا ہی رہ جائے کبوتر چاہ کا

آنسوؤں کا جوش یہ ذکرِ الٰہی میں ہوا
بن گیا ہر دو کنارہ جو الف اللہ کا

گوہرِ مقصد ملا بحرِ سخن میں ڈوب کر
تہ کو جب پہنچے تو مضموں ہاتھ آیا چاہ کا

نور ایسا دیدۂ دل کو خدا بخشے امیر
سامنے روضہ نظر آئے رسول اللہ کا

۲

طرفہ پیغام یہ الفت کی نظر کہتی ہے — کہ مرے دل کی ترے دل سے خبر کہتی ہے

آج آتا ہے وہ گل بادِ سحر کہتی ہے — سچ ہو یارب جو یہ اُڑتی سی خبر کہتی ہے

بلبل و گل میں ہے غماض نسیمِ سحری — کچھ ادھر کہتی ہے کچھ جا کے اُدھر کہتی ہے

جوہری کیا ترے دانتوں سے ملاتے ہیں اسے — پانی پانی ہوں یہ خود آبِ گہر کہتی ہے

غنچۂ گل مجھے کہتے ہیں یہ کہتا ہے دہن — رگِ گل میں ہوں یہ باریک کمر کہتی ہے

یاد پچھلوں کی دلاتی ہیں مجھے موئے سپید — گردِ رہ قافلہ والوں کی خبر کہتی ہے

ماہِ نو میں ہوں یہ اُس تیغ کا ہے دو شیہ قول — بدر میں ہوں یہ پسِ پشتِ سپر کہتی ہے

وہ جواں عشوۂ پیری کا مزہ کیا جانیں — عضوِ تن وجد میں ہیں جنبشِ سر کہتی ہے

شام کا یہ اشارہ کہ ہیں یہ خطِ سیاہ — چاک کر ڈال گریباں یہ سحر کہتی ہے

بحرِ عالم میں سفینہ کوئی بچنے کا نہیں — ہمہ تن ہو کے زباں موجِ خطر کہتی ہے

متحمل ہے اگر غم کا تو دل میرا — تیغ رکتی مجھی سے یہ سپر کہتی ہے

کیوں زباں تیغ کی خاموش ہے محفل میں میر — حالِ قاتل سے مرا کہہ دے اگر کہتی ہے

۳

نہ کور باطن ہوا اے برہمن ذرا تو چشمِ تمیز وا کر
خدا کا بندہ بتوں کو سجدہ خدا خدا کر خدا خدا کر

جو اُٹھ کے پہلو سے انجمن میں وہ دور بیٹھے ہیں مجھ سے جا کر
تڑپنے دردِ جگر کی دل کو ٹپک دیا ہے اُٹھا اُٹھا کر

شمر سے کہہ دو کہ بیت فطرت پھنسا ہے کیوں سختیوں میں آ کر

یہ کیا سمجھ پہ پڑے ہیں پتھر ارادۂ منزلِ فنا کر
قدم کو لغزش زباں کو لکنت ہے رعشہ ہاتھوں کو سر کو جنبش
کدھر گئی ہائے نوجوانی ان آفتوں میں ہمیں پھنسا کر
جو آنکھ کھولی تو کچھ نہ دیکھا سحر کو سنسان سب سرا تھی
ہوا نہ ہمراہیوں سے اتنا کہ ساتھ لیتے مجھے جگا کر
نہ بھول اس زندگی پہ غافل نہیں ہے کچھ اعتبار اس کا
کہ راہ لیگی یہ اپنی اک دن عدم کا رستہ تجھے بتا کر
بپا ہے طوفانِ بے ثباتی رواروی میں ہیں گرم موجیں
ہوا میں ناحق بھرا ہوا ہے حباب دریا میں گھر بنا کر
چمن ہے کشتوں کا تیرے مدفن یہ لالۂ و گل نہیں شگفتہ
صبا نے گویا کہ تربتوں پر چراغ روشن کئے ہیں لا کر
نہیں ہے کوئی جہاں میں باقی چلیگی اب تیغِ نازکس پہ
مگر تنہ سے قتل گہ میں لائیں مسیح مردے جلا جلا کر
اسی کا ہے رنگ یاسمن میں اسی کی بو باس نسترن میں
جو کھڑکے پتا بھی اس چمن میں خیال آواز آشنا کر
بلا ہے حرص و ہوائے دنیا کہ جس سے چنگیز ہیں ہیں سب نشاں
کیا پریشاں ان آندھیوں نے تمام ذروں کو خاک اڑا کر
جو آئینہ ہو تو ٹوٹ جائے جو آنکھ ہو وہ تو پھوٹ جائے
خدا نہ منہ غیر کا دکھائے فروغِ عارض ترا دکھا کر

سخنوروں سے معاملہ میں سوائے ذلت حصول کیا ہے
چمن میں بجتے جو ہم سے بلبل تو ہنس پڑے پھول کھلکھلا کر

یہ کس کی تیغِ جفا کا یارب ہر ایک پر ہے رعب غالب
ہلال کی ہے خمیدہ گردن سپہر چلتا ہے سر جھکا کر

شبیہ مدنظر ہے کس کی کہ کوئی پوری نہیں اُترتی
مٹا دیئے صانعِ ازل نے ہزاروں نقشے بنا بنا کر

زمانہ ہے دل جلوں کی عقل سینہ سے کم نہیں تو اے دل
کوئی تو ہنگامہ تو بھی غافل اس انجمن میں کبھی بپا کر

ہو بزم جاناں میں حشر برپا تڑپ کا دل کی یہ تھا تقاضا
مگر بڑی مشکلوں سے روکا دیئے زانو دبا دبا کر

جواب کھتی نہیں ہیں اپنا فسوں گری میں تمہاری آنکھیں
فریب دیتی ہیں اک جہاں کو نئے نئے شعبدے دکھا کر

ذرا سے کھٹکے نے نیند اُڑا دی کہ چوٹ پتھر پہ جب لگا دی
صدا یہ گوشِ شرر میں آئی کہ خواب سنگیں سے چشم وا کر

امیرؔ میری رگِ گلو کو یہ تیغِ قاتل کی آرزو ہے
ملی جو آکر وہ بعدِ مدت تو خوب روئی گلے لگا کر

— ۴ —

کیا دیر ہے امیرؔ کے عفوِ گناہ میں
اللہ کیا کمی ہے تری بارگاہ میں

آئے ہو تیغ کھینچ کے تم قتل گاہ میں
تو لو تو پہلے مونے کمر کو نگاہ میں

کانٹا ہوا ہوں سوکھ کے یکسر نہال ہوں | کھٹکوں گا اور اپنے عدو کی نگاہ میں
بیہوش کوئی بزم خرابات میں نہیں | مشہور یہ خبر ہے غلط خانقاہ میں
خالی شرارتوں سے نہیں ظلمت جہاں | لپٹی ہوئی ہے برق گلیم سیاہ میں
پیری میں قد نگوں جو ہوا نت کبھی چلے | بھاگڑ پڑی شکست الم سے سپاہ میں
مدت ہوئی پھیرے ہوئے آنکھوں کی پتلیاں | صورت تمہاری پھرتی ہے اپنی نگاہ میں
نکلا نہیں ہے خط ترے عارض پہ حسن نے | کانٹے بچھائے ہیں یہ محبت کی راہ میں
کشتی ضرور سا نہ رہے تیری اے فقیر | ڈوبے تو قلزم کرم بادشاہ میں
بے قصد بد سے بھی کبھی ہوتا ہے کار نیک | شب کو چراغ غول جلاتے ہیں راہ میں
دعوی بہت تھا سنگدلی کا حضور کو | کیوں دل پکڑ کے بیٹھ گئے ایک آہ میں
اللہ رے جذب میری تڑپ کا کہ چرخ سے | تاثیر دوڑی آتی ہے آغوش آہ میں
اعلی کو کیوں نہ صحبت ادنی سے ہو حذر | دیکھا کبھی نہ پرتو خورشید چاہ میں
یوسف سے بھی سوا ہے مرے دل کا مرتبہ | ڈوبا ہوا ہے چاہ زنخداں کی چاہ میں
بے داغ عشق ارض سے تا آسماں ہے کون | ماہی میں فلس ہے تو کلف جرم ماہ میں
ہے نقش دل پہ صورت توحید اے امیر | ہوں محو ذکر اشہد ان لا الہ میں

۵

وہ تو سنتا ہی نہیں میں دادخواہی کیا کروں
کس کے آگے جا کے سر پھوڑوں الٰہی کیا کروں
مجھ گدا کو دے نہ تکلیف حکومت اے ہوس
چار دن کی زندگی میں بادشاہی کیا کروں

رشک دیکھو غیر میرا محضرِ خوں دیکھ کر
سوچتا ہے اس پہ میں اپنی گواہی کیا کروں

دھوتے دھوتے آنسوؤں سے ہو گئیں آنکھیں سفید
بختِ بد جاتی نہیں تیری سیاہی کیا کروں

مجھ کو ساحل تک خدا پہنچائے گا اے ناخدا
اپنی کشتی کی بیاں تجھ سے تباہی کیا کروں

نزع میں آنکھیں ملا کر یار نے مجھ سے کہا
بلبے تیری آنکھوں میں دم ہے کم نگاہی کیا کروں

ترکِ لذت سے جدائی میں زباں ہے آشنا
بادۂ صاف و کباب و مرغ و ماہی کیا کروں

شوق کہتا ہے پہنچ جاؤں میں اب کعبہ میں جلد
راہ میں تنہا نہ بیٹھتا ہے الٰہی کیا کروں

کل گیا تھا پیشِ زاہد سوچتا ہوں دل میں آج
خدمتِ پیرِ مغاں میں عذر خواہی کیا کروں

فرض کر دم آہ رک سکتی ہے تھم سکتے ہیں اشک
چھپ نہیں سکتا ہے لیکن رنگ کاہی کیا کروں

وہ مرے اعمالِ روز و شب سے واقف ہے امیر
پیشِ خالق ادعائے بے گناہی کیا کروں

۶

مے پئیں کیا کہ کچھ فضا ہی نہیں ساقیا باغ میں گھٹا ہی نہیں

خضر کیا جانیں مرگ کی لذت اس مزے سے وہ آشنا ہی نہیں

شعر وصفِ دہن میں سن کے کہا ایسا مضموں کبھی سنا ہی نہیں

کس طرح جائیں اُن کی محفل میں جن کے دل میں ہماری جا ہی نہیں

کیا سنینگے وہ خلق کی فریاد کہتے ہیں جو کوئی خدا ہی نہیں

لذتِ عیشِ وصل کیا جانیں اس میں حصہ ہمیں ملا ہی نہیں

کل تلک تھا وہ ربط وہ اخلاص آج وہ شوخ آشنا ہی نہیں

ہے ہمیں اب تو تیری اُلفت میں صدمہ وہ جس کی انتہا ہی نہیں

مرنے والوں سے کہتے ہیں وہ امیر کیا تمہاری کبھی قضا ہی نہیں

۷

وہ حُسن کیا ہے حُسن جو خاطر نشیں نہ ہو کس کام کا وہ نام جو نقشِ نگیں نہ ہو

کیونکہ ہو دل شگفتہ جو غزلت نشیں نہ ہو پھولے پھلے نہ دانہ جو زیرِ زمیں نہ ہو

وہ یاس ہے کہ وصل میں بھی ہر نگاہ پر ڈرتا ہوں میں کہیں نگہِ واپسیں نہ ہو

راحت کی جستجو میں ہیں اہلِ جہاں عبث ہاتھ آئے وہ کسی کو کہاں جو کہیں نہ ہو

ایذائے خلق پر ہے یہ غش موذی فلک بے سانپ چاہتا ہے کوئی آستیں نہ ہو

ساحل سے ہوں میں تشنہ دہن خود کنارہ کش کہہ دو کہ بحر موج سی چیں بر جبیں نہ ہو

مانندِ بوئے گل چمنِ دہر سے نکل اس باغ بے ثبات میں غزلت نشیں نہ ہو

نام اُس حسیں کا قلبِ مصفا پہ نقش ہے کیونکر اس آئینہ پہ گمانِ نگیں نہ ہو

ہستی جہاں کی ہستیٔ حق پر دلیل ہے
کیونکر جہاں ہو جو جہاں آفریں نہ ہو

زاہد کا صاف زہد ریائی ہے آشکار
سجدہ کرے درست تو داغِ جبیں نہ ہو

ساقی ہیں تشنۂ عرفاں سے مست ہوں
افلاس میں جو بادہ میسر نہیں نہ ہو

تیرا نہ ہو مکان تو مشہور ہے فلک
کہتے ہیں جس کو عرش ترا شہ نشیں نہ ہو

دل سے جو چشمِ فیض ہے تجھ کو تو پاک رکھ
کس کام کا ہے صاف اگر دوربیں نہ ہو

ہم رند مشربوں کی صفائی سے شے نمود
روشن ہو نام کیا جو سیہ رو نگیں نہ ہو

ہیں تنگ اس جہاں سے وہاں لے چل اے جنوں
جس جا یہ آسماں نہ ہو یہ زمیں نہ ہو

ساجد خدا پرست بھی اس آستاں پہ ہیں
کیوں بے نیاز وہ صنمِ نازنیں نہ ہو

آتا ہے مجھ کو گریہ لبِ کشتِ زعفراں
اتنا بھی جورِ چرخ سے کوئی حزیں نہ ہو

سر آستانِ دل پہ نہ پٹکیں کبھی امیر
جب تک کہ عرش پر قدمِ اولیں نہ ہو

۸۰

چاہنا ہم کو تو اس کا چاہیے
وہ ہمیں چاہے تو پھر کیا چاہیے

دل نے جب پوچھا مجھے کیا چاہیے
درد بولا اٹھ کے تڑپا چاہیے

کان جب آواز سنتے ہیں تری
آنکھ کہتی ہے کہ دیکھا چاہیے

بوالہوس اور ادعائے سوزِ عشق
داغ کھانے کو کلیجا چاہیے

دل مرا کہتا ہے سن کر سوزِ حشر
یہ نمک زخموں پہ چھڑکا چاہیے

وعدہ آنے کا ہے ان سے خواب میں
خواب کب آتا ہے دیکھا چاہیے

حسنِ دنیا کا بہت قصہ ہے طول
آدمی کو صبر تھوڑا چاہیے

طالبِ بے پردگی ہے ان سے حسن
شرم کہتی ہے کہ پردا چاہیے

امتحاں ہے دوستِ دشمن کا عبث
یہ تو اپنے دل سے پوچھا چاہئے

دوست میرا ہمنشیں ہا ہے غیر سے
جان کو دشمن کی رویا چاہئے

خشک لب ہیں صورتِ دریا تو ہو
وسعتِ دل مثلِ دریا چاہئے

ترکِ لذّت بھی نہیں لذّت سے کم
کچھ مزہ اس کا بھی چکھا چاہئے

یوں وہ پوچھے ہیں نے جب اُن سے کہا
چاہئے دانتوں کو چاہا چاہئے

تم نے چاہا مجھ کو میں نے غیر کو
اپنا اپنا جی اسے کیا چاہئے

ہے مزاج اس کا بہت نازک امیرؔ
ضبطِ اٹھا یہ تمنا چاہئے

۹

مجھ مست کو مے کی بو بہت ہے
دیوانے کو ایک ہو بہت ہے

موتی کی طرح جو ہو خدا داد
تھوڑی سی بھی آبرو بہت ہے

جاتے ہیں جو صبر و ہوش جائیں
مجھ کو اے درد تو بہت ہے

مانندِ کلیم بڑھ نہ اے دل
یہ درد کی گفتگو بہت ہے

بے کیف ہوتے تو خم کے خم کیا
اچھی ہو تو اک سبو بہت ہے

کیا وصل کی شب میں مشکلیں ہیں
فرصت ہے کم آرزو بہت ہے

منظور ہے خونِ دل جو ای یاس
اتنے لئے آرزو بہت ہے

اے نشترِ غم ہو اگر تن خشک
تیرے دم کو لہو بہت ہے

چھیڑے وہ مژہ تو کیوں ہیں رو دل
آنکھوں میں خلش کو مو بہت ہے

غنچہ کی طرح چمن میں ساقی
اپنا ہی مجھے سبو بہت ہے

کیا غم ہے امیرؔ اگر نہیں مال
اس وقت میں آبرو بہت ہے

۱۰

بہار عمر سے دل یادگار باقی ہے
بس اک یہی ثمرِ داغدار باقی ہے

نگہ کہاں مری آنکھوں میں یار باقی ہے
یہ کچھ غبارِ رہِ انتظار باقی ہے

رہا قفس سے کرے بلبلوں کو کیا صیاد
ابھی تو باغ میں کچھ کچھ بہار باقی ہے

کلیم بیٹھ رہے طور پہ خیال نہیں
کہ اور بھی کوئی امیدوار باقی ہے

کہاں کہاں نہیں یارانِ رفتہ کو ڈھونڈھا
اب ایک ہی تو عدم کا دیار باقی ہے

مثالِ آئینہ وا ہیں مزار میں آنکھیں
ہنوز حسرتِ دیدارِ یار باقی ہے

شریک سیکڑوں گل ہو ہیں اپنے پہلو میں
خزاں کے بعد بھی جوشِ بہار باقی ہے

نفس کی آمد و شد ہر نفس یہ کہتی ہے
کوئی دم اور تجھے اختیار باقی ہے

کفن کے واسطے کافی ہے طوقِ وحشی تار
کوئی کوئی جو گریباں میں تار باقی ہے

نہ تختِ خسروِ چیں ہے نہ چترِ قیصرِ روم
مزار و سایۂ نخلِ مزار باقی ہے

ہجومِ داغ سے ہر عضو ہے پرِ طاؤس
موئے پہ بھی وہی نقش و نگار باقی ہے

اٹھا جو پردہ تو کیا شرم ہے ابھی شبِ وصل
پڑی نقاب تو یہ اے نگار باقی ہے

برنگِ شمع اترتی نہیں کبھی تبِ غم
ہزار آئے پسینہ بخار باقی ہے

ہوائے کوچۂ گیسو میں یہ لٹا سنبل
کہ ایک پیرہن تار تار باقی ہے

نکل چلے ہیں بہت طفلِ اشک و کاہل
ابھی تو جبر پہ کچھ اختیار باقی ہے

صبا چلی نہیں غنچے ہیں منہ چھپائے ہوئے
وہی حجابِ عروسِ بہار باقی ہے

کہیں گے اہلِ عدم کو دکھا کے داغ امیر
یہی گلِ چمنِ روزگار باقی ہے

١١

عشقِ بتاں سے ہاتھ نہ مر کر اٹھائیے
جب تک اٹھے یہ داغ جگر پر اٹھائیے

جورِ فلک کہ نازِ ستمگر اٹھائیے
اک دل ہزار داغ ہیں کیونکر اٹھائیے

کہتے ہیں مجھ گدا کو وہ کوچہ میں دیکھ کر
للہ جان چھوڑیے بستر اٹھائیے

مُردے پہ میرے آئے تو بولا لپٹ کے ماہ
کس کا جنازہ ہے یہ سمجھ کر اٹھائیے

غیرت کا حکم ہے کہ گلا گھونٹ گھونٹ کر
مر جائیے نہ منتِ خنجر اٹھائیے

مشتاقِ دیدِ صورتِ موسیٰ پڑے ہیں عشق
کس سے حجابِ گوشۂ چادر اٹھائیے

مرقد میں آ کے مجھ سے کہا شورِ حشر نے
تکیہ سے اب تو بہرِ خدا سر اٹھائیے

رہیے خموش قاصدِ جاناں جو کچھ کہے
حکمِ خدا سے نازِ پیمبر اٹھائیے

میرا سلام آپ کا وار ایک وقت ہو
آ کے مزاج ہاتھ برابر اٹھائیے

آؤں میں پاس آپ کے گر چاند کر ضرور
دیوار کیا جو سدِ سکندر اٹھائیے

منظور ہو جو عشق تواضع ضرور ہے
سر پہ جو بوجھ اٹھائیے جھک کر اٹھائیے

یکتائیِ صنم پہ قسم رخ کی کھائیے
قرآں اٹھائیے بھی تو حق پر اٹھائیے

بے چشمِ مستِ یار نہیں لطفِ میکشی
اب انجمن سے شیشہ و ساغر اٹھائیے

قاصد بکف اٹھے نامہ بری کو پہنچ گیا
اب اس کی لاش بہرِ پیمبر اٹھائیے

ہے عشق کی نماز میں تکبیر کا یہ لطف
دونوں جہاں سے ہاتھ برابر اٹھائیے

دل کی جلن کا ہاتھ میں اپنے ہے یہ اثر
بجلی نہیں شرار جو پتھر اٹھائیے

آساں نہیں ہے عشقِ بتِ سنگدل امیر
یہ بوجھ اٹھائیے تو سمجھ کر اٹھائیے

۱۳

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اس کو گلا سمجھے
تصدق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے

ریا کو گو یا طرزِ طاعت خاصِ خدا سمجھے
سہارا مل گیا دیدار کا اندھے عصا سمجھے

ہوا جب نفس تابع مطلبِ دل ہو گیا حاصل
گلو تھے اژدہا ہم کو جو ہاتھ آیا عصا سمجھے

نظر ریشِ سیہ میں جب کوئی موئے سفید آیا
بہت روئے اسے ہم خندۂ دنداں نما سمجھے

جو اٹھتے بیٹھتے پیری میں بولیں ہڈیاں اپنی
درائے کاروانِ زندگی ہم صدا سمجھے

نہ کی عہدِ جوانی میں ادائے بندگی ہم نے
ہوئے فاقے جو پیری میں انھیں صوم قضا سمجھے

جوانی اور پیری ایک رات اک دن کا وقفہ تھا
خمارِ نشہ میں دونوں کو کھویا ہائے کیا سمجھے

ہوئے کشتہ نظر آیا جو خالِ روئے قاتل
ہم اس خنجر کے جوہر کو سرِ قافِ قضا سمجھے

ہر اک لختِ دلِ پر خوں شہیدِ تیغِ الفت تھا
گرا دامن پہ جب دامن کو اپنے کربلا سمجھے

مخمس ہے بنا ناخن بدل وہ پنجۂ رنگیں
سوا شاعر کے اس کا حسن کوئی اور کیا سمجھے

امیر اہل حرم سمجھے حرم تصویر ابرو کو
کھنچا خاکہ جو اُس گیسو کا ہندو کالکا سمجھے

۱۳

تارکِ ہستی سے اس کا آستاں نزدیک ہے
بے نشانوں سے بہت وہ بے نشاں نزدیک ہے

اس چمن میں طائرِ کم پر اگر ہوں میں تو کیا
دور ہے صیاد ابھی اور آشیاں نزدیک ہے

ہے ازل سے ساتھ نرم و سخت کا اس دہر میں
کس قدر انساں کے دانتوں سے زباں نزدیک ہے

صحبت ظالم سے نقصاں گوشہ گیروں کا نہیں
خوف کیا گر تیر سے زاغ کماں نزدیک ہے

رکھ قدم آہستہ آہستہ چمن میں عندلیب
دور کچھ گلچیں نہیں ہے باغباں نزدیک ہے

بام جاناں دور کیا ہے کہتی ہے پرواز شوق
حوصلہ عالی اگر ہو آسماں نزدیک ہے

ہو چلی ہے الفت اک پردہ نشیں سے پھر مجھے
المدد اے ضبط وقتِ امتحاں نزدیک ہے

آگے عالی ظرف کے کم ظرف کیا پاتے فروغ
آبرو کیا ہے جو دریا سے کنواں نزدیک ہے

توبہ گلرویوں کی الفت سے ہی پیری میں ضرور
اے بہار زندگی وقتِ خزاں نزدیک ہے

عشق صادق کی ہے آمد دل ہوس سے پاک کر
صاف کرنا چاہئے گھر مہماں نزدیک ہے

لی جو میخواروں نے انگڑائی اتارا جامِ مہر
کیا ہی میخانہ سے طاقِ آسماں نزدیک ہے

یہ رگِ گل صیاد آتے ہیں جو اڑ کر متصل
کیا بہت میرے قفس سے بوستاں نزدیک ہے

دل ہے نالاں غم سے ٹپکا چاہتے ہیں اشک بھی
آتی ہے بانگ جرس اب کارواں نزدیک ہے

صورِ محشر کو کھلا دے سرمہ اے گردِ گناہ
چپ رہے وقتِ حسابِ عاصیاں نزدیک ہے

پرفشانی حسرتِ پرواز میں اب کیا ضرور
دا دصیادِ اجل اے مرغِ جاں نزدیک ہے

ہر طرف ہیں غول خضرِ راہ پوشیدہ امیر
اب ظہورِ مہدی آخر زماں نزدیک ہے

۱۴

ہر گنہگار کو ہے آس الٰہی تیری
عام ہے ہر صفتِ لا متناہی تیری

آنکھ میں آئے تو پتلی ہے تو اے زلفِ سیاہ
دل میں ٹھہرے تو سویدا ہے سیاہی تیری

منزلیں ہوتی ہیں کھوٹی نکل اے قاتلِ خلق
راہ تکتے ہیں کھڑے دیر سے راہی تیری

رنگ تو خوب ہے پر اے شبِ غم عیب یہ ہے
کہ روانی نہیں رکھتی ہے سیاہی تیری

جوہرِ تیغ ہیں اے ابروئے پُرخم تجھ میں
قدر کس طرح سے سمجھیں نہ سپاہی تیری

میں تو زنداں سے سوئے دشت بڑھاتا ہوں قدم
ہو گی اے خانۂ زنجیر تباہی تیری

حشر میں تو نہ زباں کھینچ کر اے تیغِ دو دم
دو گواہوں کے برابر ہے گواہی تیری

بو نہیں رنگ نہیں نور نہیں نار نہیں
معرفت کیوں نہ ہو دشوار الٰہی تیری

واہ کس لطف سے پڑھتا ہے تو اے طفلِ نباب
مدح کرتا ہے ابو نصر فراہی تیری

جوشِ وحشت میں وہاں ہم جو کریں قلزمِ اشک
ابھی اے کوہ ہو چوٹی پہ ماہی تیری

تیری نظارہ سے بڑھتی ہے بصارت اے زلف
سرمہ بنجاتی ہے آنکھوں میں سیاہی تیری

مشقِ فریاد دلا حشر میں کام آئیگی
کہ رکیگی نہ زباں وقت گواہی تیری

دھیان ان کو نہیں تیرا قطرۂ زلفِ سیاہ
شب کو بھی آکے دباتی ہے سیاہی تیری

تو سفینہ ہے زمانہ ہے سفینہ میں امیر
سارے عالم کی تباہی ہے تباہی تیری

۱۵

لذت جو ملی مرے لہو کی
خنجر نے بلائیں لیں گلو کی

آنکھیں دمِ قہر جنگجو کی
تیغیں ہیں بھری ہوئی لہو کی

کی دلشکنی نہ تندخو کی
سختی پہ بھی نرم گفتگو کی

موسیٰ سے کہو کہ چپ ہیں اب — باری ہے ہماری گفتگو کی

روئے مری قبر پہ وہ آکر — ہم خاک ہوئے تو آبرو کی

منہ اپنا نہ آرسی میں دیکھو — سنبھلے گی نہ چوٹ روبرو کی

کی جس پہ نگاہ تجھ کو دیکھا — اب تک تو نظر کہیں نہ چوکی

چند دیر و حرم کہاں میں جاؤں — راہیں تو یہی ہیں جستجو کی

جائیگا جنوں نہ سر سے بے فصد — ہو فصد مری رگ گلو کی

ساقی نے سنگھائی غش میں مٹی — سوندھی سوندھی مجھے سبو کی

تن ہی غم زلف میں یہ لاغر — ہر عضو بدن گرہ ہے مو کی

تھا چار طرف اسی کا جلوہ — کیوں نعش ہماری قبلہ رو کی

پلکیں دم جوش خوں فشانی — دھاریں نظر آتی ہیں لہو کی

اس رخ کو میں آئینہ کہوں کیا — ہے یہ تو مثال روبرو کی

وہ مست ازل ہوں ساقیا میں — مٹی ہے خمیر میں سبو کی

دل ہی نہ رہا امید کیسی — جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی

اب کیوں ہیں کلیم عشق میں خاموش — پہلے نہ سنبھل کے گفتگو کی

لا کہہ کے دہن کو ہم ہوئے نیست — دو حرف میں ختم گفتگو کی

کیسی ارنی کہاں کے موسیٰ — خود دید کی اپنی آرزو کی

تھا پردہ ظاہری جو منظور — آواز بدل کے گفتگو کی

کلفت نہ مٹی امیر دل سے — اشکوں نے ہزار شست و شو کی

قصائد سودا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ در نعت حضرت سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

ہنر پیدا کر اوّل ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر وگرنہ ننگ عریانی

فراہم زر کا کرنا باعث اندوہ دل ہووے
نہیں کچھ جمع سے غنچہ کو حاصل جز پریشانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کی
نہ جھاڑے آستین کہکشاں شاہوں کی پیشانی

عروج دست ہمت کو نہیں ہے قدر بیش و کم
سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زر افشانی

کرے ہے کلفت ایام ضائع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاتی ہے پہچانی

اکیلا ہو کے رہ دنیا میں گر چاہے بہت جینا
ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمر خضر طولانی

اذیت وصل میں دونی جدائی سے ہو عاشق کو
بہت رہتا ہے نالاں فصل گل میں زاغ بستانی

موقر جان ارباب ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ یا جوہر اسے عزت ہے عریانی

برنگ کوہ رہ خاموش حرف نا ہنر اسنکر
کہ تا ید گو صدائے غیب سے کھینچے پشیمانی

یہ روشن ہے برنگ شمع ربط باد و آتش سے
موافق گر نہ ہووے دوست ہے وہ دشمن جانی

نہیں غیر از ہوا کوئی ترقی بخش آتش کا
نفس جبتک ہے داغ دل سے فرصت کیونکہ ہو یانی

کرے ہے دہر زینت ظالموں پر تیرہ روزی کو
کہ زیب ترک چشم یار سرمہ سے ہے صفاہانی

طلوع مہر ہو پامال حسرت آسماں اوپر

لکھوں گا پھر غزل گر اس زمیں میں مطلع ثانی
عجب ناداں ہیں جن کو ہے عجب یہ تاج سلطانی
فلک بالِ ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی
نہیں معلوم ان نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا
کہ چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی
ہماری آہ دل تیرا نہ نرماوے تو یا قسمت
وگرنہ دیکھ آئینہ کو پتھر ہو گئے پانی
تری زلفوں سے اپنی روسیاہی کہہ نہیں سکتا
کہ ہے جمعیتِ خاطر مجھے ان کی پریشانی
زمانہ میں نہیں کھلتا ہے کار بستہ حیراں ہوں
گرہ غنچہ کی کھولے ہے صبا کیونکہ بآسانی
جنوں کے ہاتھ سے سر تا قدم کا دیدہ تنہا ہوں
کہ اعضا دیدۂ زنجیر کی کرتے ہیں مژگانی
نہ رکھا جگ میں رسم دوستی اندوہ روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربط پیشانی
سیہ بختی میں اے سودا نہیں طول امل لازم
نمط خامہ کی سر کٹوا ئے گی ایسی زباں دانی
سمجھ اے نا قباحت فہم کب تک یہ بیاں ہوگا
ادائی چین پیشانی و لطف زلف طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے ان سے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

نظر رکھنے سے حاصل اُن کی چشم و زلف کے اوپر
مگر بیمار ہووے صعب یا کھینچے پریشانی

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیف مسلمانی

نہ ہے دینِ محمدؐ پیروی میں اس کی جو ہووے
رہے خاکِ قدم سے اس کی چشم عرش نورانی

ملک سجدہ نہ کرتے آدمِ خاکی کو گر اُس کے
امانت دار نورِ احمدی ہوتی نہ پیشانی

اسی کو آدم و حوا کی خلقت سے کیا پیدا
مراد الفاظ سے معنی ہیں تا آیاتِ قرآنی

خیالِ خلق اس کا گر شفیع کا فراں ہووے
رکھیں بخشش کے سر منت یہودی اور نصرانی

زباں پہ اس کے گذرے حرف جیسا گہ شفاعت کا
کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی

رکھا جب سے قدم مسند پر آن نے شریعت کا
کرے ہے موجِ بحرِ معدلت تب سے یہ طغیانی

رکھا نقصان پہ جس کے شر رکا ٹک ارادہ ہو

گرہ کو آگ کے دو ہیں کرے غرق آن کر پانی
موافق گر نہ کرتا عدل اس کا آب و آتش کو
تو کوئی سنگ سے بندھتے تھے شکل لعل رمانی
یہ کیا انصاف ہے یارو کہ طیر و وحش تک جگ میں
اس امن و عیش سے اپنی بسر اوقات لیجاتی
پلے ہے آشیاں میں باز کے بچہ کبوتر کا
شباں سنتے گرگ کو گلہ کی سونپی ہے نگہبانی
ہما آسا ہے پروانہ ملخ اوج سعادت پہ
کرے ہے مور چڑھ کر سینہ دو پر سلیمانی
کھلے ہے غنچۂ گل باغ میں خاطر سے بلبل کے
جواب اور اق جمعیت کو ہوتی ہے پریشانی
جہاں انصاف سے ہر گاہ اب معمور ہے اتنا
تو اس کے آگے ہوگی عدل کی کیا کچھ فراوانی
ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں
وگرنہ کرتیں یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی
نہ ہونے سے جدا سایہ کے اس قامت کے پیدا ہو
قیامت ہو ویگا دیکھ پ وہ محبوب سبحانی
جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق ذکی ہووے
بجا ہے کہتے ایسے کو اگر اب یوسف ثانی

معاذ اللہ یہ کیا حرف بے موقع ہوا سرزد
جو اس کو پھر کہوں کچھ تو ہوں مردود مسلمانی

کدھر اب فہم ناقص لے گیا مجھ کو نہ یہ سمجھا
کہ وہ مظہر الوہیت ہے یہ ہے ماہ کنعانی

جو صورت اس کی ہے لاریب وہ ہی صورت ایزد
جو معنی اس میں ہیں بیشک وہ ہیں معنی ربانی

حدیث من رانی دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اس کو ان نے دیکھی شکل یزدانی

غرض مشکل نہیں ہوتی کہ پیدا کر کے ایسے کو
خدا گر یہ نہ فرماتا نہیں کوئی مرا ثانی

بس آگے مت چل اے سودا میں دیکھا فہم کو تیری
کہ استغفار اس منہ سے اب ایسی کی ثنا خوانی

— ۲ —

در منقبت امیر المومنین اسد اللہ الغالب علی ابن ابیطالب صلوٰۃ اللہ علیہ

اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل
تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستاصل

سجدۂ شکر میں ہے شاخ ثمردار ہر ایک
دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عز و جل

قوت نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض
ڈال سے پات تلک پھول سے لیکر تا پھل

واسطے خلعت نوروز کے ہر باغ کی بیچ
آپ جو قطع لگے کرنے روش گر مخمل

بخشتی ہے گل نورستہ کی رنگ آمیزی
پوشش چھینٹ قلمکار بہر دشت و جبل

عکس گلبن یہ زمیں پر ہے کہ جس کے آگے
کار نقاشیِ مانی ہے دوم وہ اول

تار بارش میں پروتے ہیں گہرہائے تگرگ
ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل

بار سے آب رواں عکس ہجوم گل کے
لوٹتا ہے سبزہ پہ از بسکہ ہوا ہے بیکل

شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہنچی ہے
شمع ساں گرمی نظارہ سے جاتی ہے پگھل

جوشش روئیدگی خاک سے کچھ دور نہیں
شاخ میں گاو زمیں کے جو ہے پھوٹے کونپل

دم عیسیٰ سے فزوں فیض ہوا ہے یاں تک
دیں ہیں قیمہ جمادات سے شاید ہو خلل

فکر رہتی ہے مجھے یہ کہ زباں سے اپنے
کہیں دعویٰ خدائی نہ کریں لات و ہبل

حد ایام کی بیش از مدد نامیہ سے
بچہ مرغ چمن تخم سے آتا ہے نکل

سبز ہوتا ہے فصیحی کے سبب سے ہر بار
جو زباں سے سخن اب طوطی کی آتی ہے نکل

دست گلچیں گل خوردہ و شاخ گل و گلزار بہم
یہ جہاں نشو و نما کرنے میں ہیں ضرب مثل

غنچہ پہ کچھ نہیں موقوف عجب فصل ہے یہ
گل بہم پہنچے ہے عقدہ ہو کسی طرح کا حل

آوے ہے ان کی نظر لاکھ طرح کا وہ پھول
ان گلوں چھینٹ جو رنگ کے ہیں بسکہ مستعمل

یاسمن رنگ جو رکھتی ہے خزاں سے ماتا
چاہتی ہے اسے جب تک کری سبزہ سے بدل

چشم نرگس کی بصارت کی رہتی ہے درپے
غنچۂ لالہ سرمہ سے بھری ہے مکحل

اس قدر محو تماشہ ہے کہ نرگس کی طرح
چشم سیار گلستاں میں جھپکتی نہیں پل

آنچ جو گرد چمن لمعۂ خورشید سے ہے — خط گلزار کے صفحہ پہ طلائی جدول

سایۂ برگ سے اس لطف سے ہر اک گل پر — ساغر لعل میں جوں کیجیے زمرد کو حل

سنگ نے رشتۂ آئینہ کیا ہے پیدا — تیغ کہسار ہوئی بسکہ ہوا سے صیقل

برگ برگ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے — گل کو دیکھو تو نگہ جا رہے سنبل پہ پھسل

لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیاباں میں نسیم — پاؤں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کے سنبھل

اتنی ہے کثرت لغزش بہ زمین ہر باغ — جو ثمر شاخ سے اترا سو گرا سر کے بل

فیض تاثیر ہوا یہ ہے کہ اب حنظل سے — شہد ٹپکے جو لگے نشتر زنبور عسل

دانہ جس شور زمیں سے نہ پھلا دہقاں سے — سبز واں دانۂ شبنم سے ہوا ہے جنگل

گشت کرتے ہیں ہر اک تخم سے از فیض ہوا — گرتے گرتے بہ زمیں برگ و بر آتا ہے نکل

سبز فام ان دنوں آتا ہے نظر ہر گلرو — خواہ ہو شیخ پسر خواہ ہو فرزند مغل

جوہری کو چمنستان جہاں میں اس فصل — آ گیا لعل و زمرد کے پرکھنے میں خلل

تا کجا شرح کروں میں کہ بقول عرفی — اخگر از فیض ہوا سبز شود در منقل

نسبت اس فصل کو پر کیا ہے سخن سے میرے — ہے فضا اس کے تو دو چار ہی دن میں فیصل

اور میرا سخن آفاق میں تا یوم قیام — رہیگا سبز بہر مجمع و ہر یک دنگل

تا ابد طرز سخن کی ہے مرے رنگینی — جلوۂ رنگ چمن جائیگا اک آن میں ڈھل

نام تلخی نہیں مجھ نطق میں جز شیرینی — اک طرف نار گلستاں میں ہے یک سو حنظل

ہیں بر و مند سخنور مرے ہر مصرعہ سے — مصرعۂ سرو سے پایا ہے کسی نے بھی پھل

ہو چکا کج شعرا کا مرے آگے سرسبز — نہ قصیدہ نہ مخمس نہ رباعی نہ غزل

ہے مجھے فیض سخن اس کی ہی مداحی کا — ذات پر جس کے مبرہن کنہ عز و جل

مہر سے جسکے منور ہوا دل جوں خورشید　　رو سیہ کینے سے جسکے رہے مانند زحل
بغض جس کا کرے ہے مور سلیماں کو ضعیف　　مور کو جب سے ملے جس کے بلوں کا سائل
جائے وصلت پہ ہی جسکو نہ تھے غیر از عرش　　فرش گلزار زمیں حق نے سمجھ مستعمل
شیر یزداں شہ مرداں علی عالی قدر　　وصی ختم رسل اور امام اول
خاک نعلین کی جسکی مدد طالع سے　　پہنچے اس نحس کو جو شخص ہوا اعمائے ازل
وہ نظر آئے اسے دہر کی بینائی سے　　رہ گیا اور رہیگا جو ابد تک اوجھل
مدح غائب سے کھلے اسکے نہ مداح کا دل　　روبرو مطلع ثانی سے یہ ہو عقدہ حل
دیدہ تیرا مددئی حق سے نگہ کا ہے خلل　　ایک شے دو نظر آتی ہے بچشم احول
تیری قدرت ہے جہاں قدرت حق کی خاطر　　خلق کے وہم غلط کار میں ٹھہرے ہے مثل
مرضی حق تری مرضی سے ہے جوں جوہر فرد　　اس یقیں میں نہ گماں کر سکے زنہار خلل
علم تیرا نہیں کچھ علم خدا سے باہر　　ہے عمل بھی وہی تیرا جو خدا کا ہے عمل
رائے تیری کے موافق جو نہ لکھے نسخہ　　کرے تاثیر نہ عیسیٰ کا مداوا بہ کسل
سر کے پیکان تن قبضہ سے کماں کے سر مو　　ہوا اشارہ جو ترا تیر قضا کو کہ نہ چل
ٹک تری مرضی سے باہر جو کرے کام جہاں　　ہاتھ سے کام زمانہ کے وہیں جائے نکل
یعنی جب علت غائی جو نہ ہو تو ان کا　　خاتمہ ہر دو جہاں پھر ہو وہ بیت مہمل
سایہ میں دست کرم کے ترے ہر صبح و مسا　　دولت ہر دو جہاں سے ہو غنی عبد اقل
دین و دنیا کی ہے اشیا سے کہیں وہ اعلیٰ　　ہووے جو شے تری اشیا میں سے ہووے اسفل
جو گدا ہے بجہاں تیرے گدا ہے در کا　　اس کی درگاہ و گدا کہتے ہیں اہل دول
ایسی بخشش نہ ہوئی تجھ سے کہ جس کی شمار　　حد تعداد سے جنتی نہ ہوئی ہو فیصل

وصف تجھ تیغ دو سر کا میں کروں کیا شہ دیں — دل مجنوں کی جو میداں میں کرے ہے صیقل
اسکے قبضہ پہ جو ہو دست مبارک تیرا — نہ رہیں دین محمد کے سوا اور ملل
کھینچے اسے گر تو عدو پر کرے میداں میں نہیب — استقامت کا زمانہ کے قدم جائے نکل
عرض میں سے دو طرف ہو کے لگے بہنے طول — پڑے دریا میں جو وہ تفرقہ اندازدگل
جمع کب وہ سکیں اعدا کے حواس خمسہ — دیکھ کر اس کو علم ہاتھ میں تیرے یک پل
تو ام اجزا جو موالید کے ہیں یکدیگر — منجمد رہنے میں اُن کے وہیں آجائے خلل
نرم اور سخت مساوی ہے کسو پر آوے — خواہ بہر روئے قرو خواہ وہ پشت جبل
اس کو آسیب نہیں صورت شمشیر قضا — نہ جھڑے وہ نہ مرے وہ نہ پڑے اس میں بل
زیر ران ہے جو ترے رخش فلک سیر شہا — ہے وہ محبوب جسے کہتے نہایت اچپل
تشکل کیا اُس کی بتاؤں کہ جسے شوخی سے — دائرہ بیچ تصور سے نہیں پڑتی کل
اُسکی ہر جوڑی کا میں حسن کہوں کیا جس سے — زلف معشوق کا دیکھے سے نکلتا ہے بل
تند وہ کام سے باہر ہے کچھ اس کی رفتار — ہے چھلاوہ کی طرح چال میں اس کے چھلبل
یہ ہے وہ ہاتھ سے شاطر کے اگر ہو جاوے — پہنچ سکے پیچھے نہ اسکے کوئی جز اس کے کفل
جست و خیز اس کی بیاں کیجئے گر پیش حکیم — اعتقادات حکیمانہ میں آجائے خلل
قائل ہے زمیں کے ذرہ جو اچک جائے عناں — مارے جو ٹھوکر وہ زمیں پشت فلک کو وہ کھنڈل
تیغ سے نعل کے اسکے میں اگر دوں تشبیہ — کرے دوری کو تمام اپنے بیک آن زحل
اس کی جلدی کا تو کیا ذکر ہے سبحان اللہ — نسبت اُس کی فرس ایسا کہ جسے کہتے اجل
تو سن وہم کو دوڑائے جو ساتھ اُس کے تو ہو — بازگشت اس کا تمام اسکے یکگام اول
خانۂ زین کا بس اس کا ہے کم از بیت اللہ — تجھ سے معنی کی نشست اس میں ہو جیسے ازل

ہیبت عدل یہ تیری ہے کہ ہے شست میں شیر
واسطے درد سر آہو کے گھسے ہے صندل

سامنے بز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو منڈھوا کے بجا میں جو دہل

مور دِ سنگ ہو شیشہ تو غضب سے کر دے
کوہ کو ہر دو کفِ دست میں ملکر خردل

ذکر واذکا ترے حفظ کا گر آجاوے
کسی محفل میں تقریب سے یاں پر یک پل

شعلۂ شمع کی گرمی سے یقیں ہے دل پہ
شب سے تا صبح قیامت نہ سکے موم پگھل

معدلت کیش تری ذات ہے ایسی شاہا
آنچ سے آگ کی ٹک خس میں جو آجاوے بل

کرۂ نار تجھ آتش سے غضب کے جل کر
چشم لولی فلک کے لئے ہووے کاجل

مرغ زریں فلک عہد میں تیرے شاید
بوجھکر دانہ گیا ہے کسی اختر کو نگل

مارتا اُس کے جو یہ بال و پر آتے ہیں نظر
باز قدرت نے ترے پنجہ سے ڈالا ہے مسل

امر سے نہی کے تیرے بجہاں یا شہ دیں
کام پہنچا ہے مناہی کا کبھی یاں تک تبدل

کہ حیا سے جو چمن غنچہ سر اپنا کیا دخل
نسبت شکل صراحی سے اٹھادی یک پل

جب سے گل ہوتے بلبل نے قماری کو سُنا
عشق گل سے ہے دعویٰ کرتی ہے دل سے بلبل

جوش میں آئے یہ کیا معنی کہ خم لاتے شراب
چشمہ سے بیچ ڈروں ہوں نہ سکے آپ ابل

رقص بیدخل کیجائے وہ مگر زمیں پہ ہی ہیں
بچھے لولوہی فلک کے کبھی نہ باجے منڈل

کیونکہ آواز مغنی ہو گلے سے باہر
شرم سے ساز کے پردوں میں سدا ہے اوجھل

امر حق سے جو ملائک نے یہ چاہا سو نہیں
علم کا بار ترے کوہ و فلک کو یہ ازل

عرض دونوں نے کیا یوں بجناب اقدس
بوجھ اس میں ہے بہت ہم ہیں گرفتار کسل

آخرش تجھ کو ہی پایا متحمل اس کا
جب یہ دیکھا کہ کسی سے نہیں سکتا ہے سنبھل

دشت ارزاں میں جو غلماں کو ملی تجھ سے نجات
کچھ ترے وصف سے نسبت نہیں رکھتا یہ عمل

گر اسے کرکے بیاں سمجھوں ثنا کی میں نے — خلق سمجھیگی دماغ اس کا ہوا ہے مختل
جبہ سا کوئی بھی در کا اسد اللہ کی ہے — کلۂ شیر کو روبہ کے نہ سمجھے پشکل
مجرم گنہ جو تیرا ہو کہے تیری مدح — سو تو جز علم خدا علم ہے سب کا مہمل
وصف تیری کی ہے شایاں نہ یاں تیری ہے — سمجھے تو آپ کو یا تجھ کو خداوند اجل
مدح اپنی نہ سمجھ یہ جو کہا میں اس سے — رتبہ تجھ مدح کا اعلیٰ ہے سخن ہے اسفل
عرض احوال ہے اپنا ہی مجھے اس سے غرض — تا بہ آخر جو یہ موزوں میں کیا از اوّل
سو تو وہ کیا ہے رہا ہووے جو تجھ سے مخفی — سادہ لوحی پہ مری کیجیے یہ نظم حمل
سب کا احوال ترا پیش ضمیر روشن — ایک سے دونوں ہیں کیا ماضی کیا مستقبل
پر کہوں کیا میں کہ ہے آٹھ پہر دل میرا — گردش چرخ سے جوں شیشۂ ساعت بیکل
نہ تو روزانہ مجھے اس سے خورش کا آرام — نہ مری چشم میں خواب اس سے شبانہ یک پل
کہی جاتے نہیں وہ مجھ سے جو اس ظالم نے — جس طرح سے مرے اوقات میں ڈالی ہیں خلل
لا بٹھایا مجھے گھر بار چھڑا لشکر میں — پال ہے چوب تلے اپنے بغیر از بیر تل
اس ستمگار سے جب زور مرا کچھ نہ چلا — تب میں ناچار کہی شکوہ میں اس کے غزل
داد کو کس کی فلک پہنچے کہ از روز ازل — صبح کو نکلے ہے خورشید تو لیکر مشعل
سامنے اسکے اٹھے دست تظلم اس کا — جوہر عقل میں جس شخص کے آجائے خلل
خود یہ ظالم ہے تظلم یہ کرے کس کے نظر — آسیا کب کرے فریاد یہ دانہ کو مہل
راست کیشوں سے کجی آتی ہے اس ملعون تو — کر دیا سرو کو ان نے نہ کبھی پھول نہ پھل
سات یہ فتنے ہیں کہتے ہیں جسے ہفت فلک — ایک سے ایک بڑا ایک کے اک زیر بغل
میں جو دیکھا نہ کہ از نخل حیات انساں — بر لے آوے یہ عمل اس کا کبھو امید و امل

ہے کہیں مہر کہیں کین اسے عالم سے — علم اس کا ہے عجیب عقدۂ مالا ینحل

اس ستمگر کے تلون سے یہ عالم ہرگز — شادی و غم میں نہ دیکھا ہے تفاوت اک پل

سینہ کوٹے ہے نکلتے ہی وہ دروازہ پہ — گر کسی گھر میں کوئی جا کے بجاتا ہے دہل

حلقہ مارے یہ وہ افعی ہے محیط عالم — زہر کا جس کے نہیں ہے کوئی پازہر بدل

فی الحقیقت ہیں یہ سب آبلہ اختر نہ سمجھ — اس کے اندام پہ پھٹنا ہے سے لے تا بہ زحل

زہر اپنے کو جو میت سے ترے یا حیدر — آپ پیتا ہی گیا ہے بدن اس کا سب جل

کر کے دریافت اس احوال کو اب یا مولیٰ — تجھ سے یوں عرض کرے ہے یہ ترا عبد اقل

یہ نہ کر کچھ یہ گوارا کہ گزند اس کے سے — ہند کی خاک میں اجزائے بدن جاویں گل

جلد پہنچا تو زمین نجف اس عاصی کو — کہ اسے عمر ابد ہے وہ جو واں آتے اجل

یاں معاش اپنی نہ سمجھو ہوں نہ میں اپنی معاد — یا خدو جہ میں ہوں بد نیک سے با مکر و دغل

تجھ سے جز دوستی کیا عرض کیا جاتا ہے — علم میرا ہے یہ علم اور عمل ہے یہ عمل

مجھ کو کچھ عذر نہیں اس میں نہ ہوں میں فلام — خواہ تعزیر کر اب اس پہ مجھے خواہ ہہل

مدعا اتنے عرائض کا مرے ہے یہ غرض — سر فرو ہو نہ مرا یاں بدر اہل دول

میری قسمت کے موافق تو معین کر دے — اپنی سرکار سے واں تا تحلیل کا بدل

ہاتھ پھیلاتے ہیں جا زیر فلک کس کے حضور — دست ہمت نظر آتا ہے جہاں کا بغل

لیکن اس امر میں ہے حق بطرف خلقت کے — کر کے جب بذل بدہ قسمت کے سبھوں کی او محل

جوہر جود و کرم تھا جو بزور تقسیم — لکھ گیا ہووے ترے نام سے منشی ازل

طاقت طول سخن آگے نہیں تک سودا کے — بخش اے قوت بازوی نبی مرسل

چاہتا ہے کہ کرے آخر دعا تیرے پہ — نظم تجھ طرح کی بہتر ز کلام اول

برگ پیدا آہرے تا باغ میں ہر ایک نہال
پھوٹے تا نامیہ سے شاخِ شجر میں کوپل

تا ملے خلعتِ نوروز بہ بستانِ جہاں
پاوے تا نیرِ اعظم شرف از برجِ حمل

خوشہ روئیدگی خاک سے تا پہنچے بہم
دانہ کو جب تیں کھینچا کرے نزرِ سنبل

تا کرے سبزہ برخسارِ گل اندام نمود
تا پڑے سنبلِ پیچیدہ محبوب میں بل

تا رہے داغ دلِ سوختہ عاشق کوں
پھولتا لالۂ خود رو رہے جب تک جنگل

بحر میں قطرۂ نیساں سے ہو جب تک گوہر
کڑکے تا وقتِ ترشح کے ہوا میں بادل

لبِ معشوق کو تا شہرہ دیں شاعر بہ شفا
چشمِ نرگس کے تئیں تا کریں نسبت بہ کسل

بوئے گل مست کرے باغ میں تا بلبل کو
تا کرے بادِ سحر عقدے کو غنچہ کے حل

موجِ ہوا سے کیے تا سرو کے پا تیں زنجیر
جب تلک طوق رہے گردنِ قمری کا محل

تا لبِ جو پہ کرے خیمہ کو استادہ حباب
تا بچھاوے بروش سبزۂ فرشِ مخمل

شاخ کے ہاتھ میں تا ہو چمن ساغرِ گل
گل تے جب تک رہے غنچہ کی صراحی بہ بغل

تا بہ میخانہ تئیں بادۂ گلگوں سے خوار
ساتھ مطرب کے بجے تا دف و نے چنگ و دہل

پھرے تا باغ میں ہر ایک روش پر سرِ خوش
راہ چلنے میں قدم مست کا آتا ہے پھسل

مہ کے پرتو سے ہو تا چاک گریباں کتاں
گل سے خورشید سے عشق رکھے دل نہ کنول

قدر ہو عود کی تا مجمر و آتش سے فزوں
لطف ہوتا رہے عالم میں بہ بوئے صندل

تا مسمی رہے یہ نظم بہ بابِ تہنیت
جب تلک اس سے برآوے مری امید اول

نخلِ امید سے اپنے ہوں برومند محب
ہو محبت نہ تری جس کو نہ پاوے وہ پھل

قصیدہ در تہنیت شاہ جم جاہ خسرو فلک بارگاہ عالی گوہر محمد شاہ عالم بہادر پادشاہ غازی

ہے اشتہار تجھ سے مرا اے فلک جناب
رخشندگی ذرہ ہے از فیض آفتاب

یک تخم ہوں میں خاک نشین زمین شور
نشو و نما دے مجھ کو کرم کا ترے سحاب

ہے یہ جہاں میں وہ در دولت سرا کہ یاں
ناکام مجھ سا آن کے ہوتا ہے کامیاب

قطرہ تجھ ابر فیض سے پہونچے جو سوئے بحر
جاوے رگڑ نے چرخ کو موجِ دُرِ خوش آب

دریا کو سیر کشتی سے تیرے ہو یہ شرف
لاوے عجب نہیں جو ہما بیضۂ حباب

روشن دلوں کو گر نہ ہو مسجود در ترا
رکھے نشانِ سجدہ جبیں پہ نہ ماہ تاب

معراج وہ نبی کی جو ہو عرش کے پرے

معراجِ امت اس میں جو اس جا ہو باریاب
یہ عدل ہے ترا کہ قوی کہ ضعیف پہ
کرنے سے اب تعدی کے اتنا ہے اجتناب
کنجشک کے چلے نہ وہ تیر آشیاں تلک
پر گیری میں لگاتے تھے جس کے پر عقاب
پہنچا نہ تیرے عہد مبارک میں ایک روز
از دستِ محتسب کوئی تا پاتے احتساب
ہیبت سے کانپتی ہے مناہی اب اس قدر
ہو جاتے کیا عجب عرقِ بید گر شراب
سامانِ تیرہ روزی ہے بہر سرِ عدو
تیری وہ تیغ قبضہ ہو جس کا سیاہ تاب
کیا تاب ہے عدو کی جو ٹھہرے ترے حضور
سن کر نہیب قہر کو تیرے گہ عتاب
ہر سیت پرت کوہ کا یوں اڑ چلے کہ جوں
کھل جاوے بادِ تند سے شیرازۂ کتاب
جز ماہِ نو قرینہ نہیں تجھ کمان کا
ترکش کا چھٹ خطوطِ شعاعی نہیں جواب
اس رخشِ برق وش کی ترے وصف میں شہا
میں نے کیا ہے مطلعِ روشن یہ انتخاب

رانوں میں اُس کو صورتِ سیماب اضطراب
چالاک تر خیال سے اور وہم سے شتاب

گلگوں بھی اس کو کہتے تو ہے یہ سخن بجا
آتی ہے باس جس کے عرق سے یہ از گلاب

ٹک رہ عناں کشیدہ تو اس پہ گہ خرام
ہے آرزو صبا کو کہ بوسے دے بر رکاب

بخشی جو تجھ کو حق نے جوانی میں سلطنت
شیبِ زمانہ کو یہ ہوئی خواہش شباب

نزدیک شام کچھ یہ شفق پھولتی نہیں
کرتا ہے چرخِ پیر حنا باندھ کر خضاب

اس بارگہ کو کیوں نہ فلک مرتبت کہوں
جس کی بلندی کا وکشاں سے بھی ہو طناب

اُستاد ہونے میں ہے یہ کچھ اس کی عظم و شان
اٹھتا ہے جس طرح شفقی رنگ ہو سحاب

رفعت ہر ایک چوب کی بر تر خیال سے
کولی میں قطرہ وہم کے آوے یہ کیا حساب

خوبی میں بادریوں کی اس کے ہیں ہو کیا
جوں معجزہ نبی سے ہو دو حصہ ماہتاب

اس اس روش کی قالین گلگوں ہے اس میں فرش

دیکھی نہ ہوگی موسم گل نے جسے بخواب

بسجِ حمل کی طرح سے ہے اُس کے بیچ تخت
تو اس میں یوں شرف کے ہوں جوں گھر میں آفتاب

سودا کرے ہے ختم دعائیہ پہ سخن
اس جا نہیں طول سخن مقتضائے داب

اُس تخت پہ بہ مسندِ اقبال بیٹھ کر
کرتا رہے ہے نوشا دیِ نو روز ای جناب

۱۴

قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک عماد الدولہ مدار المہام آصف جاہ نظام الملک بہادر

لکھے ہے کاتبِ دوراں سے منشیِ تقدیر
سمجھ کے دفترِ قسمت کیا کر اب تحریر

یہ روز و شب تو بنائیگا تا کجا اس طرح
کہ جام مہر میں آتش ہے مہ کو کاشتہ شیر

گمان و عہد نہ کر اب تو بحر دنیا سے
گہر نکالے تو عریاں حباب پہنے حریر

رہائی اس میں ہے تیری کہ کاغذ سابق
درست کرے عطارد کو کرکے اپنا مشیر

وہ سلطنت کہ نمونہ جسے خدائی کا
کہیں ہیں شرق سے تا غرب شہر صغر و کبیر

سنا نہیں ہے کہ غازیِ دیں عماد الملک
جو میر منشی تھا واں کا وہ اب ہوا ہے وزیر

اگر طلب کرے کاغذ وہ تجھ سے اے نادان — تو کر سکیگا پھر اسوقت اس کی کچھ تدبیر
دیا جواب یہ ان نے کہ میرے کاغذ میں — حضور اُس کے کسی وجہ کی جو ہو تقریر
یقین ہے خامۂ دست کرم سے اُس کے مجھے — سوائے عفو مرے حق میں کچھ نہ ہو تحریر
مری خطا بھی ہے کچھ چیز اس کی ہمت پاس — ہر اک لحظہ جو بخشا کرے ہے گنج خطیر
گہر فشاں ہے صدا دست فیض کا اس کے — تگرگ بار نہ جس کے ابر عشر عشیر
غنی ہوا ہے یہ اس کے کرم سے ہر محتاج — کہ فرق ہو نہیں سکتا باہم امیر و فقیر
تمیز کیا کہوں ایجاد کار کی اُس کے — کہ جس کے رمز کو پہنچے نہ آسماں کا دبیر
دو دام زلف بتاں سے کرے اُسے تنخواہ — جو مانگے فرقۂ عشاق سے کوئی جاگیر
بیاں میں کیا کروں جس کی شجاعت اب جسکو — یہ کہتے ہیں صف مرداں میں کیا جواں کیا پیر
عجب نہیں ہے کہ قالب تہی کرے مریخ — اگر وہ چرخ پہ چڑھتی سنے تری شمشیر
یرش کی اس کے جو وحشت نہ ہو زمانہ کو — تو ہووے رنگ نہ اس کا ہر ایک دم تغیر
جہاں کے باغ میں نقاش تیرے گلگوں کے — جو چاہیں شکل بناویں تو کیا کریں تدبیر
کہا مصور باد بہار نے جس کو — اگر قیاس میں ٹھہرے تو کھینچیے تصویر
نہ دوں گا اُس کو میں تشبیہ برق و آتش سے — ترے حضور کروں جست و خیز کی تقریر
نہیں ہے مرکز خاکی پہ اس کے جلدی کا — بجز طبیعت معشوق کچھ عدیل و نظیر
رکھا کرے ہے سدا اس کے گرد جولانگاہ — دماغ آہوئے تاتار پر ز بوئے عبیر
تری رکاب کے بوسہ کی آرزو تھی وے — نہ آیا اپنے تئیں ماہ تو سمجھ کے حقیر
تنا ہیں صفحۂ کاغذ پہ تیرے ہاتھی کی — قلم کو ہاتھ میں لے کیا بیاں کروں تحریر
صف عدو کے لئے رزم میں ہے روز سیاہ — ہے شمع بزم محباں کے واسطے شب قیر

بجا ہے گر کہوں اس کو اندھیری ساون کی
چونی ہے مستی سے اس طرح جوں سحاب مطیر

نکال پا کے صدا اس کی جو سنے سو کہے
سیاہ خیمۂ لیلی میں قیس ہے زنجیر

برہمن اس کو تو گنیش دیوتا بوے
کہیں ہیں شیخ ہوا کعبہ رواں تعمیر

غرض ہے بات علی قدر فہم انساں کے
چنانچہ مجھ سے جو پوچھو تو یوں کروں تقریر

زمیں کی چھاتی کو دلا ہے آسیا ہی نے
زبان خلق اسے کچھ کیا کرو تعبیر

مال پہ بھی اس گفتگو سے ہے سب کا
جہاں تک اس کے ہیں محتاج یہ صغیر و کبیر

کہ جس دن اس پہ عماری تو باندھ کر ہو سوار
تو گویا برج حمل میں ہے آفتاب منیر

بیاں میں کیا کروں سامان تیرے لشکر کا
کرے ہے کوچ کسی سمت جب وہ جمع کثیر

گماں میں خلق کے آتا ہے دیکھ کر یہ نگاہ
زمیں پہ ابر یہ چھایا ہے یا چلی ہے بہیر

ستم جہاں سے ترا عدل یوں کرے معدوم
کہ جیسے خاصۂ تریاق زہر کی تاثیر

یہ پرورش ہے جہاں کی تری عدالت سے
کہ شیر کا بچہ گوسپند سے ہے ہم شیر

جو کھینچے یاد میں تجھ خلق کے چمن نقاش
تو بو مشام میں عالم کے دے گل تصویر

نہیب قہر ترا ہو جو بحر و بر اوپر
جگر نہنگ کا تیرے ہو آب زہرۂ شیر

وہ کنہ کونسی ہے پردۂ عدم کے بیچ
کہ تیرا مدرکہ اس کا ہوا نہ ہووے مشیر

مدبری کی تری کیا ثنا کرے کوئی
کہ جس کے حق میں یہ مطلع ہے مثل مہر منیر

نہیں ہے معجزۂ عیسی سے کم تری تدبیر
کیا ہے زندہ سر نو سے جنے عالمگیر

رواج دین نبی کا یہ عہد میں تیرے
کہ شکل انس پہ عائد نہ ہووے اک تکفیر

شکست دی ہے بتوں کو جو سومنات کے بیچ
صدا جرس سے نکلتی ہے کیا ہے وہ تکبیر

اگرچہ فتح دکن بیچ جا کے اکبر نے
لیا ہے بھاگ نگر اور قلعۂ آسیر

عزیمت اسم کو تیرے اگر پڑھے کوئی — کرے وہ ہند میں بیٹھا ستاروں کو تسخیر
جو تیری ذات سے ہر نیک بد نے اپنا کام — کیا درست سو اس کو میں کیا کروں تقریر
کہ جیسے اہل مذاہب نے جلد قرآں سے — لکھی ہر ایک نے اپنے طریق پہ تفسیر
غرض نہ خلق ہو دنیا میں آدمی تجھ سا — کریں جو خاک کو تو دم میں لاکھ بار خمیر
پر اس طرح کہ بشر کی کوئی ثنا تجھ سا — اگر کرے تو وہ ہوتا ہے واجب التعزیر
اگرچہ میں یہ قصیدہ کہا تو ہے لیکن — تری ثنا کی منفعت ہو یہ زباں تقصیر
کرے ہے عرض یہ سودا ہمیشہ عالم کا — رہے تو کارکشا اے امیر ابن امیر
گرہ جو کام میں اعدا کے تیری ہے اس میں — پڑے ہزار گرہ شکل دانۂ انجیر

۵

در مدح نواب وزیر الممالک جلال الدین حیدر شجاع الدولہ بہادر ہزبر جنگ و در فتح کردن بحافظ رحمت خاں

آیا عمل میں تیغ سے تیرے وہ کارزار
دیکھا جسے نہ ترک فلک نے بروزگار
بے سر ہوئے ہیں آج یہ سرکش کہ کمہال

خاک ان کی پر ہو تو نہ ثمر لاوے شاخسار

ہر جنگ اس طرح کی نہ کھاتے کہ تا بہ حشر
مدفوں ہوں جس زمیں پہ تو ان اٹھ سکے غبار

آتش غضب کی تو نے یہ ان کی فسردہ نے
تن میں نہیں ہے قطرۂ خوں صورت شرار

نام اس کا تیری تیغ نے معدوم یہ کیا
نہ عف کرے ہے سگ نہ ہے خان زاغ کو ہما

اک خم تھا دل انھوں کا پر از بادۂ غرور
میں اس میں کر دیا نمک تیغ آبدار

تھا عزم یہ ہر ایک کا گاویں گے بیٹھے ہم
تانوں کو کھینچ کھینچ کے قلقاری مار مار

آئے تھے وہ چنانچہ اسی طرح روز جنگ
پایا تھا جوں دلوں میں خیال ان کے ذی قرار

گاتے بجاتے ناچتے اور کودتے ہوئے
سایہ میں جھنڈیوں کے صفیں باندھ بیشمار

وہ جھنڈیاں نظر پڑیں اک دم میں اس طرح
گاذر بچھاویں پارچہ جوں نہر کے کنار

پر حق بجانب ان کے ہی تھا کچھ اس امر میں
تیرے دلاوروں کا نہ دیکھا تھا کارزار

جو غول تیرے سامنے آیا تو سمجھے یہ
اک کھیت روبرو ہے ہمارے پیادہ خیار
جیسی کہ اس گروہ نے پی تھی شراب کبر
کھینچا ہے اس کے نشہ نے ویسا ہی کچھ خمار
اسباب پر حریف کے آپس میں لگتے داؤں
لشکر میں اپنے بیٹھ کے جب کھیلتے قمار
ناحق شناس قوم یہ تھی غرہ اس قدر
غارت پہ ہر نبرد کے لیتے تھے سب ادھار
لیکن خدا کے فضل سے یاں ناگرفتہ قرض
جو لائے تھے سو دے گئے رکھا نہ ایک تار
شمشیر و دست و بازو کے ہیں یہ بہت بلی
اتنا تو حرف حق سے گذرتا نہیں شعار
پر وہ جو ہیں غلام اس جناب کے
آگے قدم انھوں کے نہیں ان کا استوار
جرات میں ان کی حرف نہیں پر یہ کیا کریں
صحبت تہ دل سے ان کی نہ ہو رنے کی بہ ار
ان میں سے اس غلام کے تھے اکثر آشنا
میں نے کہا انھوں سے کہ تم جیسے جانگذار
یک قوم و یک برادری و یک گروہ

ہو سامنے حریف کے بے حد و بے شمار
محافظ کی لاش ڈال گئے معرکہ میں تم
فتح و شکست مردوں کو ہے یہ اضطرار
ان میں سے ایک نے بدم سرد یہ کہا
خواہش خدا کی یوں ہے نہ تھا اپنا اختیار

لیکن جو کچھ کہ واقعی دیکھا سو ہم کہیں
آوے سمجھ سخن کا ہمارے گر اعتبار
تھی سامنے ہماری جو فوج ہمراہ ولی
ہوں گے وہ دس ہزار تلک پیادہ و سوار
سنتے ہیں اب ہر ایک سے اس فوج کے بیچ
سرکردہ تھے سمیت فرنگی کے پانچ چار
محبوب اور سنت و لطافت تھے یک طرف
یک سو تھے میر سید علی مستعد کار
لیکن انھوں کو آدمی کہیے کہ دیو دو
ان کا قدم دغا میں یہ پایا ہم استوار
ادھر سے بان و رہکلہ و توپ متصل
چھٹتی تھی پہ وہ بڑھتے ہی آتے تھے سر گذار
بڑھ بڑھ کے آخرش وہ لگے توپیں داغنے
اس پلے پہ جہاں سے جرنال کی ہو وہ بے مار

لیکن میں تجھ سے کیا کہوں اے یار اس گھڑی
دکھلائی تھی اجل نے عجب طرح کی بہار
تھیں کرتیاں تلنگوں کی مانند لالہ زار
تھا دود توپ ابر سیاہ تگرگ بار
توپیں جو داغتے تھے فتیلوں سے آن آن
زنبورک مثال برق چمکتی تھی بار بار
گجنال مثل رعد کے کڑکے تھی دم بدم
آوازہ شتر نال تھی طاؤس کی جھنکار
باروت وگولہ توپ میں تھا یا وہ باد تھی
جن نے کہ قوم عاد اڑائی تھی جوں غبار
فرصت کسو نے اتنی نہ پائی کہ وہ کرے
بندوق وتیر و تیغ سے جا ان میں کارزار
ہر ایک جا ہی نظر آیا ہر ایک کو
گھوڑا ادھر جو تڑپے ہے ادھر پڑا سوار
اڑتے تھے یوں پیادے کہ تودہ کو روئی کے
نداف کا کمانچہ جوں دے ہے انتشار
تھے ہاتھیوں پہ بیٹھے جو حافظ کے ہم نشیں
ساتھ اس کے ہم پیالہ و باہم نوالہ خوار
وہ بھاگے اس طرح کہ یہ کہنی ان کو خلق

بھاگا وہ دیکھو جاتے ہے میداں سے کو بہا
نے لڑنے کے حواس تھے نہ بھاگنے کا ہوش
نے سوچ مرنے کا ہے نہ جینے کا کچھ بچار
باور ہی کیجیو اس کو تو اے یار اس گھڑی
آیا جو کچھ عمل میں نہ تھا اس میں اختیار
جیدھر کو اس کا منہ اُٹھا اودھر کو وہ چلا
سوجھے بغیر یہ کہ فلاں جا کروں قرار
ہو یہ غضب تو لاش کا حافظ کے ذکر کیا
بیٹا سسکتے چھوڑ کیا باپ نے فرار
حافظ کی لاش ہم سے نہ اُٹھی تو نزد فہم
جاگہ نہیں ہے طعن و تعرض کی ہم پہ یار
لازم نہ تھا اُسے کہ ہو ایسے کے سامنے
ہمت میں اور کرم میں جو ہے طاق روزگار
بے زر سے تا جواہر و از اسپ تا بہ فیل
جس کے ہمم کے آگے نہ رکھے کچھ اعتبار
نے رتبہ زر کو ہے نہ جواہر کو منزلت
نے قدر اسپ کی ہے نہ کچھ فیل کا وقار
خلعت کسی کو اسپ کسی کو کسی کو فیل
بخشے کسی کو لاکھ کسی کو دے ہزار

حافظ یہ چاہے عہدہ سے اس کے بر آ سکیں
پیادے کو دیکے تین روپے نو روپے سوار
کیا کیا کروں میں اس کی شجاعت کا اب بیاں
ہمت کا اس کی کیا کروں اظہار بار بار
حافظ نے سر دیا نہ دیا زر ہوتی ہے یہ
تاریخ اس کے فوت کی کر کے عدد شمار
تاریخ فتح عرض کی سوداؔ نے یوں کہ ہو
یہ فتح نو مبارک نواب نام دار

۶

نوٹ۔ یہ قصیدہ کورس اعلیٰ قابلیت ۱۹۳۴ء میں نہیں ہے۔

قصیدہ در مدح نواب وزیر الممالک آصف الدولہ

یحییٰ خاں بہادر رستم جنگ

گر فلک اب یہ مہرباں ہووے | جوں تنگرگ ابر درفشاں ہووے
دخل کیا ہے کہ اس کے جینے کا | کسی انسان پہ گماں ہووے
خلق کو اسقدر ہے استغنا | نہیں ممکن کہ وہ بیاں ہووے
رہرو آگے اگر پڑا ہو گہر | دور ٹھوکر سے گرداں ہووے
کبھو دیکھا نہ یوں کہ زر بے قدر | اس قدر زیر آسماں ہووے

رہ نوردوں کی راہ میں اکسیر — بدتر از گردِ کارواں ہووے
درِ گنجینہ پہ نہیں اب رسم — کنجی اور قفل پاسباں ہووے
متمول یہ تملق ہے جس کی — قاصر اب کہنے میں زباں ہووے
جو گدا روز و شب کر سائل تھا — چاہیے رشکِ خسرواں ہووے
در رو دروازہ یوں ہوا کس کا — کہ نہ واں پیل و پیلباں ہووے
کون ہے جس کے تازی و کچھی — نہ پھڑکتا یہ نہ پیہراں ہووے
نہیں بر میں کسی کے اب وہ لباس — کہ نہ قیمت میں جو گراں ہووے
نہ کوئی باندھے جب تلک ہتھیار — نہ طلا یا نہ تہ نشاں ہووے
خوانِ نعمت نہیں ہے اک کا یوں — جس پہ تا سو نہ میہماں ہووے
عیش و عشرت سے ہے سدا دمساز — پیر ہو کوئی یا جواں ہووے
ہے جو کچھ جس کنے ہے اس کی عطا — آصف الدولہ در جہاں ہووے
دیکھ کر جس کو خلق یوں سے ہے — تو ہوا ور عمر جاوداں ہووے
پرورش کس کو یوں ضعیفوں کی — تجھ سوا زیرِ آسماں ہووے
درِ دولت سر آنلک تیرے — پہونچے پشہ تو پہلواں ہووے
کم بغل جو نظر پڑی تیرے — وہ ذلیل تو نگراں ہووے
ہے خلا تو محال ہے یہ سخن — حکما کا غلط کہاں ہووے
سب جگہ ہے ملا مگر خالی — تیری بخشش سے بحر و کاں ہووے
کیں سے گردوں کے عمر بھر رہے دو — جیسے یک دم تو مہرباں ہووے
چیز بے قدر کو جو دے تو قدر — قدر دانوں میں ارمغاں ہووے

کیا عجب ہے نہ ہی مروت کا | جس جگہ ذکر اور بیاں ہووے
لعل و یاقوت کی طرح اس جا | آب و آتش کے تن میں جاں ہووے
دہر میں حسن خلق سے تیرے | خلق رطب اللساں جہاں ہووے
بو سے مذکور خلق کے فی الفور | ذہن خلق عطر داں ہووے
جا سے بے جا نہ تیرے قلمرو میں | کب توانا سے ناتواں ہووے
ذرۂ خاک کی حفاظت کو | بادِ تند آکے پاسباں ہووے
سنگ اس عہد میں ہو واں بانی | شیشہ گر کی جہاں دکاں ہووے
آگے تجھ تیغ کے عدو کا اگر | دل پہاڑ آہن استخواں ہووے
کاٹ اس کا سپہ گری اس کی | رو زمیداں سب امتحاں ہووے
کوئی اس کا نہیں جو رونے کو | دیدۂ زخم خوں چکاں ہووے
تیر تیرا نگاہِ چشم قضا | اس کو دیدار دشمناں ہووے
باد پیما ترا تعالی اللہ | جلوہ گر آکے دہ جہاں ہووے
زیر راں دیکھ کر تڑپ اس کی | خلق کا اس پہ یوں گماں ہووے
کیا عجب ہے کہ برق کا شعلہ | اس کے تیغے کے درمیاں ہووے
صرصر اس کے قدم کو پھر نہ لگے | تنگ کشادہ اس کی گر عناں ہووے
جہد کرنے کا دل میں ہو جو خیال | مجھ سے آگے تو کیا بیاں ہووے
اس جگہ تک جہاں میں جس کا بعد | دور از وہم انس و جاں ہووے
لاکھ بار ایک پل کے عرصہ میں | پہنچے جس جا سے پھیر واں ہووے
فوج کا تیرے کرسکے نہ شمار | گو عطارد حساب داں ہووے

کثرت اس کی ہے جب تو ہووے سوار — بس کہ ہو گرد آسماں ہووے
آنکھیں مل مل کے مہر پہ بے نور — جیسے شیشہ تبابداں ہووے
دود ہو یہ بلند توپوں کا — آتش انگیز جب دہاں ہووے
سقفِ حمام جس طرح ٹپکے — قطرہ زن چشم اختراں ہووے
اُن کی آواز سے بدشت و کوہ — زلزلہ یہ جہاں تہاں ہووے
بکفِ دست جس طرح سیماب — حالتِ کوہ یوں عیاں ہووے
دی ہے جو تجھ کو حق نے حشمت و جاہ — فہم واں تک رسا کہاں ہووے
تیرے خیمہ کی ایک ہو جو طناب — نصف اُس کی نہ کہکشاں ہووے
بیٹھے اُس بارگہ میں جب مسند — رشکِ صد تختِ خسرواں ہووے
قالیں اُس کے ہر ایک پا انداز — بہتر از باغ و بوستاں ہووے
دیکھے جب تجھے کہ تو جس دم — بیٹھ کر اُس پہ حکم راں ہووے
اور سرکردہ جتنے ہیں اُن میں — کوئی نواب کوئی خاں ہووے
دست بستہ مطیع فرماں کا — رو بہ رو زیر سائباں ہووے
تجھ سا آفاق میں ہو جب ممدوح — اور سودا سا مدح خواں ہووے
نہیں شایاں کہ عرض مطلب کی — اُس کی ہر بار بر زباں ہووے
اب دعا وہ کروں ہوں سن کے جسے — آمیں آمیں بجا ضراں ہووے

شادی و عیش و خرمی ہر روز
آ کے تجھ دل سے تواماں ہووے

قصیدہ شہر آشوب

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہے
دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زباں ہے

میں حضرتِ سودا کو سنا بولتے یارو
اللہ رے اللہ ہے کیا نظمِ بیاں ہے

اتنا میں کیا عرض کہ فرمائیے حضرت
آرام کے کٹنے کی طرح کوئی بھی یاں ہے

سُن کر یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہ جا
اس امر میں قاصر تو فرشتہ کی زباں ہے

کہا کیا میں بتاؤں کہ زمانہ کی گئی شکل
ہے وجہ معاش اس کی کہ جس کا یہ بیاں ہے

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی
تنخواہ کا پھر عالمِ بالا پہ نشاں ہے

گذرے ہیں سدا یوں علف و دانہ کی خاطر
شمشیر جو گھر میں تو سپر بنئے کے یاں ہے

ثابت ہو جو دگلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال

تیروں میں ہے پر گیری تو بے چلہ کماں ہے

کہتا ہے نفر غرہ کو اصراف میں جاکر
بی بی نے تو کچھ کھایا ہے فاقوسی میاں ہے

یہ سُن کے دیا کچھ تو ہوئی عید وگرنہ
شوال بھی پھر ماہِ مبارک رمضاں ہے

اس رنج سے جب چڑھ گئے چھتیس مہینے
تنخواہ کا بیٹھا اس شکل سے یاں ہے

لیتے ہیں یہ ایں روسیہی وہ تو دو ماہے
تک دھونس دھڑکے کی جنھیں تاب تواں ہے

قاضی کی جو مسجد ہے گدھا باندھ کے اُس میں
بیٹھا ہوا اس شکل سے ہر پیر و جواں ہے

ملا جو اذاں دیوے تو منہ موند کے اُس کا
کہتے ہیں کہ خاموش مسلمانی کہاں ہے

بولا جو خطیب اس میں تو ماری اسے اک دھول
ہاتھ آگیا واعظ تو تھپیڑا او دہاں سے

رستے ہے گدھا آٹھ پہر گھر میں خدا کے
نے ذکر نہ صلوٰۃ نہ سجدہ نہ اذاں ہے

اور وہ جو ہیں کمزور دہاں آن کے بیٹھیں
ربتی کے جو آسگے کی یہ ہر ایک دکاں ہے

اُٹھ اُٹھ کے دکھاتے ہیں اُنھیں چال وہ اپنی
دربار اور اس عہد میں جو خورد و کلاں ہے

پوری کوئی نہ بات کچھ تو پھر کب پالکی آگے
اس طرح سے رسالے کا نہ اپنی رو وال ہے

کوئی سر پہ کئے خاک گریباں کوئی کا چاک
کوئی رو دے ہے منہ پیٹ کوئی نعرہ زناں ہے

ہندو و مسلماں کو پھر اس پالکی اوپر
ارتھی کا تو بھرم ہے جنازہ کا گماں ہے

یہ مسخرگی دیکھ کے جو صاحب ترقی
کرتے ہیں جو واں عرض تو پھر کہ نہ ہاں ہے

گر ہو جئے جا کر کسی عمدہ کے مصاحب
اس کی تو اذیت ہی بڑی آفت جاں ہے

وہ جاگے جو راتوں کو تو بیٹھے ہیں دو زانو
کیسا ہی اگر اپنے تئیں خواب گراں ہے

بے وقت خورش اس کی جو ہو اپنے تئیں پیش
سو کیا کہوں تجھ سے کہ مصیبت کا بیاں ہے

گھڑیال کی جب بیٹھے ہوئے گنتے ہیں گھڑیاں
اور پیچ خلا رودوں میں جول سپ قراں ہے

خمیازہ پہ خمیازہ ہے اور حیرت آپ حیرت

منہ صورت سوفار مگر شکل دہاں ہے

صیغہ یہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر
سو دو سو روپے کا جو کسی عمدہ کے ہاں ہے
صحبت ہے یہ اس سے اگر آقا کے تئیں چھینک
آوے تو وہ اس کو بخشونت نگراں ہے
دیتے ہیں منگا تیر و کماں ہاتھ میں اس کے
ٹھنڈی ہوا آنے کا گر اس وقت گماں ہے
اور احضرا دیہ جو وہ نواب کو دیکھے
کھانا تو وہ کھاتے ہیں یہ اس کو خفقاں ہے

مطبوخ میں ہے خربزہ اور خربزہ پہ دودھ
ہے دودھ پہ مچھلی تس اوپہ گاؤزباں ہے
یہ بھی تو نہیں ہے کہ اسی سے ہو تسلی
اس سیب پہ تفنن کے لئے بیٹی ناں ہے
اس میں جو کہیں درد اٹھا پیٹ میں ان کے
پھر بو علی سینا ہے تو وہ ہیچ داں ہے
رکھتے ہیں غرض مرگ سے لڑنے کو سپاہی
گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کہاں ہے

سوداگری کیجے تو ہے اس میں یہ مشقت
دکھن میں بکے جو کہ خرید صفاہاں سے ہے

ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجئے منزل
ہر شام یہ دل وسوسہ سود و زیاں ہے

لے جا جو کسی عمدہ کی سرکار میں دے جنس
یہ درد جو سنئے تو عجب طرفہ بیاں ہے

قیمت جو چکاتے ہیں تو اس طرح کہ ثالث
سمجھے ہے فروشندہ یہ دزدی کا گماں ہے

جب مول مشخص ہوا مرضی کے موافق
پھر پیسوں کی جاگیر کی عامل پہ نشاں ہے

پروانہ لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت
کہتا ہے وہ پیسہ ابھی مجھ پاس کہاں ہے

ادھر سے پھر آتے تو کہا جنس ہی لے جا
دیوان ہو تا نت یہ کہتے ہیں گراں ہے

آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہیں نہ وہ جنس
ہر اک متصدی سے بیاں اور زیاں ہے

آجار ہو پھر جمع ہوتے ہے قلعہ کے آگے
جو بالکی نکلے ہے تو فریاد و فغاں ہے

دو بیل کی جا کر کہیں کیجے کھیتی
اور پیشہ بھی موافق ہے پڑے تو تو سماں ہے

ہیں خشکی و تری کے تفکر میں شب و روز

ہوں دو روپے اس کے جو کوئی مثنوی خواں ہے

اور ماحضر اخوند کا اب کیا میں بتاؤں
یک کاسۂ دال عدس اور جو کے دو ناں ہے

دن کو تو بچارہ وہ پڑھایا کرے لڑکے
سب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے

تس پہ یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اس کے
لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے

بھاگے یہ عمل جو وہ شیطان کا لشکر
دیوالی کو سے ہاتھ تعاقب میں دواں ہے

اب کیجئے انصاف کہ جس کی ہو یہ اوقات
آرام جو چاہے وہ کرے وقت کہاں ہے

جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں نے ہے
ہر صفحۂ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے

وہ بیست ٹکے سیکڑہ لکھنے کو ہے محتاج
خوبی میں خط اب جس کا بہ از خط بتاں ہے

یہ بھی میں تکلف ہی سے کہتا ہوں وگرنہ
آفاق میں ان چیزوں کی اب قدر کہاں ہے

اچھا ہو جو موتی کا زمانہ میں سنتے سہر
خطاط کی اتنی بھی رہی قدر کہاں ہے

ہے یہ جو سوا پانچ ٹکے گذری میں آکر
یاقوت بکا رسے جو بکاؤ یہ قرآں ہے

دمڑی کو کتابت لکھیں دھیلے کو قبالہ
بیٹھے ہوئے واں میر علی چوک جہاں ہے

چاہے جو کوئی شیخ سنے بہر فراغت
چھلتی ہے وہ شعرا کی تو مطعون زماں ہے

دیتا ہے دم خر سے کوئی شملہ کو نسبت
گنبد سے کوئی پگڑی کو تشبیہ کناں ہے

اور اس کو جو دیکھے کوئی وہ بہر معیشت
اس فکر و تردد میں ہر ایک زماں ہے

پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اٹھ کر
ہے آج کدھر عرس کی شب روز کہاں ہے

تحقیق ہوا عرس تو کر داڑ کو کنگھی
بے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے

ڈھولک جو لگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد
کوئی کودے کوئی رووے کوئی نعرہ زناں ہے

بے تال ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آکر
سرگوشیوں میں پھر تو بد اسلوبی بیاں ہے

گر تال سے پڑتا ہے قدم تو سبھی ہنس ہنس

سنتے ہیں کوئی حال ہے پر رفتن گفتار ہے
اور ماحصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا وال دال نخود قلیہ و نان ہے
سب پیشہ پہ بیگ ہیں کوئی ہو حتیٰ کہ
پہرہ ہو تو بھی ہے سنتے پہ بیاباں ہے
اور بیٹی کے دل کو ہے حرارت کا یقین
بیٹے کو جنون ہونے کا باپ کے گمان ہے
اکثر ہم کے جب لڑکے لگے بھوک سے مرنے
ہر خان و خواتین کے ہمراہ دوواں ہے
جب راہ خدا پیچ لگا لے کوئی نواب
تب ان کی سفارش میں ہے رقعہ خان ہے
مضمون بھی رقعہ کا کچھ دیکھیے اس کو
مداح اماموں کا ہے اور مرثیہ خواں ہے
بالفرض اگر آپ ہوئے ہفت ہزاری
یہ شکل بھی مت سمجھو تو راحتِ جاں ہے
ٹک دیکھنا منصور علی خاں جی کا احوال
چھاتی پہ کڑک بجلی ہے اور شیر دہاں ہے
آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال
جمعیتِ خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے

دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام
عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئی اس کا نشاں ہے

سو اس پہ توقع کسی کے دل کو نہیں ہے
یہ بات بھی گویا ہمہ تن کا محض گماں ہے

یاں فاقہ معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست نہ یاں ہے نہ وہاں ہے

—— ۸ ——

قصیدہ در ہجو اسپ المسمیٰ بہ تضحیک روزگار

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دستِ عناں کا بیک قرار

جن کے طویلے بیچ کئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانہ کے ہاتھ سے
موچی سے کفشِ پا کو گٹھاتے ہیں وہ ادھار

تنہا وہی نہ دہر سے عالم خراب ہے
خست سے اشرفوں نے اٹھایا ہے ننگ و عار

ہیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں

پاوے مزہ جوان کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار

نے دانہ نے کاہ نہ تیمار نے سئیس
رکھتا ہوں جیسے اسپ گلی طفل شیر خوار
ناطاقتی کا اس کی کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار

مانند نقش نعل زمیں سے بجز فنا
ہرگز نہ اٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
اس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اس کا حال
کرتا ہے راکب اس کا جو بازار میں گذار

قصاب پوچھتا ہے مجھے کب کروگے یاد
امیدوار ہم بھی ہیں یوں کہتے ہیں چمار
جس دن سے اس قصائی کے کھونٹے بندھا ہے وہ
گذرے ہے ہر نمط اسے ہر لیل و ہر نہار

ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسماں طرف ہو کے بے قرار
تنکا اگر پڑا کہیں دیکھے ہے گھاس کا
چوکی کو آنکھ موند کے دیتا ہے وہ پسار

خطِ شعاع کو وہ سمجھے دستۂ گیاہ

ہر دم زمیں پہ آنکھو ٹپکے ہے بار بار

پیدا ہوئی ہے تپ سے اگن باد اس قدر

ہرگز ندروغ اس کو تو مستہ دیان زینہار

گذرے وہ جس طرف سے کہو اس طرف نسیم

بادِ سموم ہووے وہیں گر کرے گذار

دیکھے ہے جب وہ توبڑہ و تھان کی طرف

کھودے ہے اپنے سم سے کنوئیں ہیں بار بار

فاقوں سے ہنہنانے کی طاقت نہیں رہی

گھوڑی کو دیکھتا ہے تو پادے ہے بار بار

ہے اس قدر ضعیف کہ اڑ جائے باد سے

میخیں نہ گر اس کے تھان کی ہوویں استوار

نہ استخواں نہ گوشت نہ کچھ اس کے پیٹ میں

دھونکے اپنے دم سے جیسا کھال کو لوہار

سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ

خارشت سے زبسکہ ہے مجروح بیشمار

یہ حال اس کے دیکھ غرض یوں کہے ہے خلق

چنگل سے موذی کے تو چھڑا اس کو کردگار

ہر زخم پہ زبسکہ بھنکتی ہیں مکھیاں

کہتے ہیں سب کے رنگ کو کسی اس اعتبار

لے جاویں چور یا ہے سے یا ہو کہیں یہ گم
اس قیمیں بات سے کہ پر چالیں پیدا آشکار

تھا نہ اس کے غم سے دل تنگ نہ ہوں کا
تنگی ہیں کا ہی سے سینہ کو دیکھا تو ہے ڈگار

القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں جا کے گھوڑے پہ ہوں سوار

رہتے تھے گھر کے پاس ہمارا شہ آشنا
مشہور تھا جنہوں کے وہی اسپ نابکار

خدمت میں ان کی میں نے کیا جا یہ التماس
گھوڑا مجھے سواری کو دو اپنا مستعار

فرمایا جب انہوں نے کہ اے مہربان من
ایسے ہزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار

لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی ہے اس کو نہ جانو گے انکسار

صورت کا حسن سے دیکھنا ہے گا گدھے کو ننگ
سیرت ہے جس کے نت ہے سگ خشمگیں کو عار

ہے ننگ جیسے لید و بدبو سے جوں پیشاب
بدی میں یہ کہ اصطبل اوجھڑ کرے ہزار

تھا ہر شجر سا جو ثمر سے ہوا شاخِ باردار

پہونچا غرض عروس کے گھر تک وہ نوجواں
شیخوخیت کے درجے سے کر اس طرف گذار

تھا تو اس قدر ہے کہ وہ جو کہ تم سنا
لیکن اب ایک دن کی حقیقت کہوں میں یار

دہلی تک آن پہونچا تھا جس دن کہ مرہٹہ
تجھ سے کہا نقیب نے آکر ہے وقت کار

مدت سے کوڑیوں کو اٹھایا ہی گھر میں بیٹھ
ہو کر سوار اب کرو میداں میں کارزار

ناچار ہو کے تب تو بندھایا میں اس پہ زین
ہتھیار باندھ کر میں ہوا جا کے پھر سوار

جس شکل سے سوار تھا اس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار

چابک تھے دونوں ہاتھ میں پکڑے تھا میں باگ
ٹک ٹک سے پاشنے کے مرے پاؤں تھے فگار

آگے سے توبڑہ اسے دکھلاتے تھے سئیس
پیچھے نقیب ہانکے تھا لاٹھی سے مار مار

ہرگز وہ اس طرح بھی نہ لاتا تھا رو براہ
ہلتا نہ تھا زمیں سے مانندِ کوہسار

اس مضحکے کو دیکھ ہوتے جمع خاص و عام
اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار
چاہیئے اسے لگا کہ نا ہووے وہ رواں
یا بادبان باندھوں یوں کے دو اختیار
میں کیا کہوں غرض کہ ہر اک اس کی شکل دیکھ
تیغ زباں سے کاٹ کے کرتا تھا گل نثار
کہتا تھا کوئی ہے بز کوہی نہیں یہ اسپ
کہتا تھا کوئی ہیگا ولایت کا یہ حمار
کہتا تھا کوئی مجھ سے ہوا تجھ سے کیا گناہ
کتوال نے گدھے پہ تجھے کیوں کیا سوار
کہنے لگا پھر آکے اس اجماع میں کوئی شخص
مرکب نہ یہ گدھا نہ یہ راکب گناہ گار
سمجھوں ہوں میں تو یہ کہ سپاہی کے بھیس میں
ڈائن چلی ہے سیر کو ہو چرغ پہ سوار
اس مخمصہ میں تھا ہی کہ ناگاہ ایک روز
قسمت کو آسماں نے کیا مجھ سے پھر دوچار
دھوبی کمہار کے گدھے اس دن تھے گم
اس ماجرے کو سن کیا دونوں نے واں گذار
ہر اک نے اس کو اپنے گدھے کا خیال کر

پکڑے رہتا دھوبی کان تو کھینچے تھا دم کمہار

دریا سے کشمکش ہوا اس آن موج زن
تھا عنقریب ڈوبنے خفت سے ایک بار

یہ بیپتی اس کی دیکھ کے کر خرس کا خیال
لڑکے بھی واں تھے جمع تماشہ کو بے شمار

رکھتا تھا کوئی لا کے سپاری کو منہ کے بیچ
مو اس کے تن سے کوئی اکھاڑے تھا بار بار

کہتا تھا کوئی مجھ سے کہ تو مجھ کو بھی چڑھا
دونگا ٹکا تجھے بھی میں نو چند اپنوار

کتے بھی بھونکتے تھے کھڑے اس کے گرد و پیش
ساتھ اس سمند خرس نما کے ہو چشم چار

اس وقت میں نے اپنی مصیبت یہ کر نظر
کہنے لگا خدا سے یہ رو رو کے زار زار

جھگڑوں میں دھوبیوں سے کہ لڑکوں کو دوں جواب
کتوں سے یا لڑوں کہ مروں اپنا پیٹ مار

بارے دعا مری ہوئی اس وقت مستجاب
واں سے بہر نمط کیا جنگاہ تک گذار

دست دعا اٹھا کے میں ہر وقت جنگ کے
کہنے لگا جناب الٰہی میں یوں پکار

پہلے ہی گولا چھوٹتے اس گھوڑے کے تئیں
ایسا لگے یہ تیر کہ ہووے جگر کے پار

یہ کہہ کے میں خدا سے ہوا مستعد بہ جنگ
اتنے میں مرہٹہ بھی ہوا مجھ سے آ دوچار

گھوڑا تھا ایک لاغر و بیت و ضعیف و خشک
کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کارزار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اس کو حریف پر
دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بندھی شکل
لے جوتیوں کو ہاتھ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے ٹٹ ہوا شہر کی طرف
القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کی شکل یہ ہے تم نے جو سنی
اس پر دل میں آئے تو اب ہوجئے سوار

سن کر تب ان سے میں نے یہ قصہ دیا جواب
اتنا بھی جھوٹ بولنا کیا ہے ضرور یار

گفتن ہمیں بس است کہ حسبی من الحق است
سمجھونگا اپنے دل میں اگر ہو ہوشیار

سودا نے تب قصیدہ کہا سن یہ ماجرا
ہے نام اس قصیدہ کا تضحیک روزگار

قصائد ذوق

(١)

شب کو میں اپنے سر بستر خواب راحت ۔ نشۂ علم میں سرمست غرور و نخوت

مزے لیتا تھا پڑا عالم شغل میں اپنے ۔ تھا تصور مرا اسرار میں تصدیق صفت

ہو گیا علم حصولی تھا حضوری مجھ کو ۔ تھا مرا ذہن نہ محتاج حصول صورت

جو مسائل نظری تھے وہ بدیہی تھے تمام ۔ عقل کیا فکر کی اتنی ہوئی تھی کثرت

غرض مجھ کو لیے پھرتے تھے مشکل کے کام ۔ تھی فکر کو ہر مشکل خطا سے عصمت

ذہن میں سب مرے حاضر صور علمیہ ۔ پہ جتاتی نہ تھی منظور مجھے علمیت

چار و ناچار جو تحریک یاروں کی کبھی ۔ درس و تدریس پہ آ جاتی تھی مجھ کو رغبت

کبھی ہمت تھی مری فائدہ شرح میں صرف ۔ کبھی تھی نحو میں ہر نحو مجھے محویت

کبھی منطق کو تفوق تھا مرے ناطقہ سے ۔ تحت حکمت ہو یہ گرچہ ہے بہ تحت حکمت

کبھی میں کرتا تھا تصریح معانی و بیان ۔ کبھی میں کرتا تھا توضیح نجوم و ہیئت

کبھی تفہیم فرائض کبھی تقسیم اصول ۔ کبھی تعلیم عقائد بکتاب و سنت

کبھی تھا علم الٰہی کی طرف ذہن رسا ۔ کبھی کرتی تھی طبیعی میں طبیعت جودت

کبھی تھا عقل پہ مذہب مرا پابند حکیم ۔ کبھی مثل متکلم مجھے پاس ملت

کبھی کرتا تھا میں رد جبر کا اثبات بجہات ۔ اور کبھی کرتا تھا ثابت بسمار الشفقت

کبھی انکارِ قیامت پہ میں لاتا تھا دلیل
کبھی تکرارِ تناسخ پہ مجھے سو حجت

حشرِ اجساد میں تھا گاہ تردد مجھ کو
کبھی تھی عالمِ برزخ میں مجھے اک حیرت

کبھی تھی عرصۂ تدویرِ فلک کی مجھے سیر
کبھی میں ناپتا تھا سطحِ زمیں کی وسعت

کبھی ثابت مرے نزدیک تھی فلک کی گردش
کبھی ثبت مرے نزدیک زمیں کی حرکت

کبھی میں کرتا تھا اعراض میں جزو قائم
کبھی میں کرتا تھا معقول سے ثابت علت

کبھی منقول پہ مائل کبھی سوئے معقول
کبھی میں فقہ پہ راغب کبھی سوئے حکمت

کبھی میں حافظِ قرآن بعلمِ تفسیر
کبھی میں قاریٔ قرآن بعلمِ قراءت

کبھی کرتا تھا مجسطی پہ حواشی تحریر
کبھی کرتا تھا اشارات و شفا کی صحت

کبھی میں کرتا تھا قانون سے شرحِ علاج
کبھی میں کرتا تھا قاموس سے تصحیحِ لغت

کبھی میں لون سے بینندۂ بیمار و صحیح
کبھی میں نبض سے دانندۂ ضعف و قوت

گہ نباتات کی آگاہ میں کیفیت سے
گہ جمادات کی معلوم مجھے خاصیت

کبھی مشائیوں سے کرتا تھا میں تقریرِ دوی
کبھی لیتا تھا اشراقیوں پہ میں سبقت

کبھی میں نفیٔ حقائق میں تھا سوفسطائی
کبھی میں مغربی باحث ردِ دہریت

کبھی میں جبری و مجبور بعقل و تدبیر
کبھی میں قدری و مختار بقدر و طاقت

گہ ملاحدہ کی تھی تردید کلامِ الحاد
گہ وجودی و شہودی سے بیانِ ثبوت

جوں مہندس کبھی مالوف بشکل مقدار
جوں محاسب کبھی مصروف بضرب و قسمت

کبھی حرفوں سے تھا مطلوب مثالِ غبار
کبھی کچھ نقطے سے مقصود تھا رمّال صفت

خانۂ کیسہ سے خارج کبھی شکل داخل
شکل خارج تھی کبھی داخلِ بیتِ غربت

کبھی کرتا تھا قرانِ مہ و زہرہ پہ نظر
کبھی تھا دیکھتا مریخ و زحل کی رجعت

کبھی افسون و عزیمت کبھی تعویذ و طلسم
کبھی تجویز زکوٰۃ اور کبھی قصد دعوت

کبھی تھا علم قیافہ یہ ادراک مجھے
ایک صورت سے بیاں کرتا تھا میں سیرت

کبھی میں رہتا سہروردی میں تھا با شغل
کہ نہ تھی ایک نفس ضبط نفس سے فرصت

سیمیا سے کبھی تصویر کشِ موہومات
کیمیا سے میں کبھی زرکشِ گنج و دولت

کبھی میں شیخ و شیوخی تھا کبھی شیخ رئیس
کبھی علامہ کبھی صوفی صافی طینت

کبھی میں قربِ فرائض سے تھا عالی درجہ
کبھی میں قرب نوافل سے تھا اعلیٰ نیت

مائلِ موسیقی ایسا کہ ادا کرتا تھا
کبھی میں بارہ مقام اور کبھی چار قلت

کبھی میں شاعر ادادیبان بلیغ
نظم میں نام مرا نثر میں میری شہرت

کبھی کرتا تھا مرشدی کا کبھی میں قافیہ تنگ
طبع موزوں کی دکھاتا تھا جو موزونیت

کبھی پیش نظر انجیل و زبور و توریت
کبھی مصحف میں نظر میری سر سر آیت

کبھی زرد شتیوں میں ایسا کہ سارے مجھ بد
ژند ما ژند میں کرتے تھے مری تبعیت

کبھی ہے آگہی شاستر و بید و پراں
کروں اک بات سو پنڈت کی تھا میں کھنڈت

کبھی میں نغز معانی نہایت ذی ہوش
کبھی اخبار و تواریخ میں صاحب خبرت

آخر ش دیکھا تو العلم حجاب الاکبر
عاقبت پایا تو ہاں آنکھوں اہل جنت

فائدہ کیا جو ہر اک علم کی جانی تعریف
فائدہ کیا جو ہر اک فن کی کھلی ہیئت

فائدہ کیا کہ جو دیکھے کتب ہر مذہب
فائدہ کیا جو ہوئی آگہی ہر ملت

عقل سے گرچہ کیا مادہ ایسا پیدا!
کہ ہر شکل ہو اک تازہ مخیل صورت

یا بنائی کوئی صورت کہ جسے دیکھ کے گا
ہیکل روم سے تھا نہ چین تک حیرت

ہے مقدر نہ پڑی صورت رہیوں دنظر
دور آئینہ دل سے نہ ہو زنگ کلفت

پڑھوں اک مطلع برجستہ میں اس موقع پہ — جس کو سن کر کہیں احسنت سب اہل فطنت

مطلع ثانی

گر نہ دے صاحب جوہر کو مقدر عزت — جوہر فرد ہے بالفرض تو کیا بے قیمت

کیا ہوا علم معقول سے اگر کیف کے ہے — لیک ہے یاوری بخت نہیں کیفیت

قاضی چرخ نہیں جو تو ہی تو کیا گر تیرے — مثل دہقان فلک کھتے ہوں طالع نکبت

دور گردوں نہ موافق ہو تو ہو اور خفیف — جر اثقال میں تو جتنی اٹھائی محنت

آگے برگشتگی بخت کے چلنے کی نہیں — نظری و عملی بھی کوئی تیری حکمت

گو فصاحت میں تو سحبان ہی ہو وے نے تقدیر — حرف مطلب پہ زباں کو ہو تری سو لکنت

گو ریاضی میں ہے صناع اگر بخت ہے بد — نقش باطل ہے تری شکل وہ جس میں صنعت

کیا ہوا جانا اگر مسئلہ پیر و منار — پستی بخت سے جو تجھ کو نہیں ہے رفعت

کام تقویم نہ آئے نہ ترے اصطرلاب — طالع بد ہے اگر نیک نہ آئے ساعت

علم سے ہو نہ کبھی چارہ آزار نصیب — طور سینا بھی ہے کیا سینہ میں جو ہے حیرت

سو دوائیں ترے نسخہ میں ہوں پہ ہے تقدیر — نہ ہو بالخاصہ تاثیر نہ بالکیفیت

تخم نیرنج سے گو ہو وے تو نخل تاریخ — ہے مقدر نہ ہو حاصل ثمر خوش لذت

علم سے جو سبق آموز ملائک تھا وہ دیکھ — بخت بد سے ہوا مستوجب رجم و لعنت

ہوا مسجود ملائک پہ ظلوم اور جہول — یعنی انسان قوی بخت ہے ضعیف الخلقت

گو تصوف سے ہو تو صوفی سجادہ نشیں — ہے مقدر نہ کرامت ہو نہ خرق عادت

علم سے لاکھ ہو شیخی تری پر بے تقدیر — نہ کہے کوئی تجھے شیخ علیہ الرحمت

یہ مقالات مثال قصص مصنوعہ — ہو گئے اک بار جو افسانہ خواب غفلت

لگ گئی آنکھ مری خواب میں کیا دیکھا ہوں / کہ مجسم نظر آتی ہے نوید صحبت

اللہ اللہ رے حسن اس کا کہ سر تا بقدم / تھا وہ خلقت کا تماشائی ظہور قدرت

یاد کرتا قد رعنا کو ہے اس کے نالہ / دم تکبیر جو کہتا ہے سر قد قامت

چشم وحشی کو اگر اپنے وہ دکھلائے تو ہو / چشم آہو سے عیاں نشۂ جام وحشت

دل اشک مست زدہ کے دریئے تسخیر ہلاک / زلف و ابرو تھی وہ رخسارۂ وارون قسمت

آتش حسن سے اک شعلۂ سرکش ہوتی / موجۂ دود لطیف اس کی تھی شوخی حالت

فوج مژگاں وہ بلا ہے جو صف آرا ہو کر / دست بیداد سے کر دیتی ہے وہ عالم غارت

چاہ بابل وہ ذقن ورد مہاں تک کا عکس / دل گرفتار عذاب اس میں ہے مثل ہاروت

لعل شیریں کی حلاوت پہ جو دیجے جاں عاشق / تو دم نزع بھی عناب کا چاہے شربت

بزم شرم تبسم سے لب اس کے جو گرم / تھا تغافل سے ان آنکھوں کو تو نرگس کی عادت

کھول دیں معنی معدوم کمر کی بیش / وا کریں عقدۂ موہوم دہن کی حرکت

شوخی و ناز کی تعریف میں اس کی مطلع / وہ پڑھوں میں کہ جسے سن کے ہو دل کو فرحت

مطلع ثالث

شوخی اس چہرہ میں یوں گل میں ہو جیسے حمرت / نازیوں چشم میں نرگس کی ہو جیسے نگہت

لب پہ ہاں خندہ کی شوخی کہ ہے آگے اک بات / کہ لگا دے وہ ملیحوں پہ نمکدوں کی تہمت

نازک اندام وہ اور سنگدل ایسا ہے کبھی سودا / آیا حصہ سنگدلوں کے لئے جو قسمت

سیلی سینہ پہ نہ تھی جدی پشت کا عکس / نظر آتا تھا صفائی سے الف کی صورت

چینی رنگ کا اپنے وہ دکھا کر عالم / ایک عالم کا ہو دل لیکے بغل میں جنت

اللہ اللہ رے تری نکہت و رنگ و تیزی
واہ کیا تیرا تبختر تری بل بے نخوت

قہر انداز بلا ناز قیامت طناز
سحر ہنگامہ ستم ایجاد کرشمہ آفت

جا بجا عالم مستی میں قدم کو لغزش
دم بدم نشۂ صہبا سے زباں کو لکنت

آنکھ میں رشک مسیحا نے کہا ہیں ساقی
زانکہ تم بھی تو غافل نہیں وقت غفلت

شوخ بختی سے نہ اتنی رگ افشانی ہے تو
بادۂ میکدۂ عیش کی کم کیفیت

کیا سبب ہو تا کہ وہ مستی ہمہ کیوں جائے
دل ترا شیشۂ ساعت کی طرح آکے تھا

بزم مستی میں تو منصور لب بستہ کا تب
صورت شمع سحر سوختہ وفی صورت

آتش دل سے ترے گوشۂ تنہائی میں
بیکسی شعلہ جوالہ کند وحدت

وقت ضائع نہ کر اٹھ بستر اندوہ سے تو
چل در میکدہ تک ہے درکت برکت

فکر باطل سے نہ کر دل کو خنک تو اپنے
ہے تجھے مثل سحر یک دو نفس کی مہلت

دیکھ تو کیا افق مشرق انوار سے ہے
جلوہ افروز رخ بانوئے صبح عشرت

ادہم لیل سر عرصہ ہے برگشتہ عناں
اشہب ورز سبک سیر ہے تو سو ساخت

جانب شرق ہے نوری قلق بال کشا
جانب غرب ہے پرواز غراب ظلمت

چرخ مینائی پہ اک سبزپری کا عالم
شفق صبح پہ اک لال پری کی حالت

نکہت گل جو ہوا میں تو ہوا عطر فشاں
نازکی گل کو چمن سے تو چمن کو نزہت

کھلے ہی جاتے ہیں سب غنچے زہے جوش نشاط
ٹوٹے ہی جاتے ہیں گل پائے ہنسی کی شدت

آج یہ جوش پہ ہے رحمت باری کہ کہیں
نہ رہی کلفت عصیاں کی جہاں میں ظلمت

طفل نو مشق کی تختی کی طرح سو سو بار
دھوتے مستوں کی سیہ نامہ کو ابر رحمت

کہیے یہ رند کہ او زہد فروش آگ نہ پھانک
مانگے گر بادۂ تو زہد کہن کی قیمت

قتل ہوا زہد کا قلیا ہوئی زاہد کی تمام ‌ ‌ ‌ ‌ سنتی ہے قلقل مینائے شراب عشرت

اسقدر ساز طرب ساز کی آواز بلند ‌ ‌ ‌ ‌ چھیڑیں گر تار کھرج کا تو ہو پیدا دھوت

نغمہ پیرا ہیں کہیں مطرب سیمیں زہرہ جبیں ‌ ‌ ‌ ‌ جام در دست کہیں مغبچۂ مہ طلعت

لیکے انگڑائی کہیں بیٹھنے لگی ہر ام کلی ‌ ‌ ‌ ‌ اٹھی ملتی ہوئی آنکھوں کو کہیں بنی ملت

چشم مست سے ناز نیں کا جل پھیلا ‌ ‌ ‌ ‌ لب میگوں پہ مسی کی پپڑی پھیکی رنگت

سیپیدے نمک آیا نظر حسن مہ و انجم چرخ ‌ ‌ ‌ ‌ ہوگیا زرد رخ شمع چراغ خلوت

چونکے مرغ سحری عرش سے آوازِ خروش ‌ ‌ ‌ ‌ ہوگئی خواب کو آوازۂ کوس رحلت

باغ عالم میں ہیں مرغان ولی اجنبہ تک ‌ ‌ ‌ ‌ مثل مرغان سحر نغمہ طراز عشرت

دی ہے مسجد میں مؤذن نے اذاں بہر نماز ‌ ‌ ‌ ‌ باوضو ہو کے نمازی نے ہے باندھی نیت

ہوئی بتخانہ سے ناقوس کی پیدا آواز ‌ ‌ ‌ ‌ چلے جمنا کو برہمن کوئی لیکر مورت

اٹھے میخوار صبوحی کے لئے کے صبور ‌ ‌ ‌ ‌ کہ عداوت ہے اگر کیجئے ترک عادت

اک طرف سے ہوئی گھڑیال کی آواز بلند ‌ ‌ ‌ ‌ ایک جانب سے لگی آنے صدائے نوبت

سحر عید ہے کہ عید کا سامان نشاط ‌ ‌ ‌ ‌ روز شادی کی ہے آمد شب غم کی رخصت

آج وہ دن ہے کہ آغوش میں لیکر تجھ کو ‌ ‌ ‌ ‌ کہے طوبی لک ہر شاہد طوبی قامت

اب ہیں پیدا تری بخت مددگار نصیب ‌ ‌ ‌ ‌ اب قوی ہیں ترے طالع تری یاور قسمت

فکر کر تہنیت عید کا اس شاہ کی تو ‌ ‌ ‌ ‌ دور میں جس کے ہے ہر صبح صباح دولت

وہ شہنشاہ بہادر شہ کسریٰ انصاف ‌ ‌ ‌ ‌ خسرو جم خدم و داور دارا حشمت

قوت ملت و دین قامع کفر و الحاد ‌ ‌ ‌ ‌ حامی شرع نبی ماحی شرک و بدعت

حکم شرعی سے کرے سلب جو سب جذبۂ شوق ‌ ‌ ‌ ‌ مرد مجذوب ہے گر ترک ہو ستر عورت

کوئی اس کا نہیں وصاف صفات نیکو
کون ہے کہ نہیں ہے سرگرم ثنا و مدحت

سنتے ہی میں نے بھی وہ مطلع روشن لکھا
مطلع صبح کو ہو سامنے جس کے خجلت

مطلع رابع

مصحف رخ ترا اے سایۂ رب العزت
کھولدے معنی اتممت علیکم نعمت

ترا دروازۂ دولت ہے مقام امید
ترا دیوان عدالت ہے محل عبرت

ترا احسان بہار چمن صدر و نق
تیری نیت چمن آرائے ہے ترا انیت

تیرے عشرت کدہ میں بار کسی غیر نشاط
تیرے خلوت کدہ میں دخل کسی غیر طاعت

صفحۂ علم پہ برجیس سے تو ہم زانو
حجلۂ عیش میں ناہید سے تو ہم صحبت

ماہ نو ایک فلک پر ترے نو پیدوا ہیں
نو فلک نوکروں میں تیرے قدیم الخدمت

کیسۂ گوہر انجم ترا صرف انعام
طاقۂ اطلس گردوں ترا وقف خلعت

نیت نیک تری آئینۂ حسن عمل
عمل خیر ترا جلوۂ حسن نیت

ذہن عالی ہے ترا طائر شاخ سدرہ
طبع رنگیں تری گلچین ریاض جنت

ترا افضال جہاں کے لیے برہان کرم
ترا اکرام زمانہ کو دلیل رحمت

علم ظاہر سے ہے یکساں تجھے دور و نزدیک
نور باطن سے برابر ہے حضور و غیبت

ذہن صافی ہے ترا پردہ در معنی غیب
موشگافی ہے تری کوہ شگاف دقت

عقل میں شمس ہے تو علم میں کان گوہر
فضل میں کعبہ ہے تو علم میں کوہ رحمت

تیری تدبیر ہے اک دفتر ہوش و فرہنگ
تیری شمشیر ہے اک جوہر فتح و نصرت

دعوت صدق پہ لائے ترے ایماں تصدیق
دست ہمت پہ کرے تیرے سخاوت بیعت

تجھ سے راضی ہے خدا اور خدا کا محبوب | تیرا حامی ہے خدا اور نبی کی عترت
عزم کو ہے ترے ہر عزم میں تصمیم بالجزم | قصد کو ہے ترے ہر قصد میں قصد نیت
قوت روح ملائک ہے جس قدس میں ہے | ذات قدسی کی ترے عطر ثنا کی نکہت
کیا اللہ نے حبیب تجھ سا ولی نعمت خلق | کیونکہ واجب ہے خلائق پہ ترا شکر نعمت
نطق شیریں سے ترے عام حلاوت ہو اگر | ثمر تلخ ہو حنظل کا سبوے شربت
شوکت عقرب جرار کے مانند رہے | دل حاسد میں خلش گر ترا رشک شوکت
روش شیشہ ہر اک سنگ پہ ریزہ ریزہ | پڑے البرز پہ گر زر کی ترے نصرت
سر کشف وار چھپاتا ہے فلک بر سپر | کیا غضب ہے تری شمشیر غضب کی ہیبت
آئے طوفاں جو ترے قہر کا طغیانی میں | کشتی نوح بھی اعدا کو ہو گرداب صفت
وہ تری تیغ کی برش ہے کہ سایہ جس کا | کر دے اک دم میں ہیولی سے مفارق صورت
تیرا بدخواہ رہے حرز سے یاں تک محروم | دیں نہ تعویذ اسے تا بہ نشان تربت
آسیا وار پھرے کیوں نہ فلک گرد زمیں | تیرے توسن کے جو کاوے کی اڑا جائے پھرت
کیا ترے فیل کے اوصاف لکھوں میں کہ وہ ہے | ابر قامت جبل پیکر و گردوں رفعت
اس کی خرطوم ہے گر طرۂ لیلی کی مثال | تو ہیں دندان صفا ساعد سیمیں کی صفت
کیا عجب گر ہو تپ لرزہ ہیبت سے تری | نبض کی طرح رگ سنگ میں پیدا حرکت
آب باران کرم ہے وہ ترا شربت خضر | جس سے لالہ پہ تو افیوں میں نہ ہو سمیت
عدل کے لفظ کو دیتا ہے نہیں نقطہ کوئی | عدل سے تیرے جو موقوف ہے رسم رشوت
عہد میں تیرے عجب کیا ہے سر داغ دل شمع | شعلے میں مرہم کافور کی ہو خاصیت
پنجۂ گربہ سر پنجۂ موش و گنجشک | ہے حمایت سے تری دایۂ دست شفقت

تیرے منصوبے کے تابع ہیں سب احکامِ نجوم
صفحۂ تقویم کا گویا ہے بساطِ شطرنج

لایا ہے معنیٔ رنگیں سے یہ لعلِ خوش رنگ
ذوق جو مدح و ثنا میں ہے ترے گوہر سنج

خسروا ہوتا ہے اس رنگ سے معلوم یہ رنگ
رنگِ نوروز جو ہے اب کے ہے نیرنگِ نارنج

بزمِ رنگین تری بزمِ طرب ہو ہر روز
اور تری خاطرِ اقدس پہ کبھی ہو نہ رنج

زہے نشاط اگر کیجئے اسے تحریر
عیاں ہو خامہ سے تحریرِ نغمہ جائے صریر

زباں پہ ذکر اگر چھیڑیے تو پیدا ہو
نفس کے تار سے آواز خوشتر از بم و زیر

ہوا ہے باغِ جہاں میں شگفتگی کا جوش
کلیدِ قفلِ دلِ تنگ خاطرِ دلگیر

کرے ہے وا لبِ غنچہ دو ہزار سخن
چمن میں موجِ تبسم کی کھول کر زنجیر

کچھ انبساطِ ہوا سے چمن سے دور نہیں
جو وا ہو غنچۂ منقارِ بلبلِ تصویر

قفس میں بیضہ کے بھی شوقِ نغمہ سنجی ہے
عجب نہیں کہ ہو مرغِ چمن بلند صفیر

اثر سے بادِ بہاری کے لہلہانے میں
زمیں پہ ہمسرِ سنبل ہے موجِ نقشِ حصیر

نکل کے سنگ سے گر ہو شرارہ تخم فشاں
تو سبز فیضِ ہوا سے ہو وہ برنگِ شعیر

زمیں پہ گرتے ہی ہے آئے دانۂ برگ و ثمر
جو ٹوٹے ہاتھ سے زاہد کے سبحۂ تزویر

ہوا یہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابرِ سیاہ
کہ جیسے جائے کوئی فیلِ مست بے زنجیر

نہ خارِ دشت ہے گرمی میں خوابِ مخمل ہے
ہر ایک تار رگِ سنگ بھی ہے تارِ حریر

ہوا میں ہے یہ تراوت کہ دودِ گلخن بھی
برستا اٹھے ہے آتش سے مثلِ ابرِ مطیر

یہ آیا جوش میں بارانِ رحمتِ باری
کہ سنگ سنگ میں سنگِ یدہ کی ہے تاثیر

ہر ایک خار ہے گل ہر گل ایک ساغرِ عیش
ہر ایک دشت چمن ہر چمن بہشت نظیر

ہر ایک قطرۂ شبنم گہر کی طرح خوش آب ... ہر اک گہر شبِ چراغ پہ تنویر
کرے ہے صبح شکر خندہ اس مزہ کی ساتھ ... کہ جس طرح بہم آمیختہ ہوں شکر و شیر
سنوارتی ہے جو شام اپنی زلفِ مشکیں کو ... سوادِ مشکِ ختن بیچ ہیں لالہ آہو گیر
مہاں شمع ہی ہر شب چنے گل شبو ... بہارِ عیش میں گلچیں کی طرح سے گلگیر
ہنسے چراغ تو ایسے ہنسی میں پھول جھڑیں ... حیا سے رنگِ گلِ آفتاب ہو تغییر
رہے ہے حیرتی یہ ہر صبح جوں صبوحی کش ... ہاں درازی کی ریشِ آفتاب ساغر گیر
عجب نہیں ہے کہ آرائش زمانہ سے ... خالی نیچے ہوں تاکہ چنار و بید انجیر
چمن میں ہے یہ درختانِ سبز ہر یک میں ... کہ زہر کھاتے ہیں سبزانِ خطۂ کشمیر
نہ کیونکہ دیکھ کے گلشن کو یہ پڑھوں مطلع ... کہ آتے ہے نظر آثارِ قدرتِ خدائے قدیر

مطلع ثانی

ظہورِ نرگس و گل جلوۂ سمیع و بصیر ... نسیم نکہتِ گل اظہر و لطیف و خبیر
شمیم عیش سے ہے یہ زمانہ عطر آگیں ... کہ فرش عنبر اگر ہے زمیں تو گرد عبیر
حمل سے حوت تلک جابجا ہیں تصویریں ... بنا ہے عالمِ بالا بھی عالمِ تصویر
جہاتِ ستہ سے بزمِ جہاں ہے دست بخواہ ... کہ ہے ہجومِ نشاط و سرور جم غفیر
زمانہ دشمنِ عشرت کا اسقدر قاتل ... مہِ صیام کو دیکھئے نہ کوئی بے شمشیر
ہوا ہے مدرسہ یہ بزم گاہِ عیش و طرب ... کہ شمسِ بازغہ کی جا پڑھیں ہیں بدرِ منیر
اگر پیالہ ہے صغرا تو ہے سبو کبرا ... نتیجہ یہ ہے کہ سرمست ہیں صغیر و کبیر
زمینِ میکدہ یہ خندۂ نشاط انگیز ... کہ لاتے مے سے ہو دیوار قہقہہ تعمیر

دبا سکے رنج کو دھو کر ترے غسل صحت | ضمیر خلق سے اے بادشاہ پاک ضمیر

عجب نہیں ہے ہوا سے [illegible] | کرے اگر حرکت موج چشمۂ تصویر

شفا شتاب ترے ہیں صفات کامل سے | جو لاعلاج مرض تھے وہ ہیں علاج پذیر

اگر جو شکل کو اگر یار ہیں بیمار مجنوں ہے | تو صورت شیریں کی ہو سمند خوش تقریر

اشارہ سمجھ ہو الیہ اگر وہ بیان کرے | زبان پہ آگئے لوگوں کے خواب کی تعبیر

جو میل کحل بطارت ہو تلک خدا غیبا | تو چشم دائرۂ عین بھی ہو چشم بصیر

نہ موت ہے کہ تپش شیشہ سے بھی کی | گئی جہاں سے یہ بیماری تو کوئی زحیر

نہ سر کو نشیب لرزہ نہ سر کو ہو زکام | نہ آب میں ہی رطوبت نہ خاک میں تبخیر

بدل گئی ہی عداوت سے لجی دائرہ | شراب تلخ بھی ہو میکشوں کو شکر و شیر

قوی ہے قوت تاثیر سے دوائے طبیب | غنی قبول کی دولت سے ہے دعائے فقیر

قطعہ

شکست دل کو تری ہے تندرستی سے | کرے درست اگر مومیائی تدبیر

تو موئے کاسۂ چینی کو چارہ ساز قضا | نکالے کاسۂ چینی سے مثل موئے خمیر

کھچائے سر جو کبھی مفسدان سرکش کا | علاج خارش سر ہو بناخن شمشیر

بنائے نقش شفا خانۂ ہزار شفا | ہر ایک خانۂ تعویذ صاحب تکسیر

ہر ایک اسم عزیمت میں اسم اعظم ہے | ہر ایک نسخہ شفا میں ہے نسخۂ اکسیر

رہا نہ کوئی گرفتار رنج عالم میں | چھٹے جو تیرے تصدق میں مجرمان اسیر

تمہارے دم سے تری زندگانی عالم | یہ تیرا دم ہے وہ اعجاز عیسوی تاثیر

مثال خضر تو ہو ہمارے ملت و دیں | جہاں میں سب پیر ہو پر ہو کرامتوں کے پیر

تو وہ ہے حامیِ دنیا و دین ما نہیں ۔۔۔ کہ تجھ سے زیب ہے دنیا کو دین کو توقیر
کیا شہان سلف نے مسخر ایک جہاں ۔۔۔ کئے ہیں تو نے شہنشاہ دو جہاں تسخیر
سحر سے شام تلک زرفشاں ہے پنجۂ مہر ۔۔۔ نثار کرتا ہے ہر روز ایک گنجِ خطیر
فلک پہ کرتا ہے ہر شب ادا جو سجدۂ شکر ۔۔۔ نشانِ سجدہ ہے زیبِ جبینِ ماہِ منیر
یہ روز بہ سے نتر ہے جواں جہانِ کہن ۔۔۔ کہے نہ کوئی دو شنبے کو بھی جہاں میں پیر

قطعہ

حیات بخش جہاں تیرا مژدہ صحت ۔۔۔ جو بخشے خلق کو عمرِ طویل و عیشِ کثیر
ہزاروں سال ہر ہر صدی نکالکے دانت ۔۔۔ سنیں اجل پہ جوانوں کی طرح مردم پیر
جہاں کو یوں تری صحت کے ساتھ ہے صحت ۔۔۔ صحیح جیسے کہ قرآن ہو مع تفسیر
یہ وہ خوشی ہے کہ فربہ ہوں جس سے روز بروز ۔۔۔ ہلالِ بست و نہم کی طرح بدن نحیف
پڑھوں ثنا میں تری اب وہ مطلعِ روشن ۔۔۔ کہ جس کا مطلعِ خورشید بھی نہ ہووے نظیر

مطلعِ ثالث

شہنشاہ تری روشنیِ رائے منیر ۔۔۔ عقولِ عشرہ کے انوار جس کے عشرِ عشیر
جو ہوتا تابعِ امرِ شارِ رواقی الامر ۔۔۔ تو عقلِ کل کو کرے تو نہ ہرگز اپنا مشیر
جو ہیں نکاتِ معانی بشر کی فہم سے دور ۔۔۔ وہ تیرے ذہن میں موجود سب قلیل و کثیر
اگر ہے سہو کو کچھ دخل حافظے میں گویہ ۔۔۔ نہ اپنا یاد ہے احسان نہ اور کی تقصیر
جیا ہے گر متعلق تری نگاہ کے ساتھ ۔۔۔ تو ہے ضمیر کی جانب تری صفا کی عکس
ترا تو سایہ بھی یوں ہوگا داخلِ حسنات ۔۔۔ کہ جیسے صحبتِ کہف میں قطمیر

کہ جیسے ہے سلبِ تغیر کو ذاتِ حادث سے — زمانہ عدل سے تیرے ہوا اعتدال پذیر
مجال کیا کہ ترے عہد میں شرر کی طرح — اٹھائیں سر کو شرارت سے سرکشانِ شریر
ہوا میں آ کے جو کرتا ہے سرکشی شعلہ — تو چٹکیاں دلِ آتش میں ہے آتش گیر
ترے نسق سے جو بالکل رہی نہ خونریزی — لڑائیوں میں کبھی پھوٹتی نہیں نکسیر
جو پہنچے بتکدہ میں تیرا شورِ دینداری — بلند نالۂ ناقوس سے بھی ہو تکبیر
کیا یہ کفر کو اسلام نے ترے معدوم — کہ کوئی زلفِ بتاں پر نہ کر سکے تکفیر
جہاں میں چشمِ سیہ مستِ یار کا ہو یہ رنگ — جو میکشوں کو ترا احتساب دے تعزیر
پڑے گلے میں رسن خطِ سرمہ سے اس کے — رہے مدام وہ گردش میں ایسی تشہیر
وہ جوقِ قہرِ خدا تیری تیغِ آتش دم — کہ جس کی آنچ ترے دشمنوں کو نارِ سقر
جو ہے خدنگ کا تیرے نشانہ چشمِ حسود — تو ہے تفنگ کا تیرے دلِ عدو نخچیر
ترے نہیب سے ہوں شکلِ فلسِ ماہی الگ — کریں نہ حلقۂ جوہر رفاقتِ شمشیر
جو تیر نکلے کماں سے تری وہ ہو جاوے — طلب میں جانِ عدو کی رواں قضا کا سفیر

قطعہ

تری ہے خامۂ طغرا نگاہ میں یہ زور — جو کھینچے اک روشِ خطِ منحنی وہ لکیر
تو اس سے ایسے ہوں اشکالِ ہندسے پیدا — مٹا دے دیکھ کے اقلیدس اپنی سب تحریر

قطعہ

وہ روشنی ترے خط میں کہ ابنِ مقلہ اگر — لگائے آنکھوں سے سرمہ کی جا تری تحریر
تو ہو یہ نورِ بصارت کہ پڑھ لے حرف بحرف — جو ہووے لوحِ جبیں پہ نوشتۂ تقدیر
رقم میں گر ترے اوصاف کے قصور کرے — زبانِ خامۂ عطارد کے ناک میں دے تیر

قطعہ

ترا سمند ہے وہ تیز رو کہ وقتِ خرام — نظر ہو دیدۂ زرقا کی بھی نہ اُس کا نظیر
کہ سیر گاہ دو عالم ہے راہ یک روزہ — اور اس کا شرق سے تا غرب صید گاہ مسیر
ترے جو فیل کی تعریف خسروا لکھوں — کروں حکایتِ شیریں کو کوہکن تحریر
کہ فیل کوہ کو جب تیشہ فیلباں فرہاد — وہ دونوں دانت سقا ایک تیشہ جوئے شیر

قطعہ

چلے نہ اشرفی آفتاب عالم میں — خطِ شعاع سے اس پر جو یہ نہ ہو تحریر
کہ ابو ظفر شہ والا گہر بہادر شاہ — سراجِ دینِ نبی سایۂ خدائے قدیر
شہنشہ نگہ شہریار والا جاہ — خدیو مہر کلہ خسرو سپہر سریر
جہاں مسخر و عالم مطیع و خلق مطاع — فلک مؤید و اختر معین و بخت نصیر
زمیں ہو سبز جو تیرے سحابِ بخشش سے — تو بوٹی بوٹی سے ہر خاک کی بنے اکسیر

قطعہ

بچشمِ مہر اگر تیرا آفتابِ اقبال — کرے نگاہ سر آبجو و آبِ غدیر
تو عکس اُس سے ہو ماہی کو وقتِ شنا — نگینِ دستِ سلیماں بدستِ ماہی گیر
تو ہے ثنا کے لیے تیرے اختتام تمام — نہ ہے دعا کے لیے تیری انتہا و اخیر
مگر یہ ذوق ثنا سنج و مدح خواں تیرا — غلام پیر کہن سال اک فقیر حقیر
کرے دل سے دعا یہ سدا فقیرانہ — سنا ہے جب سے کہ رحم خدا دعائے فقیر
الٰہی آب یہ ہوتا زمیں میں کو ثبات — زمیں پہ تا ہو فلک اور فلک کو ہو تدویر
فلک پہ چھوڑے نہ تا دامن مسیح حیات — زمیں پہ خضر کی تا ہو فنا نہ دامن گیر

عطا کرے تجھے عالم میں قادرِ قیوم / بجاہ و دولت و اقبال و عزت و توقیر
تنِ قوی و مزاجِ صحیح و عمرِ طویل / سپاہ وافر و ملکِ وسیع و گنجِ خطیر

۴

ہیں مرے آبلۂ دل کے تماشا گوہر / اک اگر ٹوٹے تو کتنے ہی ہوں پیدا گوہر
نظرِ خلق سے چھپ سکتے نہیں اہلِ صفا / تہِ دریا سے بھی جا ڈھونڈ نکالا گوہر
رزق تو درخورِ خواہش ہی پہنچتا سب کو / مرغ کو دانہ ملا ہنس نے پایا گوہر
پاک دنیا سے ہیں دنیا میں ہیں جو پاک سرشت / غرق ہے آب میں پر تر نہیں اصلا گوہر
ہے دلِ صاف کو عزلت میں بھی گردش سے عنا / گرد آلود کبھی ہوا نہ تھا گوہر
کور باطن کو ہو کیا جوہرِ دانش کی شناخت / کہ یہ کھلتا نہیں جز دیدۂ بینا گوہر
غیر سرمایہ نہ کم مایہ سے ہو ضبطِ ہوس / بہ گیا ژالہ ہوا آگ سے نہ پگھلا گوہر
جوہرِ خوب کو درکار ہے آرائشِ خوب / خوب تر آب کی خوبی سے ٹھہرا گوہر
سرکشی کرتے ہیں بے مغز نہ پر مغز وقار / جز حباب آب سے سر کھینچے نہ بالا گوہر
ربط ناجنس سے کرتے ہیں کوئی پاک نہاد / ہو نہ ہم صحبتِ تارِ رگِ خارا گوہر
دل خراش اور ہے طاقت دہ دل ہے کچھ اور / کہ نہ گوہر کبھی ہیرا ہو نہ ہیرا گوہر
فیض کو عالمِ بالا سے ہے شرطِ استعداد / قطرہ یکجا ہے طباشیر ہے یکجا گوہر
صدق اور کذب یہ پرکھ سکے ہی شرطِ نظر / کور کیا جانے یہ سچا ہے کہ جھوٹا گوہر
صاف باطن کی ہو جب قدر رکھا ہو درست / مول بھی ٹوٹ گیا صاف جو ٹوٹا گوہر
ہوتی عزت نہیں اگر قدر نہ خوش جوہر کی / تو کبھی کان سے باہر نہ نکلتا گوہر
خلشِ خارِ جنوں سے ہے پرونا کیا گیا / ہر قدم پر قدمِ آبلہ فرسا گوہر

دل عاشق میں کرے کیونکہ نہ آنسو سوراخ اسی الماس سے جاتا ہے یہ بندھا گوہر
ذوق موقوف کر انداز غزلخوانی کو ڈھونڈ اس بحر میں اب تو کوئی اچھا گوہر
غوطہ دریائے سخن میں ہے لگانا بہتر آ گئے تقدیر سے خرمہرہ ملے یا گوہر
اشر مدح سے اس خسرو دریا دل کے کہ سخن قابل گوش دل دانا گوہر
وہ بہادر شہ غازی کہ بہ رنگ نیساں روز برساتے ہے ابر کرم اسکا گوہر
جوش سے اس کے ہے اک فیض کا دریا جاری ہنستے پھرتے ہیں بہ رنگ کف دریا گوہر
زیور آرا ہوں اگر آج چمن میں گل ہرو بیضۂ قمری و بلبل ہوں عجب کیا گوہر
پہونچے گر گوش صدف تک یہ نوید عشرت اتنا بالیدہ بخود ہو کہ ہو مینا گوہر
کہتا ہے قطرۂ نیساں بھی کہ [illegible] ہوتا میں دانۂ انگور نہ ہوتا گوہر
صدف آب میں کثرت سے حبابوں کے بھرے مانگ میں مثل بت خویشتن آرا گوہر
ٹوٹا ہے کشمکش عیش سے جو صبح کے ہار بکھرے شبنم سے ہیں گلزار میں کیا کیا گوہر
گل شگفتہ میں ہے یہ قطرہ باراں سے بہار بھر دیئے درج یاقوت میں گویا گوہر
موج گوہر میں بھی ہے طرز تبسم پیدا کوئی دم میں روش غنچہ ہنسے گا گوہر
رخ گلرنگ پہ ساقی کے عرق کا قطرہ کیا تماشا ہے کہ بن جاتی ہے مونگا گوہر
قطرۂ آب لطافت سے ہی ٹپکا پڑتا گوش خوباں سمن بر میں مصفا گوہر
مدح حاضر میں کروں اب کوئی مطلع تحریر آج ہے خامہ مرا منشہ سے اگلتا گوہر

مطلع ثانی

آج وہ دن ہے کہ اے خسرو والا گوہر کوہ دے نذر تجھے لعل تو دریا گوہر

بحر و بر میں ہے شہا تیرے عطا بے شمار — سیم سے زر تا ملک اس لعل سے جوڑا گوہر
ہو ترے فیض قدم سے جو زمیں گوہر خیز — ہو نصیب صدف نقش کف پا گوہر
مشتری کہتے ہیں جس کو وہ اٹھا لایا آج — ٹوٹ کر جو تری سمرن سے گرا تھا گوہر
صبح اقبال و سعادت کا ستارہ چمکا — جو ترے طرۂ دستار کا چمکا گوہر
ترا آویزۂ سرپیچ کا اے قبلۂ حق — تھا شب قندیل در مسجد اقصیٰ گوہر
طلب خلق میں ہے سینہ ترا آئینہ — عدل و علم میں ہے قلب مصفا گوہر
پرورش دیوے چمن کو جو ترا ابر کرم — ہو نیستاں میں عوض غنچہ ہو پیدا گوہر
ماہ گنے کے لئے ہے نہ کہ گہنے کے لئے — تیرے کنٹھے کا کہوں کیا اسے زیبا گوہر
درفشانی سے تری اتنے کہیں ہیں نایاب — لکھتے ہیں نسخۂ عکس میں اطبا گوہر

قطعہ

عکس سے تیرے اقبال کے دریا میں ترے — اے محیط کرم و جود کے یکتا گوہر
آب گوہر ہو تو آب پہ اچھا نہ تھا — کف دریا کو بنائے ید بیضا گوہر
کوہ کا زہرہ کرے آب تری ہیبت عدل — گر یہ سن پائے کہیں سنگ نے توڑا گوہر
طبع نازک پہ تری بار گہر ہو جو گراں — پوست میں بیضۂ ماہی ہی ہو ملکا گوہر
آب دریائے کرم سے جو ہو تیری سیراب — ابر مردہ سے برسنے لگیں کیا کیا گوہر
آج محفل میں تری کیا گہر افشانی ہے — لگن شمع میں ہیں آنسوؤں کی جا گوہر
دست فراش میں جاروب ہے ریش فرعون — فرش پر تیلیوں میں ایچھے جو صدہا گوہر
تپ دوران حفاظت میں کہاں تیری و گزند — حق میں بیمار کے تنخالہ ہے لبکا گوہر
افعی زلف کے کاٹے کو ہے جو مہرہ مار — گوش خوباں میں نہیں ہے لف سمن سا گوہر

سینۂ صافی کا ترے ہی یک ہے نقشہ دریا / دل روشن کا ترے ایک نمونہ گوہر

نقرۂ خنگ ترا ایسا ہے برنگ شفاف / رو بہ رو جس کے صفائی کے ہے میلا گوہر

غرق دریا ہے جواہر میں وہ کوہ گراں / گل ہے مہندی کی جھڑ لعل پسینا گوہر

پیل تیرا ہے بلندی میں فلک سے افزوں / جھول میں جس کی ہیں انجم سے زیادہ گوہر

لیکے خرطوم میں جو آب ہو وہ قطرہ فشاں / دیوے جوں ابر بہاراں ابھی برسا گوہر

ہے ترے قطرۂ پیکاں سے تری بارش تیر / جگر چاک عدو میں ہے صدف آسا گوہر

تیر انیزہ ہے وہ طائر کہ عوض دانہ کے / پشت سے دشمن کی ہے یہ چنتا گوہر

شعلۂ برق غضب ہے ترے شاہا تو آب / مثل مریخ ہے ہر اک شرر سرخ ستارا گوہر

مہر دوراں میں تری ایک ہے یا چشم عقیق / آبداروں میں تری ایک ہے ادنیٰ گوہر

گر بہ گردوں کی طرح سے جو با واز تہیب / جوہری جس کو ہے بتلا کے گہر جا گوہر

ہو تری کلک کرم جبکہ شہا گوہر بار / جیم جمل کے دامن میں ہو نقطہ گوہر

نقطۂ قاف قلم سے جو ہو تیرے ہمسر / قاف تک قاف سے ہو بیضۂ عنقا گوہر

سینۂ صافی سے تری ہووے صفا ایسی عام / دل کا قطرہ بھی ہو خال سویدا گوہر

ہو جو روشن گر عالم ترا نور دانش / سوئی تجھی میں پرویا کرے اشیا گوہر

خسروا ہیں جو کہوں سب ترے اوصاف بجا / تو سدا خندہ ہو مرے پھول جھڑیں یا گوہر

ذوق کرتا ہے دعا یہ پہ اب ختم سخن / تاکہ ہو سنگ سے لعل آپ سے پیدا گوہر

تا رہے تجھ خورشید سے ہر ذرہ طلا / تا کہ گردوں پہ کھلے تب عقد ثریا گوہر

دانۂ انجم گردوں سے ہے روز جب تک / رشتۂ کہکشاں میں شب پلیدہ گوہر

جب تلک جوش بہاراں سے ہو دم صبح / ملتے شبنم سے سر دامن صحرا گوہر

ہر برس جشن ترا تجھ کو مبارک ہووے
برسیں نیسان کرم سے ترے شاہا گوہر

دوستوں کو ہو ترے گنج گہر روز نصیب
ہو نہ جز اشک سر دامن اعدا گوہر

۵

لاتا ہے نیرنگ سے ہے رنگ نئے چرخِ محیل
واہ بگڑا ہے کچھ اس خم میں عجب رنگ نیل

ور زمانہ سے وہ عیارہ ہے یہ ہوش ربا
لاکھ بیہوشیوں سے جس کی بھری ہے زنبیل

ہے توکل کا احاطہ وہ عزیمت کا حصار
کہ بجز حفظ خدا جس کی نہ خندق نہ فصیل

گم ہوں ظاہر کی خرابی سے صفات اصلی
رنگ دیتا ہے چھپا جوہر شمشیر اصیل

پیش دشمن نہ گذر حق سے نہیں سانچ کو آنچ
بلکہ ہے آتش نمرود گلستان خلیل

نہیں ہے قید علائق کسی عالم میں ہنر رگ
رسم تحریر میں بھی چھوٹی نہ زنجیر سے فیل

ہے تہ خاک بھی قاروں کو سفر حشر تلک
نہیں ہاتھ تحت ثریٰ منزل آرام بخیل

عید اک روز جہاں میں مضا ہے اک ماہ
بعد ہے کثرت تکلیف کے یاں عیش قلیل

کشت سبز فلک دوں سے نہ رکھ چشم ثمر
خوشۂ فیض سے بے بہرہ ہے یہ مزرعۂ نیل

جتنا خورشید ہے بس اتنی ہے بارش کو ہوا
ہووے کیونکر تپش عشق نہ رحمت کی دلیل

عشق کھنچوائے ہے اک نالہ رسا کش سے بزور
بار صد کوہ الم ہے عمل جر ثقیل

لگے نہ چرخ کو گر نالۂ عاشق کی دوا
دم اجزائے دخانی کی طرح ہو تحلیل

شمع کشتہ کے لئے ہے دم عیسیٰ آتش
سوزش عشق سے زندہ ہوں محبت کے قتیل

معتبر ہے جو کرے نالۂ دل درد اظہار
نالہ ہے دل کی زباں دل ہے موکل یہ وکیل

دل کے ہے ایک ورق میں وہ حقیقت ساری
جس کا اجمال قضا اور قدر ہے تفصیل

جی میں ہے اور پڑھوں میں کوئی مطلع ایسا
گوہر مخزن معنی سے ہو جس کو تاویل

مطلعِ ثانی

کنجِ حیرت میں کروں علمِ خموشی تحصیل
یہ عجب مدرسہ ہے جس میں نہیں قال و قیل

درسِ توحید سے لوں ایک شفا کا نسخہ
بحث نہیں علت و معلول کی نہ عقل و دلیل

جلوہ افروزی ہے یک بدر دجی ہے اس کو
شمع فانوس سمجھ خواہ چراغِ قندیل

فکرِ بیہودہ میں کس واسطے ہے تو پابند
کچھ نکال اپنے لئے ذوق نکلنے کی سبیل

خوابِ غفلت سے ہو بیدار کہ آئی پیری
نہیں مہتاب یہ ہے روشنیٔ صبحِ رحیل

عرصۂ عمر ہے وہ تار کھنچا اور ٹوٹا
کچھ اگر وقتِ معین کی طرف سے نہ ہو ڈھیل

وہی منزل ہے جہاں ٹھہری حیاتِ گذراں
کہ پے راہِ فنا کوئی نہ فرسخ ہے نہ میل

مشقِ اندوہ ہے دو روز نہیں تو بیکار
تیسرے ہفتہ نہیں کوئی بھی روزِ تعطیل

غمِ عصیاں ہے تو ہے رحمتِ غفار وسیع
فکرِ روزی ہے تو ہے رزق کا رزاق کفیل

ہے کتنا ہی زر و مال تو سب جائیگا چھوڑ
چھوڑ جانیکو تو کافی ہے فقط ذکرِ جمیل

پھر بہارِ چمنِ عمر میں دلگیر ہے کیوں
سیر کر سیر کہ ہے فرصتِ گلگشت قلیل

مژدۂ عید سے ہے دیکھ تو کیا رنگِ چمن
گل کی رنگین قبا غنچہ کی رنگین مندیل

ہوئی آراستہ میں آج بدل کر پوشاک
فصل سے بلغ تلک باغ سے تا بہ تحجیل

نظر آتا ہے برنگِ لبِ ساغر جو ہلال
ٹپکا پڑتا ہے لبِ مست سے شوقِ تقبیل

گاہ مے خم میں ہے گہ شیشہ میں کیا کیا پی سیر
روح کرتی ہے کسی مست کی قالب تبدیل

تہنیت خواں ہو تو آج اس شہِ دریا دل کا
جس کے نزدیک ہے اک قطرہ سے کم قلزم و نیل

وہ بہادر شہِ والا نسبِ پاک گہر
خسروِ چرخ سریر و شہِ خورشید اکلیل

ماہِ نو چشمِ زدن میں مہِ کامل ہو جائے
نظرِ مہر میں ہے اُس کی وہ نورِ تکمیل

نورِ معنی ہے بہر شکل نتیجہ اُس کا
اللہ اللہ ری زہے شکلِ شہنشاہ تشکیل

مدحِ حاضر میں پڑھوں مطلعِ روشن ایسا
مطلعِ شمس کو بھی جس کی ہو دوا تجمیل

مطلعِ ثالث

یعا شاہانِ سلف کی بھی ہوئی ہے تفضیل
جیسے قرآں میں توریت و زبور و انجیل

تو ہے اس طرح سے عزت دہِ اولادِ تمر
جیسے موسیٰ شرف افزائے بنی اسرائیل

نور افزائے بصارت ہو اگر تیرا جمال
آئیں آنکھوں سے نظر معنیِ اللہ جمیل

روئے نیکو پہ ہے مائل تری خوئے نیکو
کہوں کیونکر نہ کہ الحسن الی الحسن یمیل

ہے جو انسان کے قالب میں ترا نورِ ظہور
برجِ خاکی میں ہے خورشیدِ فلک کی تحویل

دانش آموز ہو گر تربیتِ عام تری
بید مجنوں کو بنا دے ابھی انسانِ عقیل

جوہرِ تیغِ اجل ایک ترے حکم کی نقل
تیز حکمی قضا حکم کی تیرے تعمیل

عہد میں تیرے جو ہو راہ تعدی مسدود
کہہ کے فعل متعدی سے نہ بابِ تفعیل

تشنۂ ذوقِ حلاوت ہوں کیونکر سیراب
تیری شیریں سخنی ہے انھیں شربت کی سبیل

نکتہ چینوں کے لئے نکتۂ برجستہ ترا
قالبِ طبعِ رواں ہے روشِ دانۂ ہیل

جب ہوں مرغانِ ہوا تیری نشانِ بندوق
نسرِ طائر کو بھی تو سمجھے اک اُڑتی ہوئی چیل

مہرۂ پشتِ عدو میں ترا تیرِ صف دوز
رشتۂ مہرۂ تسبیح کے مانند دخیل

طائرِ روحِ عدو کے لئے ہے پرواز
تیر کی تیرے صدا جیسے کبوتر کو زقیل

وہ قیامت ہے تری فوج کہ شورِ محشر
دم نہ مارے کبھی سن پائے جو گھوڑوں کی صہیل

نالہ بوق کی ہیبت سے رکھی پھونک کے پاؤں
کوچۂ صور سے گذرے جو دم اسرافیل

دوڑ میں تیری گھوڑے کو کیونکر میں دوں نسبت
نہ یہ صورت ہے نہ یہ رفتار نہ یہ ڈیل نہ ڈول

گرم جولاں وہ کہاں ہو کر رکھے ہے جو وقت
نہ تو میدانِ تصور نہ فضائے تخئیل

عرصۂ معرکہ میں گرمہ تجھے ای شاہ سوار
اس سبک سیر سے منظور ہو کار تعجیل

اڑے یوں جیسے ہوا سُم بھی نہ پانی سے ہو تر
نہ یہ پروا اسے ہے راہ میں تالاب کہ جھیل

قطعہ

کوہ البرز کو سایہ میں جو پاٹے اپنے
ہے وہ ای شاہ فلک تہ تری فیل

حملہ آور ہو وہ جس دم تو پے جانِ عدو
اس کا خرطوم ہو دست کشش عزرائیل

تو جو محراب عماری میں ہوا جلوہ نما
اسکے دانتوں پہ یہ خرطوم سے سوجھی تمثیل

خانۂ قوس میں خورشید جہاں تاب آیا
دن ہی کوتاہ ہو دکھلاوے بھی رات طویل

عدل نے تیرے کیا روئے زمیں کو گلزار
آج تک عدل میں تیرا نہ ہوا کوئی عدیل

نہیں یہ جوشش گل و لالہ نکل آیا ہے
داد خواہی کے لئے خاک سے خون ہابیل

واسطے دیدۂ بدبیں کے ہے یہ عین علاج
ہو تری نوک سناں سرمہ کو جوں میل

تیر سے تیرے ساعد و پر جو کماں دار قضا
کم نہ داری سے ہو اُن تیروں کی اُسکی قندیل

رہزن لطف کرے خواہ ہوا دل ہی قضا
اسکی پشت پدر سے نہ کبھی تا اجلیل

محکمہ میں تری انصاف لکھے ہوں ہاتھ قلم
دے اگر بھول سے بھی کوئی سر حرف کو تبدیل

ذوق کرتا ہے سخن تیری دعا پہ کوتاہ
ہو اگر خاطر نازک پہ بساط تطویل

عید ہر سال ہو فرخ تجھے با جاہ و جلال
ہوں قوی پایہ ترے دست بعید قدر و قلیل

جو ضلالت سے ہوں گمراہ وہ ای ظلِ خدا
دل اقدام سے ہوں خاک بذلت بہ ذلیل

مراثی میر انیس

(۱)

مرثیہ

جب رن میں سر بلند علیؑ کا علم ہوا
فوج خدا پہ سایۂ ابر کرم ہوا
چرخ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا
پنجہ پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

۲

وہ شان اُس علم کی وہ عباسؑ کا جلال
نخل مرادی کے تلے تھا علیؑ کا لال
پنجہ پہ جان دیتی تھیں بی بیوں کا تھا یہ حال
غل تھا کہ دوش حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھریرہ کی اوج سے

۳

تھا پنجتن کا نور جو پنجہ پہ جلوہ گر
اعمیٰ کی پتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر

ذرّے نثار کرتے تھے اُٹھ اُٹھ کے اپنا زر   تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بشر
اللہ ری چمک علمِ بوتراب کی
تارِ نظر بنی تھی کرن آفتاب کی

۵۴

قربان احتشامِ علمدارِ نامور   رُخ پہ جلالتِ شہِ مرداں تھے سربسر
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر سی نظر   قبضہ میں تیغ بر میں زرہ دوش پر سپر
چھایا تھا شور لشکرِ ابنِ زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر

۵۵

وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم   وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
پنجہ کی وہ چمک وہ سرافرازیٔ علم   گرتی تھی برق فوجِ مخالف پہ دمبدم
کیا رفعتِ نشانِ سعادت نشان تھی
سایہ میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

۵۶

پنجہ اُٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار   عالم میں پنجتن کی بزرگی ہے یادگار
بخشش جہاں نہیں کے قدم سے ہے برقرار   کیوں ہفت دوست ہوتے ہو اے قوم نابکار
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولا کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السلام سے

۵۷

غرفوں سے جھانک جھانک کے بولی ہر ایک حور — صل علیٰ علم کی چمک ہے کہ برق طور
یارب ہنوز نگاہِ بد اس کی ضیا سے دور — پنجہ ہے اک جگہ کہ ہے یہ پنجتن کا نور
جلوے ہیں سب محمد و حیدر کی شان کے
قرباں اس جواں کے نثار اس نشان کے

۵۸

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حسن کی سپاہ — دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
دیکھیں کسی کو کہ ہے ایک ایک رشکِ ماہ — جاتی ہے جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انھیں قدموں سے ہے رونق زمین کو
چن کر حسین لائے ہیں کس کس حسین کو

۵۹

شہرہ بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا — قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یاں آفتاب کو بھی نہیں یارا نگاہ کا — یوسف ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سنتے تھے ہم کہ عالم ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہشت ہے

۶۰

ہم شکل مصطفیٰ کا ہے کیا حسن کیا جمال — صبح جبیں ہے اور شبِ گیسوئے بے مثال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو یہ رخ یہ خال — یاقوت و مشک و نرگس و نجم و مہ ہلال
اک گل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہیں ہے قدرت پروردگار ہے

۱۱

لختِ دلِ حسن بھی ہے کس مرتبہ حسین جس کے چراغِ حسن سے روشن ہے یہ زمین
یہ زلف مشکبیز یہ آئینۂ جبیں سرمایۂ خطا و ختن کائنات چین
رخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئی
سہرہ کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی

۱۲

ہاں جلوہ گر ہیں عون و محمد بھی خوش شکیل اک مہرِ بے نظیر ہے اک بدرِ بے عدیل
افزوں ہیں ان میں جوشِ شجاعت کے ولولے ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل
شیرِ علی ہیں جنگ و جدل پر تلے ہوئے
دونوں کے نیمچوں کے ہیں تیور کھلے ہوئے

۱۳

عباس نامور بھی عجب سج کا ہے جواں نازاں ہے جس کے دوشِ منور پہ خود نشاں
حمزہ کا رعب صولتِ جعفر علی کی شان ہاشم کا دل حسین کا بازو حسن کی جان
کیونکر نہ عشق ہو شہِ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

۱۴

اس مہر کو تو دیکھیے ذرے ہیں جس کے سب سرتاجِ آسمان و زمیں نورِ عرشِ رب
ابرِ کرم خدیوِ عجم خسروِ عرب عالی ہمم امام امم شاہ تشنہ لب
جنباں زبانِ خشک ہے ذکرِ الٰہ میں

گویا کھڑے ہیں ختم رسل رزم گاہ میں

۱۵

کیا فوج تھی حسینؑ کی اُس فوج کی نثار
ایک ایک آبروئے عرب فخر روزگار
جرار و دیں پناہ و نمودار و نامدار
لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گلعذار
فوجیں کوئی سماتی تھیں ان کی نگاہ میں
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیر الہ میں

۱۶

ایک ایک ملک جرأت و ہمت کا بادشاہ
کیواں خدم سپہر حشم عرش بارگاہ
آنکھیں غزال رشک مگر شیر کی نگاہ
وہ رعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
ابرو ذرا جو ہل گئے تلوار چل گئی

۱۷

وہ اشتیاق جنگ میں لڑکوں کے ولولے
بتیاب تھے کہ دیکھئے تلوار کب چلے
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے
سب فاطمہؑ کی بیٹیوں کی گود میں پلے
ایک اک رسول حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پہ علیؑ نے کی تھی سیاحت وہ باغ تھا

۱۸

اکبر سے عرض کرتے تھی سینہ سپر کئے
یہ نیچے نہ لیو ینگے دم بے لہو پیے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جئے
صدقے ہوں اس قدم پہ یہ ہیں اسی لئے

آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھئے گا تماشا لڑائی کا

۱۹

بچپن یہ خادمانِ اولوالعزم کے نجائیں — جب چاہیں معرکہ میں ہمیں آپ آزمائیں
تن تنکے روکیں برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں — بجلی گرے تو منہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکال لے
ٹھکر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالئے

۲۰

کہتے تھے مسکرا کے یہ زینب کے دونوں لال — کھلتے ہیں جوہر دلیروں کے جو ہر دم جدال
ہر وقت چاہیے مدد شیر ذوالجلال — نعرے ابھی کریں تو ہلے عرصۂ قتال
اُٹھی ہے تیغ جنکے لئے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیر شیر ہیں

۲۱

یہ پیچھے جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار — شبیر دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
پاس آ آ کے عرض کرتے تھے عباس نامدار — سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ نیچے رہیں گے بھلا فوج شام سے

۲۲

یہ سن یہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان — یہ بھولے بھولے منہ یہ جوانمردیاں یہ شان

باتیں جری سے کم نہیں اللہ ری خوش بیان　　چلتی ہے ذوالفقار علی کی طرح زبان
کس دبدبے سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلیں لڑائی کا سب دیکھے بھالے ہیں

۲۳

زینب کے لاڈلوں کی طرف دیکھتے حضور　　مثل عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
رخ پہ جلال شیر خدا کا ہے سب ظہور　　پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برق طور
دونوں میں صاف حضرت جعفر کے طور ہیں
اللہ کی پناہ یہ نیور ہی اور ہیں

۲۴

یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اس طرف　　مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
تیروں نے رخ کیا شتوں سے ابن شہ نجف　　سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
تھا بسکہ شوق جنگ ہر اک تشنہ کام کو
جوش آگیا دغا کا حسینی سپاہ کو

۲۵

ذرہ سے آفتاب ہوئی دھوپ کے رنگ　　فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کی ہے امنگ
تن تنکے برچھیاں تیغ سنبھالیں ہے آتی جنگ　　بیچین ہو گئے فرس ابلق و فرنگ
پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
بیڑی ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

۲۶

سنتا ہوا بڑھا کوئی قبضہ کو چوم کے　　بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے　　ٹکڑے اڑیں گے آج عمر و شمر شوم کے
نامرد چھپ رہیں آنکھ چراتے ہیں مرد سے
دونوں کو چار کر کے پھریں گے نبرد سے

۲۷

دولہا کے سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی　　بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
چتون کسی کی شورشِ دل سے بگڑ گئی　　منہ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو زانو میں داب کے
غصہ سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

۲۸

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے　　نیزہ کوئی ملانے لگا آن بان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے　　تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

۲۹

سنتے ہی یہ کلام جوانانِ نامور　　لڑنے کو الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
کہتے تھے پیچھے سے وہ غیرتِ قمر　　یارب شکست فوجوں کو دے ہمیں ظفر
مر کے نہ پھر وغا میں جو بڑھ کے قدم گڑے
جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

۳۰

عباس شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر
تیر اس طرف سے آتے ہیں اب کس لیے ہے دیر
دو دن کی بھوک پیاس میں نہ ہوں گی سیر
مولا غلام سے نہیں رکنے کے یہ دلیر
پاس ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیر خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

۳۱

کس کو ہٹائیے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار
مرنے پہ ایک دل ہیں یہ تیس وفا شعار
ہے مصلحت کہ دیجیے اب اذن کارزار
ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں سرکشی پہ سواران شام کی
اکبر کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی

۳۲

جب یہ کہتا ہوں میں اٹھیں آسماں سر پہ
کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
باندھی سرکشی پہ کمر لشکر شریر
ہنگام جنگ شیر کے بچے ہوا گوشہ گیر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

۳۳

اک اک جری کو نشہ جرأت کا جوش ہے
عالم ہے بیخودی کا یہ مرنے کا ہوش ہے
ہر صف میں یا علی ولی کا خروش ہے
کہتے ہیں بار بار کہ سر بار دوش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے

ڈر ہے کہ مرنہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

۳۴

حسرت سے کی سوئے رفقاء شاہ نے نظر　　بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر　　اچھا جہاد کو بڑھے ایک ایک نامور
یہ راہِ حق ہے جو قدم آگے بڑھائیگا
دربارِ مصطفٰے میں وہی پہلے جائیگا

۳۵

مژدہ یہ سن کے شاد ہوئے غازیانِ دیں　　اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوجِ کیں
جب نعرہ زن ہوئے صفتِ شیرِ خشمگیں　　تھرائے آسماں کے طبق ہل گئی زمیں
برپا تھا شورِ حشر دلیروں کی حرب سے
فوجیں تو کیا جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے

۳۶

اللہ ری جہادِ حبیب و زہیرِ قین　　گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین　　مقتل میں بیٹھے ہو کے دوڑے گئے حسینؑ
یوں جا کے روئے ان کے تنِ پاش پاش پہ
جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پہ

۳۷

خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا　　کانپا سپہر شہ نے دمِ سرد یوں بھرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا　　گر روئے آپ ہاتھ جگر پہ کبھی دھرا

لڑکے جو یک بیک گئے ہاتھوں سے کھو گئے
ٹکڑے حسن کی طرح کلیجے کے ہو گئے

۳۸

تھی قہرِ حق عقیل کے پوتوں کی کارزار — شمشیرِ حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
عزت عرب کی کر گئے جعفر کے یادگار — تھے تین چار شبر کے جھپٹے پہ تے شکار
فتح و ظفر تھی مثلِ علی اختیار میں
پیچھے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

۳۹

نکلے برادرانِ علمدار صف شکن — دکھلا دئے علی کی لڑائی کے سب چلن
بے سر تھے مورچوں میں جوانانِ پیل تن — لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں پہنچا تھا رن پہ رن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی
عباسؑ داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

۴۰

تھا چھوٹے بھائیوں کے لئے مضطرب جو دل — گہ شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
نعرہ یہ تھا کہ شیر ہے مالک تمہیں بحل — شہ روکتے نہ ہاتھ بدن گو ہے مضمحل
یہ وقت آبرو ہے بس اب جد و کد کرو
ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو

۴۱

الٹو پرے کو اور صفوں کو بچھا کے آؤ — ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ

جب بھاگ گئے ٹھاٹھ وہ فوج کے اس پار جا کے آؤ — بابا سے آؤ یا انھیں ان سے بھگا کے آؤ
ہاں صفدرو نشاں نہ رہے فوج شام کا
بیٹوں کو پاس چاہئے بابا کے نام کا

۴۲

روکر حسینؑ کہتے تھے بھائی سے دمبدم — دولت پدر کی لٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
جینے نہ دیگا آہ ہمیں بھائیوں کا غم — عباسؑ عرض کرتے تھے اے قبلۂ امم
اب باپ کی جگہ شہ عالی مقام ہیں
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

۴۳

بیجاں ہوئے جو راہ خدا میں وہ شیر نر — حضرت ضعیف ہو گئے خم ہو گئی کمر
ماتم میں کہتے تھے کہ موت نے لوٹا حسن کا گھر — اک دم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر
سب چل بسے نبی و علی پاس رہ گئے
ہفتاد تن میں اکبر و عباس رہ گئے

۴۴

آیا نظر جو لاشۂ نوشاہ نیک خو — اکبرؑ کی چشم تر سے ٹپکنے لگا لہو
کی غیظ کی نظر طرف لشکر عدو — پہلو سے آئے روتی ہوئی شہ کے روبرو
نکلی یہ بات جوش بکا میں زبان سے
قاسم کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہان سے

۴۵

بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا ۔ سوتے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا ۔ مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
پہلو میں ابن عم کے ہماری بھی لاش ہو

۴۶

شہ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم ۔ خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم ۔ مر مر کے غم میں بھائی حسن کے جیتے ہیں ہم
تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی
عباسؑ نامدار نہ ہوتے تو موت تھی

۴۷

بھائی کے بعد ان سے ملی لذتِ حیات ۔ بیکس کے غمگسار تھے یہ یا خدا کی ذات
خالی نہ پائی مہر و مروت سے کوئی بات ۔ سو پائیں گر تو ان کو کٹی جاگنے میں رات
صدمے بھلا دیئے دل سے حسن کی جدائی کے
رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے

۴۸

ہے ان کے اتحاد کا سب سے جدا مزا ۔ بیٹے کا لطف بھائی کا حظ باپ کا مزا
ملتا ہے ان کی بات میں ہر دم نیا مزا ۔ اوجھل جو آنکھ سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
قائم رکھے خدا کہ علی کے نشان ہیں
مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں

۴۹

قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور   بچھڑا جو ایک دو میں تو پھر میں کنارِ گور
ہوتا ہے زخمِ دل پہ نمک آنسوؤں کا شور   جب تپلیاں نہ ہوویں تو چشمِ بشر ہے کور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بیکس سنبھل گیا
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا

۵۰

بس دیکھ کر نہال ہوئی گلشن جناں   گذرے بہار عمر کے دن آگئی خزاں
اٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیر ناتواں   پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے مسن نہیں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں

۵۱

ان سے نشاں علی کا ہے تم سے ہمارا نام   گھر مٹ گیا نبی کا جو دونوں ہوئے تمام
میت کے دفن کا بھی مناسب ہے اہتمام   مرنے کے بعد کوئی تو آوے ہمارے کام
تربت پہ تم سے گل ہوں تو دل باغ باغ ہو
اندھیر ہے جو قبرِ پدر بے چراغ ہو

۵۲

کچھ نہ ذکرِ ہجر یہ صدمہ ہے دلخراش   پھر پدر کو کفن و گور کی تلاش
ہوگا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش   دو شخص چاہئیں کہ اٹھائیں ہماری لاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور رہا تو پھر

فرزند پائنتی ہو پدر سرہانے ہو

۵۳

اکبر نے سُن کے باپ پہ یہ اشکِ خوں بہائے
عباسؑ بول اٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے
خاک اُس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اٹھائے
دیتے ہیں جان اہلِ وفا نام کے لئے
پاتے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لئے

۵۴

بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا
جھک کر کہا حسینؑ نے بھائی یہ کیا یہ کیا
قاسم کا ذکر کرتے تھے ہم شکلِ مصطفٰےؐ
باتیں تو اچھی تھیں تمہیں کیوں غیظ آگیا
ہم تم تو ساتھ گلشنِ ہستی سے جائیں گے
اچھا ہماری لاش کو اکبر اٹھائیں گے

۵۵

اٹھے قدم سے آپ کی الفت کے میں نثار
غصّہ میں بھول جاتے ہو کیّا ہمارا پیار
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ نامدار
بے اذنِ جنگ سر نہ اٹھائیگا خاکسار
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالت مآب سے
پہلے مروں گا اکبرِ عالی جناب سے

۵۶

صدقہ علیؑ کی روح کا اکبر کو رو گئے
دیکھ قسم شبیہِ پیمبر کو رو گئے
نورِ نگاہِ بانو نے بے پدر کو رو گئے
اے آفتابِ دیں مہِ انور کو رو گئے

پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں
آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

۵۷

شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اٹھائیے　　لیجے رضائے حرب نہ آنسو بہائیے
فرقت میں جو ہیں کہ مریں خیر جائیے　　اپنی سکینہ جان سے جا کر مل آئیے
زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجئے
بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجئے

۵۸

عباسؑ شہ کے گرد پھرے اٹھ کے سات بار　　بھائی کو گھر میں بھیجا جب شاہ ذی وقار
بولا یہ پیک شاطر فوجِ ستم شعار　　وہ اذنِ جنگ پا چکے عباسِ نامدار
خود دیکھ کر یہ حال بھرا ہوں میں راہ سے
ملنے گئے ہیں خیمہ میں ناموسِ شاہ سے

۵۹

تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام　　نعرہ یہ دمبدم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام
تینوں سے گھاٹ روک لو آیا وہ نیکنام　　اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنانِ شام
دیکھو نہ پیچھے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے
چھوٹیں گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

۶۰

دل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر　　کانپے مثالِ بید جوانان پر جگر

ہلچل ہیں اس طرف کے پرے ہوگئے اُدھر ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
پیچھے ہٹیں صفیں یہ تلاطم عیاں ہوا
دریا جو بار ڈھ پہ تھا وہ اُلٹا رواں ہوا

۵۶۱

ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پئے جدال برچھی گری زمیں پہ کسی کی کسی کی ڈھال
اللہ ری ہیبت خلفِ شیرِ ذوالجلال کانپی زمیں کھڑے ہوئے روئیں تنوں کے بال
مُنہ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا
دشتِ نبرد کھیت بنا زعفران کا

۵۶۲

تھا شش جہت میں غل کہ یہی زور انقلاب لوٹیگا اس زمیں پہ ورق ابن بوتراب
اس شیعہ پر نہ ہوگی کوئی فوج فتحیاب بس اب بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
حملہ عجب ہے بازوئے شاہ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

۵۶۳

ڈرسے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف بھرتے تھے خیبری بھی دم سرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کوفہ کے نامرد اک طرف تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
بھاگے تھے تیر باز لڑائی کو چھوڑ کے
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

۵۶۴

تھی ابتری سپاہ ضلالت شعار میں
اس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اس قطار میں
سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں
وہ جائے امن ڈھونڈھتے تھے کارزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدرؓ کے لال کے
نامرد منہ چھپائے تھے گھونگٹ میں ڈھال کے

۶۵

سرکردہ ہائے فوج مخالف تھے بے حواس
کچھ شمر کے قریب تھے کچھ تھے عمر کے پاس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس
ضرب علیؑ ہے ضرب علمدار حق شناس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
خیبر کشا کا زور ہے پنجہ میں شیر کے

۶۶

اس فوج میں ہے گو یہ تزلزل یہ انتشار
ہتھیار اُدھر لگاتے ہیں عباسؓ نامدار
مضطر ہیں بیبیاں شہ والا ہیں بیقرار
بھائی کے منہ کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کئے ہوئے
روتی ہے سوکھی مشک سکینہ لئے ہوئے

۶۷

منہ دیکھتی ہے باپ کا جیوڑہ بچشم تر
کہتے ہیں یہ اشارہ سے سلطان بحر و بر
لٹتا ہے باپ تم کو سکینہ نہیں خبر
جانے نہ دو چچا کو ہیں چاہتی ہو گر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
دامن قبا کا ننھے سے ہاتھوں سے تھام لو

۶۸

بھائی کے اضطراب میں زینب کا ہے یہ حال ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھلے ہیں بال
عباس سے یہ کہتی ہے وہ کر بصد ملال چھوڑو نہ شہ کو اے اسد کبریا کے لال
کیا کہتے ہو سکینہ سے منہ موڑ موڑ کے
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

۶۹

دیکھو تو حال سبط رسول فلک اساس بیٹی کا غم بھتیجے کا ماتم ہجوم یاس
ہے کثرت سپاہ میں تنہا وہ حق شناس قربان جاؤں تم تو رہو بے وطن کے پاس
عاشق ہو دلبر اسد ذوالجلال کے
بازو قوی تمہیں سے ہیں زہرا کے لال کے

۷۰

عباس کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں کیونکر نہ حق امام زماں کا ادا کروں
الٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا وغا کروں یہ سر ہے اس لیے کہ قدم پر فدا کروں
پہنچا ہے فیض سید خوشخو کے ہاتھ سے
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے

۷۱

رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام شہزادہ مرنے جاتا ہے سلامت رہے غلام
للہ دیکھئے تو ابا ہی خدا ہے مرا امام وہ امر کیجئے کہ بڑھے جس سے میرا نام
بیکس ہوں ماں نہیں مرے سر پہ پدر نہیں

میں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں

۷۲

باتیں یہ سن کے روتی ہیں زینب جھکا کے سر   تھرا رہی ہے زوجۂ عباسؓ نامور
چہرہ تو فق ہے گود میں ہے چاند سا پسر   مانع ہے شرم روتی ہے منہ پھیر پھیر کر
موقع نہ رونے کا ہے نہ بول سکتی ہے
حضرت کے منہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے

۷۳

کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار   ہم کو تباہ کرتے ہیں عباس نامدار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار   کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت میں نثار
کہئے جو رونے کی کوئی اُن سے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو

۷۴

اکبر کا واسطہ کوئی تدبیر کیجئے   امداد بہر حضرت شبیر کیجئے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجئے   ٹیکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجئے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں

۷۵

عباسؓ دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار   ہوتا ہے تیر غم جگر ناتواں کے پار
روتے ہیں خود مگر یہ اشارہ ہے بار بار   شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بیقرار

آؤ ادب سے دلبر زہرا کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

۷۶

کھولا ہے گوندھی بالوں کو صاحب یہ کیا کیا
پیٹو سروں کو روتا ہے فرزند مہ لقا
خیر النسا کے لال پہ ہوتی ہیں ہم فدا
شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا
ایذا میں صبر صاحب ہمت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے تمہارا بھی نام ہے

۷۷

لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہر ذوالجلال
دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
میری مفارقت کا نہ کیجو کبھی خیال
قائم تمہارے سر پہ رہے فاطمہ کا لال
غم چاہئے نہ آہ و بکا چاہئے تمہیں
شہ کی سلامتی کی دعا چاہئے تمہیں

۷۸

صدقے ہیں ابن فاطمہ پر مجھ سے سو غلام
دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
کیا اشک خون بہا کے بگاڑو گی میرا کام
ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہے صبر کا مقام
پوچھیں حضور گر کہ تمہیں کیا قبول ہے
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے

۷۹

دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار
آداب شہ سے چپ ہیں نہیں کوئی بیقرار

رہ جائے بات امر وہ کرتے ہیں ہوشیار   دنیا ہے بے ثبات زمانہ ہے بے مدار
کب ایسے تفرقے ہوئے ایک ایک آن میں
صاحب سدا ابھی کوئی جیا ہے جہان میں

۵۸۰

قاسم کو دیکھو جانبِ کبرا کرو نگاہ   گذری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ   کیا صابرہ ہے دخترِ شبیر واہ واہ
سہتی ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونے کی
آواز بھی بلا کوئی سنتا ہے رونے کی

۵۸۱

آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بیبیاں   ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جاوے دل مگر نہ اٹھے آہ کا دھواں   اُف کیجیو نہ منہ سے جو پہنچے لبوں پہ جاں
چرچا ہو یہ کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
چھوٹی بہو علی کی بڑا نام کر گئی

۵۸۲

شوہر نے یہ کلام کئے جب بچشمِ تر   چپ ہو گئی وہ صاحبِ عصمت جھکا کے سر
ہتھیار سج کے حضرت عباس نامور   آئے قریب بخت دلِ سید البشر
صدمہ سے رنگِ سبطِ نبی زرد ہو گیا
کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا

۵۸۳

جوں جوں قریب آتے تھے عباسؑ نامور — بیتاب تھے حسینؑ سنبھالے ہوئے جگر
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر ادھر ادھر — جینے نہ دیگا آہ ہمیں صدمۂ کمر
ہے زیست تلخ فاطمہؑ کے نور عین کو
زینبؑ کہاں ہو آکے سنبھالو حسینؑ کو

۸۴

سب گھر کی بیبیوں کو کہو میرے پاس آئیں — بانو کہاں ہیں زوجۂ عباسؑ کو بلائیں
گودی میں تشنہ کام سکینہ کو جلد لائیں — کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں سب آکے دیکھ جائیں
یہ نوجواں سنبھالے گا جس دم مروں گا میں
عباسؑ سے ہر اک کی سفارش کروں گا میں

۸۵

یہ سنکے ساری بیبیاں آئیں بحال زار — بوسے قدم پہ جھک کے یہ عباسؑ نامدار
اے آفتابِ عالمیاں نورِ کردگار — ہل من مبارزی کا ادھر غل ہے بار بار
ہیں ذرہ پروری کے چلن آفتاب میں
آقا یہ دیر کس لئے خادم کے باب میں

۸۶

لڑلونے معرکوں میں گئے اپنے اپنے کام — کیا میں غلام خاص نہیں بادشاہ انام
ایسا کوئی دن اور بھی ہووے گا یا امام — کس کام کا جو آج نہ کام آئیگا غلام
مشکل ہے ایسے وقت میں رکنا دلیر کا
آخر پسر ہوں شیرِ الٰہی کے شیر کا

٥٨٧

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادم ابی جناب   خوش ہوتی خاکسار سے روح ابوتراب
اب منہ ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب   زہرا سے بھی حجاب ہے شبیر سے بھی حجاب
اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤں گا
مولا بتائیے کسے پھر منہ دکھاؤں گا

٥٨٨

ساتھ آپ کے سہوں گا نہ گر قتل کی جفا   مجھ سے رسول پاک خوشی ہونگے یا خفا
بیزار کیوں نہ ہوگا دل شاہ قل کفیٰ   پھر فاطمہؑ کہیں گی مجھے صاحب وفا
مرنے کا خطر نہ جینے کا مطلق قرار ہے
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

٥٨٩

پالا ہے مجھ کو یا شہ دلگیر آپ نے   کی ہے ہمیشہ پیار سے توقیر آپ نے
بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپ نے   بخشی ہے سب میں عزت و توقیر آپ نے
وقت مدد ہے آج بھی امداد کیجئے
بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجئے

٥٩٠

گردن ہلا کے شہ نے کہا آہ کیا کروں   مشکل ہے سخت اے مرے اللہ کیا کروں
جینے نہ دیگا اسے مرے اللہ کیا کروں   چھٹتا ہے اب برادر ذی جاہ کیا کروں
دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہو گئی

سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہو گئی

۹۱

غازی نے رکھدیا قدم شاہِ دیں پہ سر بولے گلے لگا کے شہنشاہ بحر و بر
اے تن کی جان اے سبب قوت جگر یوں ہے خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے
اچھا تمہارا کوچ مرا یا تراب ہے

۹۲

روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری سب وقتے مشک دوش مبارک پہ جب دھری
اک آہ سرد زوجۂ عباس نے بھری صدمہ سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
سر سے ردا اتھی دوش تلک آکے گر پڑی
بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

۹۳

نکلا وہ شیر خیمہ سے باہر علم لئے مجرے کو آئی فتح سپاہ حشم سے لئے
جرأت نے بڑھ کے بوسۂ تیغ دو دم لئے نصرت نے چوم چوم کے ظفر نے قدم سے لئے
خورشید کا جمال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا

۹۴

آیا سجا ہوا وہ براق سمند سیر تھا خود کھڑا وہ اڑنیکو تیار مثل طیر
ہوتا تھا اس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر الحق سپاہ شر اسے رہ کے تو یہ بخیر

صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
ڈھونڈھے بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

۹۵

وہ زیب زین فرس کی وہ زینت اور پھبن
زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دلہن
چشم سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن
سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
پاکھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا جسم تھا

۹۶

رکھا قدم رکاب میں حیدر کے لال نے
نعلین پا کو فخر سے چوما ہلال نے
بخشی جو صدر زیں کو ضیا خوش جمال نے
دُم کو جو تر کیا فرس بے مثال نے
کس ناز سے وہ رشک غزال ختن چلا
طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا

۹۷

خوشبو سے ارض پاک یا صحن جناں بنی
گرد اُڑ کے غازۂ رخ لیلیٰ وشاں بنی
جلوہ سے راہِ دشتِ بلا کہکشاں بنی
ذرّے بنے نجوم زمیں آسماں بنی
سُم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے
نقشِ سُمِ فرس سے ہزاروں ہلال تھے

۹۸

وہ دبدبہ وہ سطوت شاہانہ وہ سیاب
تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب

وہ رعب حق کہ شیر نیستاں کا زہرہ ہو آب — صولت میں فرد فقر جرأت میں انتخاب
قدرت میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علیؑ کے ہیں

۹۹

پہنچے جو دشت کین میں اٹھاتے ہوئے فرس — گھوڑے کو ہاتھ اٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
دیکھیں صفیں جمی ہوئی جس جا پہ پیش و پس — نعرہ کیا کہ ٹھہرو یہ جانے کی ہے ہوس
روکے گا جو وہ موت کے پنجہ میں آئیگا
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائیگا

۱۰۰

بولے یہ بڑھ کے فوج مخالف سے پہلواں — دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکر گراں
یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں — ہاں آئیے تو کھینچ کے تیغ شرر فشاں
بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
سر پھینک دینگے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

۱۰۱

سنتے ہی یہ جلال میں آیا علیؑ کا لال — نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے کیا مجال
یہ موریچے ہیں کیا ہمیں جن کا ہو کچھ خیال — اک دم میں چیونٹیوں کی طرح ہونگے پائمال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

۱۰۲

روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو　　لے تیغ میاں سے جو شجاعت کسی میں ہو
گر پائے رخش کو جو جرأت کسی میں ہو　　آئے جو حرب ضرب کی قدرت کسی میں ہو
وہ ہاتھ ہیں علیؑ کے پسر وہ ابد بار ہے
دریا بغیر کر رگ گیا ہم وہ ذوالفقار ہے

۱۰۳

تم کیا ہو اڑ پیچ میں گر ہو تو ٹال دیں　　شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
مہلت نہ ایک دم کو جنگ و جدال دیں　　پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑوں کو ڈال دیں
منہ دیکھتے ہیں جو ہیں نگہبان گھاٹ کے
لیجائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

۱۰۴

سرکش ہیں سب جہاں کے زبردست ہیں یہ زیر　　ہم داد شجاعت ہیں جواں مرد ہم دلیر
جب ان پڑا ہے کر دیئے ہیں خیبروں کے ڈھیر　　لائے ہیں جا کے آگے پانی خدا کے شیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
بیر العلم میں کود کے تلواریں ماری ہیں

۱۰۵

جرأت جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں　　سرکاٹتے ہیں برق کے تیغوں کی آب میں
لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں　　فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
ناصر ہیں بارگاہ فلک بارگاہ کے
دفتر الٹ دیئے ہیں عرب کی سپاہ کے

۱۰۶

بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہی چین کب گرمی سے پیاس کی کئی بچے ہیں جاں بلب
اصغر کو گودیوں میں تشنج کئی ہے شب کیا وقت ہے حسین کے بچوں پہ ہے غضب
لالے پڑے ہوئے ہیں سکینہ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھاتے تھے سوکھی زبان کے

۱۰۷

عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور نہر آب سقے بنے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہ سے نشان فوج ہمیں بھی مل گیا
طوبیٰ کے ساتھ چشمہ کوثر بھی مل گیا

۱۰۸

یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے نیزے اٹھا کے شیر کے منہ پر شریر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثل شہ قلعہ گیر آئے گیتی ہلی غضب میں جناب امیر آئے
گھوڑا اڑا پروں کو سواروں کے توڑ کے
لپکی صفوں پہ سیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

۱۰۹

آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرس تیز گام تھا ششدر تھی موت چار طرف قتل عام تھا
اس غول پہ کبھی تھی کبھی اس قطار پہ

پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پہ

۱۱۰

وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ راہوار کی　　رفرف کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
شوکت سوار میں شہ دلدل سوار کی　　حملوں میں شان سب اسد کردگار کی
چتون وہی غضب وہی بیباکیاں وہی
پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی

۱۱۱

توڑا یہ مورچہ یہ صف الٹی ادھر پھرے　　تلوار خوں میں آپ پسینے میں تر پھرے
یوں خاک پر گرا کے لعینوں کے سر پھرے　　جیسے شکار کھیلے ہوئے شیر نر پھرے
تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سرخ سرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

۱۱۲

منہ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رخ کیا　　یاں سے وہاں گئے اسے مارا اسے لیا
باقی رہے ہزار میں سو دس میں اک جیا　　اللہ رے دم لہو یہ ہوا تیغ نے پیا
اس پہ بھی تشنگی کو نہ تسکین ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اس کے بھری ہوئی

۱۱۳

بیشک تھا ان کا ہاتھ امیر عرب کا ہاتھ　　پہنچا وغا میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
آتی اجل اٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ　　شیر خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ

بازو پہ آئی تیغِ دو دم شانہ کاٹ کے
پہنچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

۱۱۴

چلتا تھا شل [illegible] ہاتھ — ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
ان کی [illegible] شانہ ان کے ہزار ہاتھ — کاٹے تھے سب کو تیغِ دو دستی کے چار ہاتھ
آوازہ [illegible] جہت میں تکبیر و نبرد کی تھی
اللہ کا کرم تھا مدد پنجتن کی تھی

۱۱۵

نعرہ جدا صدائے تکبیر و بیدہ جدا — گوشہ کماں سے دور تھے گوشوں سے زہ جدا
بکتر جدا زمیں پہ ٹکڑے زرہ جدا — نیزوں کو دیکھئے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

۱۱۶

جس کی طرف نظر دمِ جنگ و جدل پھری — کچھ ہٹ کے تیغ سے اسی جانب اجل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری — تلوار بھی گلوں کی طرف برمحل پھری
ایسے جری سے کس کو مجال مصاف تھی
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

۱۱۷

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں — ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں

سر بچگیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں　　چمکی گری تو آٹھ ہو گئے چار ہاتھ پاؤں

چلائی روح تیغ پھر آئی نکل چلو

بولی اجل اب اٹھ کے تو پنجوں کے بل چلو

۱۱۸

تیرے اُدھر قلم تو اِدھر برچھیاں قلم　　ترکش دو نیم ٹکڑے کمانیں نشاں قلم

ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم　　منہ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم

جب سن سے سر پہ آئی کسی بدخصال کے

گویا سموم چل گئی پھولوں سے ڈھال کے

۱۱۹

کی جس نے سرکشی وہیں فتنہ فرو ہوا　　ظالم ہزار میں تھا جو یکتا وہ دو ہوا

افشا لہو سے شیر کا دست نکو ہوا　　ٹھنڈا وہی تھا جنگ پہ سرگرم جو ہوا

تھا خاتمہ سپاہِ جہنم مقام کا

شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

۱۲۰

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار　　تھے اس کے ہاتھ سے دل چار آئینہ فگار

عاری تھیں منہ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار　　خود اپنے سر ٹپکتے تھے گر گر کے بار بار

پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا

ہے آج تک زرہ کا کلیجہ چھنا ہوا

۱۲۱

مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس　　بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضہ کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس　　کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
نیزے نہ تھے سناں پہ نہ پرچم نشاں پہ
پیکاں نہ تیر پہ تھے نہ چلّے کماں پہ

۱۲۲

نہ وہ علم سیاہ نہ وہ روسیاہ تھے　　تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے
بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے　　سب چھاؤنی اجاڑ تھیں محلے تباہ تھے
دکھلا دیا تھا خالق اکبر نے قہر کو
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

۱۲۳

بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے　　اس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
ہر جا یہ تیغ شعلہ فشاں سد راہ ہے　　اس معرکہ میں کوہ بھی گم مثل کاہ ہے
جنات ڈر کے ہاتھوں سے منہ ڈھانپتے ہیں آج
میں کیا ہوں جبرئیل کے پر کانپتے ہیں آج

۱۲۴

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہ لعین ہٹی　　یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمین ہٹی
سمجھے جبال مہر کہیں سے کہیں ہٹی　　دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے اک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتی گردوں پہ چڑھ گیا

۱۲۵

اللہ ری جنگ شبیرِ سلیمانِ کربلا — چیونٹی بھی مورچوں میں تھی آدمی تو کیا
پہونچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا — کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قوم اشقیا
اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

۱۲۶

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہیں وہ بند و بست — کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست
کیا ہو گئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست — کیوں سر بلند کون ہے اس وقت کون پست
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اڑائے ہیں
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑکے آئے ہیں

۱۲۷

دنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے — فاقے میں شیر بھی ہو مقابل تو منہ کی کھائے
کس دبدبے سے جوہر تیغ علی دکھائے — اب کچھ الم نہیں اجل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے
شیر دل نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے

۱۲۸

لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس — چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھائیں پیاس
پر نہر ہے بغیر شہ آسماں اساس — مرتے ہیں آبرو پہ جوانانِ حق شناس
آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے

بے ان کے آبِ خضر بھی ہووے تو خاک ہے

۱۲۹

فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں گویا کہ خضر اتر گئے آبِ حیات میں
دریا دلا یہ کون ہوا کائنات میں تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں
سیراب جب تلک کہ شہِ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

۱۳۰

گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
آجاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب کہتا تھا منہ کو پھیر کے وہ آسماں جناب
عباسؑ آبرو میں ابھی فرق آئے گا
پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائے گا

۱۳۱

دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام امڈی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہِ شام
یوں تیغ و تبر نکلتا تھا وہ آسماں مقام ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کے مہ تمام
موجیں تھیں رودِ نیل کی فوجوں کا دل نہ تھا
پروا رہے جو اس کہ ایر و پیل نہ تھا

۱۳۲

جلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغ برق دم کاندھے پہ مشکِ آب تھی پنجہ میں تھا علم
دامن سے لگ کے ہاتھ الجھتا تھا دم بدم کرتا تھا جا بجا تگ و دو اسپ خوش قدم

اُڑ اُڑ کے برچھیاں جو اُترتا تھا کھیت میں
گھوڑی کے چاروں پاؤں در آتے تھے ریت میں

۱۳۳

جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سن کے تیر — کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر
چلّا رہا تھا شمر جفا پیشہ و شریر — جانے نہ پائے لختِ دلِ شاہِ تشنہ گیر
رُخ اس جری کا خیمہ کی جانب سے موڑ دو
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینہ کو توڑ دو

۱۳۴

سن کر زبان رازیِ شمرِ ستم شعار — عباسؑ تشنہ پر جھپٹتے تھے بار بار
تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار — توڑی اگر یہ صف تو کھڑی دوسری قطار
تنہا سنبھالے مشک و علم یا وغا کرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے

۱۳۵

مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر — دریا کے گھاٹ پر جو ہزاروں تھے حملہ ور
کھائے ادھر سے زخم جو کی اس طرف نظر — کس کس پہ تیغ وار کرے دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینہ پہ سو تیر چل گئے
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

۱۳۶

سینہ سپر تھا مشک پہ روکے ہوئے تھے ڈھال — لڑنے میں بھی حسینؑ کے بچوں کا تھا خیال

کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوش خصال   فرزند کو سنبھالئے یا شیر ذوالجلال
جا پہنچوں مشک لیکے جو تھوڑی سی راہ ہو
ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

۱۳۷

یہ کہتے تھے کہ چھٹ پڑا لشکر شریر   بس چور ہو گیا پسر شاہ قلعہ گیر
آ کر لگا میانِ دو ابرو جو ایک تیر   تیورا گیا علیؑ ولی کا مہ منیر
چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رک گئے
پھیلا کے ہاتھ مشک سکینہ پہ جھک گئے

۱۳۸

اب یاں تو خاتمہ ہے سنو اس طرف کا حال   ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسول خدا کا لال
غم سے کمر جھکی ہوئی سرخ زرد چہرہ نڈھال   یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقتِ انتقال
گر گر کے اٹھے تڑپے ادھر سے ادھر گئے
تب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

۱۳۹

فریاد کر کے دل کبھی تھاما جگر کبھی   پکڑی طناب خیمہ کی گہ اور کمر کبھی
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی   روئے بسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہرا کی جائی کے
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

۱۴۰

فرماتے تھے کہ راہ کے اکبر سے بار بار ۔ شانے دیا تو ای علی اکبرؑ میں پر نثار
کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار ۔ بازو کا زور لیگئے عباسؑ نامدار
واحسرتا کہ بیکس و بے یار ہو گئے
ہر کس سے پاؤں ہاتھ تو بیکار ہو گئے

۱۴۱

چلاتے تھے کہ جان برادر کی پھر کے آؤ ۔ پہونچا ہے دم لبوں پہ بہن آکے دیکھ جاؤ
بھیا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ ۔ عباسؑ ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
پیاری تمہاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے
لو تم کو ڈھونڈھنے کو سکینہ نکلتی ہے

۱۴۲

حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہکے بصد ملال ۔ خیمہ میں غش ہے زوجۂ عباسؑ خوش خصال
ڈیوڑھی میں اہلبیت ہیں سب کھولے سر کے بال ۔ پردہ سے منہ نکالے ہیں اطفال خوردسال
لب اُن کے اودے اودے ہیں منہ گورے گورے ہیں
آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

۱۴۳

کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر ۔ اب پانی لیکے آتے ہیں عباسؑ نامور
حضرت سے پوچھتی ہے سکینہ بچشم تر ۔ میرے چچا کب آئیں گے یا شاہ بحر و بر
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئینگے
بہلاتے ہیں حسینؑ کہ بی بی اب آئیں گے

۱۴۴

گھیرے ہیں لاکھ ان کو ستمگار ہائے ہائے — مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
وہ کہتی ہیں یہ پانی سے گذری نہ مشک آئے — ہے ہے بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
رکھے خدا جہاں ہیں علیؑ کی نشانی تو
میں کیا کرونگی آگ لگے ایسے پانی کو

۱۴۵

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے ادھر — تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہ بحر و بر
چلائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہل شر — حضرت کہاں ہیں مر گئے عباسؑ نامور
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

۱۴۶

افشاں ہے سر کی خون کے چھینٹوں سے نشاں — عباسؑ کانپ جاتی تھی جھکتا تھا جب نشاں
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشاں — کیوں اے حسینؑ کون اٹھائیگا اب نشاں
لاش ان کی پائمال ہوئی زخم تیغ سے
جن میں علیؑ کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

۱۴۷

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار — آقا تمام ہوتا ہے یہ عبد جاں نثار
تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکی ہے جان زار — اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں

حضرت کی والدہ مرے بیٹے کو آئی ہیں

۱۴۸

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان گھر لٹ گیا ہے خاک اڑاتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان
دست شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیّا ہمیں تو اکبر مہ رو سنبھالے ہیں

۱۴۹

دیکھا جو در سے بنت علیؑ نے یہ شہ کا حال ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے سر کے بال
چلائی کون قتل ہوا اے علیؑ کے لال مڑ کر کہا حسینؑ نے عباسؑ خوش خصال
دریا پہ فوج شام نے مارا دلیر کو
زینب اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

۱۵۰

خورشید مشرقین زمانہ سے اٹھ گیا حیدر کا نور عین زمانہ سے اٹھ گیا
وہ عاشق حسینؑ زمانہ سے اٹھ گیا زینب ہمارا چین زمانہ سے اٹھ گیا
آتا نہیں قرار دل بے قرار کو
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گذار کو

۱۵۱

اکبر کو ہاتھ اٹھا کے پکاری وہ سوگوار ہے ہے حسین ہو گئے بے یار و غمگسار
ماتم جوان بھائی کا ہے تم پہ میں نثار اکبر خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار

گرنے لگیں تو حیدر صفدر کا نام لو
بیٹا پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو

۱۵۲

اکبر پدر کو تھامے ہوئے نہر پہ جو لائے ‏ ‏ غلطاں لہو میں بازوئے سرور کے ہاتھ پائے
چلّاتے ہیں یہ شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے ‏ ‏ فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
رولیں گلے لگا کے تن پاش پاش کو
اکبر ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو

۱۵۳

اکبر نے شہ کے ہاتھ کو پکڑا بصد بکا ‏ ‏ رکھّے جھکا کے سینہ پہ اور رو کے یہ کہا
لیجے یہی ہے لاشِ علمدار باوفا ‏ ‏ چلّائے جھک کے لاش پہ سلطان کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسینؑ کو
بھیّا ذرا گلے سے لگا لو حسینؑ کو

۱۵۴

عباس ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہے غضب ‏ ‏ ریتی پہ دو طرف یہ تمہارا لہو ہے سب
لوٹا ہمیں رسول کی امت نے بے سبب ‏ ‏ بھیّا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مر جائیں گے جلا دو ہمیں منہ سے بول کر
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

۱۵۵

کیوں خاک پر دھری ہے یہ خون میں تر ‏ ‏ آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمہارا سر

لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ ادھر ادھر ثابت ہوا کہ جلد ہے دنیا سے اب سفر
ہے ہے دلیل مرگ ہے لکنت زبان کی
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہے جان کی

۱۵۶

غش میں سنی جو گریۂ شبیر کی صدا چونکے تڑپ کے حضرت عباس باوفا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبط مصطفےٰ اس پیار کے نثار اس الطاف کے فدا
زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوا کی کو
گویا رسول آئے ہیں مشکل کشائی کو

۱۵۷

یہ کہہ کے رخ پہ شہ کی طرف کی نظر بغور جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کہو کچھ اور
تڑپا قدم پہ شہ کے وہ مقتول ظلم و جور تین ہچکیاں بگڑنے لگے تیور و رخ کے طور
پتھرا کے چشم اشک فشاں بند ہو گئی
تھرا کے دونوں ہونٹھ زباں بند ہو گئی

۱۵۸

قدموں کو کھینچ کر جو کراہا وہ تشنہ کام گودی میں پاؤں لیکے دبانے لگے امام
آفا سے جانکنی میں نہ کچھ کر سکے کلام تھرائی لاش مر گئے عباس تشنہ کام
گردن پھری ہوئی سوئے سبط نبی رہی
سوکھی زبان دانتوں کے نیچے دبی رہی

۱۵۹

ہاں قوم مومنو یہ بکا کا مقام ہے — تم میں شریک ضریح رسولؐ انام ہے
یہ رخصت حسین علیہ السلام ہے — تاریخ آٹھویں ہے محرم تمام ہے
مومن آج تو شریک عزا کون ہوئیگا
جو سال بھر جئیگا وہ پھر شہ کو روئیگا

۱۶۰

آگے تمہارے مرتے جو عباس با وفا — پرسا نہ دیتے سبط رسول خدا کو کیا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہ کربلا — تیرہ ابھی نہ گے سر پہ قیامت کر دیا
سمجھو شریک بزم شہ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پرسا حسین کو

۱۶۱

اٹھو سروں کو ہوتا ہے اب مرثیہ تمام — لپٹو ضریح پاک سے کہہ کہہ کے یا امام
رخصت ملے ہے باپ سے اکبر سا لالہ فام — خاموش ہیں حسینؓ نہیں کرتے کچھ کلام
مقتول ظلم و جور ہے ان میں یا فاطمہ
ہوتا ہے پنجتن کا کوئی دم میں خاتمہ

۱۶۲

بس اے انیس روک لے اب خامہ کی عناں — یہ غم ہے جانگزا نہ کبھی ہوئیگا بیاں
آنکھوں سی سامعین کے بھی اشک ہیں رواں — خالق سے عرض کر کہ اے خلاق انس و جاں
آنکھوں سے مس کروں میں مزار بتول کو
دکھلا دے جلد مرقد سبط رسول کو

۱
مرثیہ

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گلزارِ شب خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

۲

چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم
مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

۳

وہ صبحِ نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہرسو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

۵۴

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں   تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤس آسماں
ذرّوں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں   نہر فرات بیچ میں تھی مثل کہکشاں

ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارش باران نور تھی

۵۵

اوج زمیں سے پست تھا چرخ زبرجدی   کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمردی
ہر خشک و تر پہ تھا کرم بحر سرمدی   بے آب تھے مگر دُر دریائے احمدی

روکے ہوئے تھی نہر کو امت رسول کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتول کی

۵۶

وہ پھولنا شفق کا وہ بینائے لاجورد   مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد   یہ خوف تھا کہ دامن گل پر پڑے نہ گرد

دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

۵۷

تھا بسکہ روز قتل شہ آسماں جناب   نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرہ پہ آفتاب
تھی نہر علقمہ بھی خجالت سے آب آب   روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی

ساحل سے سر ٹپکتی تھیں موجیں فرات کی

۸

تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ　　سر سو جا رہا تھا صفیں شمرِ رو سیاہ
گیتی کو تہلکہ تھا یہ تھی کثرتِ سپاہ　　ممکن نہ تھا کہ ہو گذرِ طائرِ نگاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر
طوفانِ آبِ تیغ اٹھا تھا فرات پر

۹

اک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر　　لچکا رہے تھے ڈانڈ سوارانِ خیرہ سر
وہ بوریاں جو سنگ کے دل میں کریں گذر　　انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
تھا اک گلا تو خنجرِ بے پیر کے لئے
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ شبیر کے لئے

۱۰

ناوک فگن لئے ہوئے حلقے کمان کے　　چلاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دشمن ہیں پادشاہِ دو عالم کی جان کے　　دم لیں گے جسمِ شاہ کو تیروں سے چھان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمد کی آل کا
ریتی پہ خوں بہائیں گے زہرا کے لال کا

۱۱

جب بندھ چکیں صفیں تو علم کھل گئے تمام　　غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ انام
حلقے میں اہلِ بیت کے روتے تھے یاں امام　　لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام

بکھرے ہوئے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے
ٹپکے ہیں شاہ دیں کے سکینہ کے ہاتھ تھے

۱۲

زینبؑ بلک رہی تھی پریشاں تھے سر کے بال
نعلین کا نہ ہوش نہ چادر کا تھا خیال
سینہ کبود چاک گریباں شکستہ حال
کہتی تھی مجھ پہ رحم کر اے فاطمہؑ کے لال
پوچھے گا کون ساتھ چھٹے گا جو آپ کا
نہ ماں کا آسرا ہے مجھے اب نہ باپ کا

۱۳

زینبؑ کے اضطراب پہ شہ رو کے زار زار
فرمایا اے بہن تری الفت کے میں نثار
یاد آ گیا حسینؑ کو اس وقت ماں کا پیار
لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
واللہ اپنے قول کا ہر دم خیال ہے
بھیا حسینؑ مخبر صادق کا لال ہے

۱۴

بچپن میں جو زباں سے کہا ہے کریں گے ہم
کھائیں گے تیر ظلم لہو میں بھریں گے ہم
حلق اپنی زیر خنجر قاتل دھریں گے ہم
امت کے بخشوانے کو دنیا سے مریں گے ہم
اب ہاتھ اٹھاؤ فاطمہؑ کے نور عین سے
ہوگی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

۱۵

یہ سن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر
لپٹا لیا گلے سے بہن کو بچشم تر

روکر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر　　زینب خدا کے واسطے پیٹو نہ اپنا سر
خاصان حق کا خلق میں رتبہ بلند ہے
صابر رہو کہ صبر خدا کو پسند ہے

۱۶

فرما کے یہ سکینہ کے منہ پر نگاہ کی　　گودی میں لے لیا اسے اور دل سے آہ کی
بولی بلائیں لیکے وہ رخسار شاہ کی　　سمجھی ہیں آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
روتا ہے بے سبب نہیں منہ موڑ موڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے

۱۷

معلوم ہو گیا کہ نہ اب آئیگا آپ　　چھاتی پہ سونے والی کو نہ پائیگا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ پھر پائیگا آپ　　میں اپنی جان دونگی اگر جائیگا آپ
فرقت میں مجھکو جی سے گذرنا قبول ہے
اچھا سدھارو گھر مرا مرنا قبول ہے

۱۸

منہ چوم کے یہ کہنے لگے شاہ خوش خصال　　صدقے عقیق لب پہ ترے فاطمہ کا لال
معلوم ہے حسین کو بی بی تمہارا حال　　کیونکر نہ روؤں میں کہ قلق ہے مجھے کمال
ان برگ گل کے ہونٹوں کے صدقے امام ہو
سولہ پہر ہوتے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو

۱۹

تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں کے پاس جاؤ
سوکھی زباں دکھا کے نہ شبیرؑ کو رلاؤ بی بی دعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اٹھاؤ
حق سے کہو بتولؑ کے جانی پہ رحم کر
یا رب ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر

۲۰

ناچار شہ کی گود سے اتری وہ رشکِ حور روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پھیلی زمیں پہ روشنیٔ آفتابِ نور پڑھنے لگے درود رفیقانِ ذی شعور
چوما دیے پائے امامِ انام کو
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

۲۱

حق کے ولی مصاحبِ سردارِ انس و جن کوئی جواں کوئی متوسط کوئی مسن
فاقوں میں باحواس لڑائی میں مطمئن کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قرباں ہوں حسینؑ پہ رن میں تو عید ہو

۲۲

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ جس کی صفا کو دیکھ کے ہو آئینہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا ابھی کہیں تو الٹ دیں زمین کو

۲۳

تھے اک طرف عزیز شہ آسماں وقار
تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسف بھی بیقرار
تھا نیا نیا زمیں فروش بہادر وفا شعار
ایک ایک ونق چمنستانِ روزگار
ہر چند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

۲۴

خلق و مروّت حسنی ان پہ ختم تھی
حُسن ان پہ ختم گلبدنی ان پہ ختم تھی
زور ان پہ ختم تیغ زنی ان پہ ختم تھی
ہر معرکہ میں صف شکنی ان پہ ختم تھی
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے دلیر تھے
جس میں علیؑ رہے اُسی بیشہ کے شیر تھے

۲۵

ان سب گلوں میں اک علیؑ اکبر سا گلبدن
تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
رخسار تھے بہم تھے جو گیسو تھے پر شکن
حیراں تھے سب کہ مل گئے گیسو مگر جلے چمن
سرخی تھی لب پہ گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو غور سے تو یمن بھی قریب تھا

۲۶

کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ دمبدم
عرصہ ہے کیا سوار ہوں اے قبلۂ امم
آمادہ وغا ہے ادھر لشکرِ ستم
دشمن اگر بہت ہیں تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد برقِ تیغ سے جل جائیں تو سہی

دب دب کے مورچوں سے نکل جائیں تو سہی

۳۷

کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب　　صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
دو روز سے ملا نہیں میرے حسین کو آب　　جی بھر کے دیکھ لوں علی اکبر ترا شباب
طاقت نہیں کلیجہ میں شیروں کے داغ کی
پیارے ہیں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

۳۸

قربانِ احتشامِ علمدارِ حق شکوہ　　لرزاں تھا جس جری کے تہور سے دشت و کوہ
سردارِ صفدروں کا دلیروں کا سرگروہ　　حمزہ کا دبدبہ اسد اللہ کا شکوہ
دل کانپتے تھے دیکھ کے تیور دلیر کے
گویا سپاہِ شام تھی پنجہ میں شیر کے

۳۹

اک سو چراغِ محفلِ شبیر تھا جلوہ گر　　روشن تھے جس کے چہرۂ انور سے دشت و در
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر　　تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ شیرِ نر
جرأت نثار ہوتی تھی اس سرفروش پر
شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر

۴۰

تلوار تولتے تھے وہ دستِ حنائی میں　　کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اس لڑائی میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا صفائی میں　　اختر کی ضو دکھاتا ہے کنگنا کلائی میں

ساعد فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں آئینہ ماہ کو

بند ۳۱

تھے پہلوئے حسین میں بیٹھے دونوں لال — گویا قریب مہ کے تھے دو نجم بے مثال
کاندھوں پہ پیچھے نظر آتے تھے دو ہلال — ظاہر تھا چتونوں سے ید اللہ کا جلال
نو دس برس کا سن تھا مگر کیا دلیر تھے
بچے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے شیر تھے

بند ۳۲

دونوں یتیم حضرتِ مسلم تھے کیا عقیل — حاضر تھے بادبِ عقبِ سرورِ جلیل
آپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل — ہم کوفیوں کو ماریں گے عمریں ہیں گو قلیل
گھر سے طلب کیا تھا اسی اعتقاد پر
لعنت خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر

بند ۳۳

مہماں سے یہ سلوک مسافر سے یہ دغا — یہ ظلم اک غریب پہ بیکس پہ یہ جفا
لیجا کے بام پہ سرِ انور کیا جدا — خندق میں تن کو پھینک دیا وا مصیبتا
ایسی کبھی وکیل پہ آفت پڑی نہیں
سنتے ہیں ہم کہ لاش کبھی اب تک گڑی نہیں

بند ۳۴

اس فوج میں یقیں ہے کہ ہوویں وہ رو سیاہ — مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بیگناہ

منت پہ اُن غریبوں کی مطلق نہ کی نگاہ　　سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لئے سنگدل نے آہ
باتیں ابھی تو کشتہ تیغ دو دم کریں
ہم نیمچوں سے ہاتھوں کو اس کے قلم کریں

۳۵

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گلعذار　　جو صدر زیں پہ مصدر رحمت ہوا سوار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار　　آگے بڑھے علم لئے عباسؑ نامدار
پھولا ہوا چمن تھا امام اُمم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

۳۶

اللہ رے فیض جلوۂ ابن شہ نجف　　رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعت شرف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جماعتی صف　　بس یک بیک بجا دہل جنگ اس طرف
گیتی لرز گئی دل اوتاد ہل گئے
تیر ستم کمانوں کے چلوں سے ہل گئے

۳۷

لشکر سے تب بڑھا پسر سعد چند گام　　چلّے میں رکھ کے تیر یہ سب سے کیا کلام
شاہد رہیں تمام دلیران فوج شام　　میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوئے امام
ہے شاق مجھ کو خلق میں جینا حسینؑ کا
کیا شاد ہوں ہدف ہو جو سینا حسینؑ کا

۳۸

لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر   یکبار فوج شہ پہ چلے دس ہزار تیر
بیجاں ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر   لاشوں پہ ان کے رو دیے امامِ فلک سریر
افتادہ خاک و خوں میں وہ اہلِ تمیز تھے
ہاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

۳۹

جس وقت خاتمہ رفقا کا ہوا بخیر   تھے پھر تو سب عزیز نہ تھا ان میں کوئی غیر
روتے تھے حال نحر سلیماں پہ وحش و طیر   کرنے لگے عزیز بھی ملک عدم کی سیر
ماتم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے
تیغوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقیل کے

۴۰

راہی سوئے عدم ہوئے جس دم وہ ذی پدر   نکلے وغا کو زینبِ ذی جاہ کے پسر
مانندِ شیرِ خشمگیں کے تھے چلے ادھر ادھر   کٹ کٹ کے نیمچوں سے گرے سرکشوں کے سر
الٹیں صفیں جدھر وہ دمِ جنگ پھر گئے
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

۴۱

ناگاہ گھر میں آ کے فضہ نے دی خبر   لو کام آ گئے زینبِ ناشاد کے پسر
رن میں گئے ہیں اکبر و عباس نامور   روتے ہیں بھانجوں کے لئے شاہِ بحر و بر
رن سے بہن کے بیٹوں کو شبیر لائیں گے
صف ماتمی بچھاؤ کہ لاشے اب آئیں گے

۴۳

دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل باشک و آہ — آنکھوں کے سامنے ہوئی بیدم وہ رشکِ ماہ
مردوں کو بھانجوں کے اٹھا لائے گھر میں شاہ — سر پیٹے اہلِ بیتِ رسولِ فلک پناہ
زینب مگر نہ روئی ادب سے امام کے
چپ چاپ رہ گئی کلیجہ کو ہاتھوں سے تھام کے

۴۴

باہر امام لے گئے لاشے اٹھا کے جب — غیرت کا جوش آ گیا قاسم کی ماں کو تب
مل مل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب — ہمشکلِ مصطفیٰ کہیں مرنے نہ جائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

۴۴

دل میں یہ سوچتی ہوئی اٹھی وہ خوش خصال — قاسم کو اپنے پاس بلایا بصد ملال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبیٰ کے لال — کچھ اس ضعیف ماں کی بھی غیرت کا ہے خیال
جاری ہیں اشکِ خوں مرے چشمِ پُرآب سے
زینب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

۴۵

گھر لٹ رہا ہے فاطمہ زہرا کا ہائے ہائے — دشمن وہ دوست ہیں جو نہ اس دکھ میں کام آئے
غیروں نے یاں حسینؑ کے قدموں پہ سر کٹائے — کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے

منہ دیکھتے ہو کیا تمہیں پالا ہے شاہ نے

۴۴۶

سب مر چکے امام دو عالم کے اقربا
باقی ہے کون اکبر و عباس کے سوا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا
ہمراہ کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا

تم بھی خجل رہو گے سدا حیدر کے سامنے
شرمائیں گے حسن بھی محمد کے سامنے

۴۴۷

جوہر دکھا کے دیتے ہیں مردانگی کی داد
کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد
جلدی دلہن کے سر سے سدھارو پئے جہاد
قربان ہو چچا پہ یہی ماں کی ہے مراد

بیاہا تمہیں بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں ہے آبرو مری

۴۴۸

مادر کے منہ کو دیکھ کے بولا وہ گلعذار
ایسے ہیں ہم کہ بیٹھے رہیں وقت کارزار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار
رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار

رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

۴۴۹

اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرور امم
رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
اماں فراز کشتہ ستم کی ہمیں قسم
میرا قدم ہے اب کوئی دم میں پئے علم

کیا دخل ہم سے آ گئے جو وہ شہسوار ہوں
عباسؓ ہوں کہ اکبرؓ عالی وقار ہوں

۹۵۰

یہ کہکے آ نے سر کو جھکا تو دلیکن پار پار
آنکھوں میں اشک درد کلیجہ میں دل اداس
فرمایا ہم کو ہاتھ یہ شادی نہ آئی راس
سب مر گئے عزیز شہنشاہ حق شناس
بستی تمام لٹ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا وہ عزاخانہ ہو گیا

۹۵۱

کس سے کہیں جو حال دل دردناک ہے
تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
اس زندگی پہ حیف ہے دنیا پہ خاک ہے
ایسا کوئی تو دم میں دم زہر الملاک ہے
آئی تباہی آل نبی کے جہاز پر
نرغہ ہے شامیوں کا امام حجاز پر

۹۵۲

تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد
آفت میں آج ہے پسر خیبر صمد
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روز بد
صدقہ کرو سہیں کہ بلا ان کی ہو وے رد
راضی رضائے حق پہ بصد آرزو رہو
حیدرؓ سے ہم تو کہتے ہیں تم سرخرو رہو

۹۵۳

واللہ قتل ہو گئے جو عباسؓ نامور
صدمہ سے ٹوٹ جائیگی شبیر کی کمر

اکبر خدانخواستہ مارے گئے اگر
مرجائیں گے تڑپ کے شہنشاہ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
کیا ہم پلے ہیں لاش اٹھانے کے واسطے

۵۴

سوچو تمہیں گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں
فریاد فاطمہ کی صدائیں سنا کریں
رخصت کرو تو فوجِ ستم سے وغا کریں
کھو ہو جو لعل اب تو گہر ہم فدا کریں
صاحب ہمیں سپرد عروسِ اجل کرو
مشکل کشا کی پوتی ہو مشکل کو حل کرو

۵۵

گھونگٹ اٹھا کے ہم کو دکھاؤ تو رخ کا نور
پاس آ نہ سکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں رقت کا ہے وفور
نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملتا ہے کیا ضرور
جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے
بلبل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

۵۶

صاحب بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب
ہم یوں ہیں جس طرح کہ سر آب ہو حباب
ایسی سواروی میں ٹھہرنے کی کب ہے تاب
کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب
رستہ ہے پر خطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو
منزل بہت کڑی ہے بہ جلدی روانہ ہو

۵۷

اک دم کی بھی ہمیں تو جدائی ہے تم سے شاق | کیا جانیے نصیب میں تھا صدمۂ فراق
لائی اجل کھینچ کے یہاں سوئے عراق | بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق
چپکی پڑی رہوں گی تنِ پاش پاش پہ
کیا بین بھی کروں گی نہ دولھا کی لاش پہ

۵۸

جب یہ سنے کلام تو جی سنسنا گیا | دل پہ چھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
منہ پہ دولھن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا | جوش بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
دولھا کو اتنی بات سنا کر اک آہ کی
صورت بتاتے جاؤ ہمارے بیاہ کی

۵۹

سمجھی کہ جیتے جی نہیں پھرنے کے رن سے تم | پیاسا گلا کٹا کے ملو گے حسن سے تم
سو جاؤ گے منہ چھپا کے لحد میں کفن سے تم | اچھا سلوک کرتے ہو صاحب دولھن سے تم
اک رات کی بنی پہ جفا یوں ہی چاہیے
اے شمع بزم مہر و وفا یوں ہی چاہیے

۶۰

فرمایا کیا کریں جو نہ روئیں بدرد یاس | نہ باپ کی نہ بھائی کی اور نہ چچا کی آس
مہماں ہیں جہاں میں کوئی دم کی حق شناس | سونپا تھا آپ کو سو رہے آپ بھی نہ پاس
وارث ہے کون پھر جو گلے سے کٹ گئے
تم کیا کرو نصیب ہمارے الٹ گئے

۶۱

میں کون ہوں بھلا جو کہونگی کہ تم نہ جاؤ
راضی ہیں ماں تمہاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اُجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ
نجد جائیگا ہمارے رنڈاپہ کا غم نہ کھاؤ
مسکن کرینگے رن میں تن پاش پاش پہ
ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پہ

۶۲

یہ باتیں سنکے رونے لگتے قاسم بحالِ زار
ہل من مبارزی کی صدا آئی ایکبار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گلعذار
موقع نہیں ہے دیر کا اُٹھو یہ ماں نثار
کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

۶۳

فرما کے الوداع اُٹھا دلبر حسن
برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
غل پڑگیا کہ لٹتی ہے اک رات کی دلہن
اسوقت سب سے دولہا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بیوہ زنِ بیوہ کے لال کی

۶۴

جاتا ہے سر کٹانے کو رن میں وہ شک ماہ
تو میں نے دودھ بخشا یا سب ہیں گواہ
دنیا میں یادگار رہا حشر تک یہ بیاہ
دو دن کا ندیں ایک جا ہوں بیٹھی مرضی الہ
سمجھے نہ اب کوئی کہ دلہن کی عزیز ہوں

کل تک تھی سپاس آج ہو اس کی کنیز ہوں

مطلع ثانی

۵۶۵

سب سے وداع ہو کے جو نکلا حسن کا لال
دیکھا کہ در پہ روتے ہیں ہر در بصد ملال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہکر وہ خوشخصال
دیجیے رضا حبیب مجھے بہر ذوالجلال
چلائی ماں کہ سبط پیمبر نہ روکیو
شبیر نے دی صدا کہ برادر نہ روکیو

۵۶۶

لپٹا کے اُس کو چھاتی سے بولے شہ اُمم
پیارے تمہارا داغ بھی دل پہ سہیں گے ہم
یہ پیش و پس ہے منزل ہستی میں کوئی دم
تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو دھار ہے خنجر کی دھار پر
ہر دم خدا کا فضل ہے اس خاکسار پر

۵۶۷

یہ کہہ کے دل قلق سے جو بھر آیا ایکبار
روتے مثال ابر شہ آسماں وقار
تھا آنسوؤں سے ہو گئی ریش خضاب دار
تسلیم کر کے قاسم گلرو ہوا سوار
دولھا کے نور رخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

۵۶۸

پہنچا جو رزم گاہ میں وہ غیرتِ قمر
نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا ادھر ادھر
بولے عدو یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر
خورشید خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اللہ ری چمک رخِ پر آب و تاب کی
سہرہ بنی ہوئی ہے کرن آفتاب کی

۶۹

کیوں وصفِ لعل لب میں حلاوت نہ پائے لب
ہے ہیچ خواں کو قند مکرر ثنائے لب
شیریں لبوں کے ہیں لب شیریں فدائے لب
دیکھے یہ لب تو یوسفِ مصری چھپا لے لب
ترکِ ادب ہے اس کی ثنا اس طریق سے
دھونا زباں کو چاہیے آبِ عقیق سے

۷۰

دنداں محیط نور کے ہیں گوہر خوش آب
براق اس قدر ہیں کہ ہے برق کو حجاب
اس سے مقابلہ کی نہیں اختروں کو تاب
بتیس موتیوں کی یہ سہرن ہے انتخاب
حیراں ہے چشم حور ظہور ان کا دیکھ کر
دانا درود پڑھتے ہیں نور ان کا دیکھ کر

۷۱

ناگاہ رجز پڑھنے لگے قاسم جری
عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
ہم حیدری ہیں ہم میں ہے زورِ غضنفری
ہم ہی ہیں اوج پایۂ اورنگ صفدری
شہرہ ہے حرب و ضرب میں تیغ قاطع عام کا
سکہ ہے شش جہت میں ہمارے ہی نام کا

۷۲

جد ہے مرا امیر عرب شحنۂ نجف ضرغام دیں معین رسولان ماسلف
دادی جناب فاطمۂ زہرا سی ذی شرف عمو حسینؑ صاحب لولاک کا خلف
ہیں پارۂ دل حسنؑ خوش خصال ہوں
ہیرے سے جو شہید ہوا اُس کا لال ہوں

۷۳

اُس کا پسر ہوں ہے یہ مصر و روم و شام گلزار فاطمہؓ کا ہے جو سرو سبز فام
واللہ اس کا لخت جگر ہوں ہیں تشنہ کام تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
جان اُس کی ہوں ہیں جس کو نہ جاگیر جد ملی
پہلو میں مصطفےٰ کے نہ جس کو لحد ملی

۷۴

ناگاہ فوج شام سے تیر ستم سے چلے تیر و سنان و نیزۂ و خنجر بہم سے چلے
قاسم بھی یاں سے کھینچ کے تیغ دو دم چلے اعدا پہ چھیڑ کر فرس خوش قدم چلے
پیدا ل تو اس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

۷۵

دُھالیں اٹھیں کہ دن شب یجور ہوگیا لامع جو برق تیغ ہوئی نور ہوگیا
حیراں ہر ایک ظالم مقہور ہوگیا چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہوگیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اس طرح مرگئے

گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اتر گئے

۷۶

تھا ابن سعد شوم کو اس دم بہت ہراس — غرق سلاح ارزق شامی کھڑا تھا پاس
اس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس — تو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رکتا ہے یہ برچھیوں سے نہ دام کمند سے
جلدی سناں پہ اس کو اٹھا لے سمند سے

۷۷

کہنے لگا کہ سے وہ باصد غرور و لاف — تو آپ ہے جو اس سے یہ تقصیر ہو معاف
یہ امر بھی امیر شجاعت کے ہے خلاف — ہاں تب لڑوں اگر علیؑ آئیں پئے مصاف
فرق آئیگا نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں

۷۸

ڈرتے ہیں سب جری مری جنگ و جدل سے — رستم کا زور آگے مرے کم ہے زال سے
رکتی نہیں یہ تیغ تہمتن کی ڈھال سے — ناداں ہوں کیا لڑوں میں کم اس خورد سال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں سور ہیں صفدر ہیں شیر ہیں

۷۹

لکھا ہے چار تھے پسر ارزق پلید — دشمن تو آل پاک کے شیطان کے مرید
بولا یہ ان کو دیکھ کے وہ پیرو یزید — ہاں جا کے اس یتیم کو جلدی کرو شہید

رُلواؤ قبر میں حسنِ دل ملول کو
بیوہ بنادو دخترِ سبطِ رسول کو

٥٨٠

یہ چاند بھتیجی کا ہے خوں میں اسے ڈباؤ — تلواریں مارو ذبح کرو برچھیاں لگاؤ
انعام دوں یہ جنگ اگر فتح کر کے آؤ — سہرہ سمیت کاٹ کے دولھا کے سر کو لاؤ
خلعت ملیں گے جاؤ گے جس دم سلام کو
سر اس کا نذر دیجیو تمہیں میر شام کو

٥٨١

نکلا یہ بات سنتے ہی ان میں سے ایک پیل — پیچھے چلی شریر کے سنتی ہوئی اجل
نعرہ کیا یہ غیظ سے مونہ میں کف لا کے بل — ہاں اے حسن کے لال خبردار ہو سنبھل
کام آئے کچھ تو نام شہ ذوالفقار لے
پشتی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے

٥٨٢

قاسم یہ نعرہ سن ہوئے چمکا کے راہوار — امداد وقتِ جنگ ہے شیروں کو ناگوار
کافی ہے بس ہمیں یہ حفظ کردگار — او خیرہ سر اجل تری گردن پہ ہے سوار
دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے
آ کوئی وار کر جو ارادہ دغا کا ہے

٥٨٣

یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر — چلّے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر

تھا بسکہ تیز دستِ حسنؑ کا مہ منیر | بجلی سی آئی کوند کے شمشیر بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اُس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

۸۴

اک ہاتھ میں گری جو کٹی دستِ نابکار | توڑے کمر میں رکھ کے یہ شمشیر آبدار
دیکھ میرے تیر کا توڑ اے خطا شعار | پکڑا کماں کے قبضہ کو یہ کہہ کے استوار
چلہ جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے
رستم کی فوج چھپ گئی تودوں میں خاک کے

۸۵

چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیر بے اماں | قربان تیرے ہاتھ کے چلائی یہ کماں
بچتی ہے کب خدنگِ اجل سے کسی کی جاں | نکلا وہ تیر توڑ کے سینہ کے استخواں
اک دم میں دی شکست خطا کو صواب نے
قل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

۸۶

مرکب سے گر کے مر گیا جب وہ عدوئے دیں | نکلا ادھر سے تب پسرِ ثانی لعیں
نیزہ کو تولتا ہوا مغرور و خشمگیں | ابرو پہ بل نگاہ میں قہر اور جبیں پہ چیں
ہمراہ اُس کے تیغ بکف سو سوار تھے
اور اس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

۸۷

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند　　بجلی سا کوندنے لگا دولہا کا بھی سمند
نیزہ اُٹھا کے نیزہ سی کی یہ صدا بلند　　کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکل کشا کے بند
یہ سُن کے اُس نے ڈھال کو چہرہ پہ کر لیا
پتلی کو بے حیا کی سناں میں پرو لیا

۸۸

بیکار کور ہو کے ہوا جب وہ خیرہ سر　　ٹیکے ہیں ہاتھ ڈال کے پیکاں نہاں جگر
آواز دی زمین نے فی النار و السقر　　یا تو بھی ہے پسر ادر علی ترا جد ہے
جز موت کچھ شقی کو نہ اُس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قعر جہنم نظر پڑا

۸۹

چھٹا بہادر سوم اس کا یہ کر و فر　　تانے ہوئے وہ گرز گراں سر کہ الحذر
یاں بہرِ حفظ دست ید اللہ تھی سپر　　تیغ دو دم کو شیر نے تولا بچا کے سر
یوں دو کیا عمود سرِ نابکار کو
جس طرح تیغ تیز اُڑا دے خیار کو

۹۰

مرتے ہی اُس کے فوج سے چوتھا پسر بڑھا　　قاسم پکارے او ذلیل خود سر کدھر بڑھا
سنتے ہی یہ وہ تیغِ دو دم کھینچ کر بڑھا　　جھنجھلا کے مجتبیٰ کا بھی لختِ جگر بڑھا
لڑتا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا نہ بازو نہ شانہ تھا

۹۱

یہ جان سے ہو نبرد میں بیٹے جو اس کے چار ، ازرق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغدار
جوشِ غضب سے سُرخ ہوئیں چشمِ نابکار ، مثلِ تنور مُنہ سے نکلنے لگا بخار
جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

۹۲

شانے پہ تھی شقی کے جو دوڑا تک کی کماں ، ازرق بھی جس سے سہم کے گوشہ میں تھی نہاں
چار آئینہ وہ پہنے تھا بر میں کہ الاماں ، دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
کہتی تھی یہ زرہ بدن بد خصال میں
پکڑا ہے پیل مست کو لوہے کے جال میں

۹۳

آمد شقی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام ، عباسؓ نامور سے یہ رو کر کیا کلام
لو بھائی جنگ ہو چکی قصہ ہوا تمام ، آیا سوئے یتیم حسن موت کا پیام
ہم شکل مجتبیٰ کو بلا لو پکار کے
مانگو دعا سروں سے عمامے اتار کے

۹۴

یہ کہکے قبلہ رو ہوئے سلطان کائنات ، درگاہ کبریا میں دعا کی اُٹھا کے ہات
اے خالق زمین و زماں رب کائنات ، ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو دے نجات
تو حافظ جہاں ہے کریم و رحیم ہے

یارب بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

۹۵

فضہ پکاری خیمہ میں آ کر بچشم تر / لوگو تمہیں یتیم حسنؑ کی بھی ہے خبر
آیا ہے لڑنے ارزق ملعون خیرہ سر / کھولو سروں کو اے حرم شاہ بحر و بر
عباسؑ روتے ہیں علی اکبرؑ اداس ہیں
ایسا ہے کچھ کہ سبط نبی بے حواس ہیں

۹۶

نکلا یہ سب کے منہ سے کہ ہے ہے حسنؑ کا لال / زینبؑ نے اٹھ کے کھول دئے اپنے سر کے بال
سینہ سے ملگیا دل بانوئے خوشخصال / چلائی ماں گذر گیا کیا میرا نونہال
عابد کانپتے ہیں گرم بدن سرد ہوگیا
قاسم کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہوگیا

۹۷

چلائی روکے زوجۂ عباسؑ نوجواں / یارب ہے تو یتیم حسنؑ کا نگاہباں
سنکر یہ غل دلہن کے بھی آنسو ہوئے رواں / لیکر بلائیں ساس پکاری کہ میری جاں
خالق کرے گا رحم نہ آہ و بکا کرو
دولہا پہ آ بنی ہے علی صدقہ دعا کرو

۹۸

اس اضطراب میں جو سنا ساس کا سخن / زانو سے سر اٹھا کے ہوئی قبلہ رو دلہن
آہستہ کی یہ عرض کہ اے رب ذوالمنن / دشمن پہ فتح یاب ہو لخت دل حسنؑ

لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو تو اپنی پناہ میں

۹۹

یارب دُلہن نہ مجھ کو گذری ہے ایک شب ، دولھا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
اب تک تو شرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب پر کیا کروں کہ آئی ہے میری روح لب پہ تب
شوہر کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے
دولھا سے پہلے مجھ کو اُٹھائے تو خوب ہے

۱۰۰

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں آہ جو آ گیا پیام رنڈاپے کا یا الٰہ
یہ عقد تھا کہ موت تھی ماتم تھا یہ کہ بیاہ بعد اس کے ہو گا خلق میں کیونکر مرا نباہ
اُٹھوں جہاں سے دلبر شبیر کے سامنے
عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے

۱۰۱

تو جیں دھر دعا کی چلیں سوئے آسماں بل کھا کے اس طرف یہ پکارا وہ بدزباں
رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کماں جوشن کو توڑتا ہے مرا تیر بے اماں
ہے اس کی فتح ساتھ ہوں اس کے جو رستم سے
سرمہ کیا ہے دیو کا چٹکی میں پیس کے

۱۰۲

قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند اللہ کو غرور و تکبر ہے ناپسند

جوشِ فروتنی سے کیا ہم کو سر بلند — نیزہ کا بند باندھ کوئی چھیڑ کے سمند

دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے

کھل جائیگا ابھی کہ زبردست کون ہے

۱۰۳

کیا نور نیزہ اور تری ضربِ ذلیل — تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہے دلیل

جوہر خود اس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہے اصیل — کاٹے ہماری تیغ تو نازہ دے جبرئیل

جرأت ہیں ہم کسی کو بھلا کیا سمجھتے ہیں

مضبوط جو ہیں وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

۱۰۴

یہ گرز مثلِ راہ سفر ہے ترے لئے — دستِ اجل ترا یہ تبر ہے ترے لئے

سینہ جیسی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لئے — کالی بلا نری یہ سپر ہے ترے لئے

ضربت نہ چل سکیگی جو مارینگے ہم تجھے

بے آبرو کریگی یہ تیغِ دو دم تجھے

۱۰۵

کیا ہو سکیگا تجھ سے بھلا وقتِ دار و گیر — دستانے دونوں ہاتھوں کے پکڑے ہیں او شریر

حلقہ کہیں کماں کا نہ کرے تجھے اسیر — دشمن ہیں سب ترے جنھیں سمجھا ہو تو تیر

او تیرہ رو بھلا یہ سپر کیوں لگاتی ہے

آہوش ہیں کہ تجھ کو سیاہی دباتی ہے

۱۰۶

١٠٦

گو اسلحہ ہیں پورِ مردانِ سر گذار
سب حربے چل سکیں گے بھلا وقتِ گیر و دار
ہے دم میں فیصلہ جو کھنچے تیغِ آبدار
لادی ہوئی ہے تن پہ عبث ایک خود کا بار
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے
یہ تو نہیں ہے کلب ہے برقع میں شیر کے

١٠٧

بیٹوں کے غم نے کر دی ہے مختل تری حواس
گھبرا نہ سمجھتے ہیں تجھے کچھ بھی غیر پاس
فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس
آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے ہمیں ہراس
گم ہیں جو نورِ عین تو آنکھیں چرائے ہے
ثابت ہوا خجل سے کہ منہ کو چھپائے ہے

١٠٨

آگے ہمارے دعویٔ جرأت خدا کی شان
گردن سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زبان
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں نوجوان
لو میاں ہے گر اس کا بھی ہو جائے امتحان
ہیں شیر شیر خوار جنابِ امیرؑ کے
جھولے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے

١٠٩

بارہ برس کے سن میں لڑی شاہِ ذوالفقار
مرحب سا پہلوان بچا وقتِ کارزار
ہے دیکھنے کا بیت و توش اور یوں شعار
گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغِ آبدار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

۱۱۰

قاتل کیا جو مصحفِ ناطق سے لال نے
تر کر دیا اسے عرقِ انفعال نے
برچھا اٹھایا ہاتھ میں اس بد خصال نے
چھیڑا فرس کو قاسمِ یوسف جمال نے
ہٹنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے
عباسؑ نامدار قریب آ کھڑے ہوئے

۱۱۱

قاسم نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور
بیٹھے چچا کی پاس یہ تکلیف کیا ضرور
فرمایا صدقہ میں تری ہمت کی ای غیور
دشمن کو پاس آنے نہ دو ہم کھڑے ہیں دور
ہشیار جانِ عم کہ دم کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں یہ تمہارا شکار ہے

۱۱۲

کیوں تیغ تول تول کے رکتے ہو بار بار
بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو چچا نثار
صدقہ تری جو اس کے اے میرے شہسوار
ہاں دونوں پاؤں کھیو رکابوں میں استوار
آنے دو اس کو تیغ ابھی دم بخود تھمی رہے
گھوڑا نہ بد مزاج ہو پٹری جمی رہے

۱۱۳

فارس ہے تم سا کون تہِ چرخِ چنبری
دکھلا رہے ہو صاحبِ دلدل کی بگدڑی
صدقہ میں اے نہنگِ محیطِ دلاوری
دکھلا دی ضربِ تیغِ جہاں گیر حیدری
ابرو پہ بل ہوا تو ہمکوں سے آنکھیں لڑی رہیں

بھاری زرہ وہ پہنے ہے جو مَیں کڑی ہیں

۱۱۴

بیٹا تمہیں خدا نے دیا ہے علیؓ کا زور — گو ہیل ہے یہ ہم تو سمجھتے ہیں اس کو مور
بہرام کی طرح سے چلا اب میاں گور — دیکھو گے دیکھنے کا فقط ہے یہ زور شور
چیخے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی

۱۱۵

سُن کر صدا اُٹھی شہ پکارا وہ بزدلا — کیا آج ساتھ آپ بھی ہیں عازمِ وغا
تیوری چڑھا کے حضرتِ عباسؓ نے کہا — بس ہے تجھے یہ طفل مری احتیاج کیا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
دو ایک سے لڑیں یہ ہمارا چلن نہیں

۱۱۶

نیزہ ہلا کے جانبِ قاسمؓ بڑھا وہ ہل — دو لطافی مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل
گھوڑا نہ گر پڑے تری لنگر سے منہ کے بل — تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
ضیغم ہیں بچے اسد ذوالجلال کے
کیجو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے

۱۱۷

یہ کہہ کے اپنی چھوٹے سے نیزہ پہ دی نکان — آئی چمک کے برق پکاری کہ الاماں
اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں — ڈانڈا آئی ڈانڈ پہ تو سناں سے لڑی سناں

بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

۱۱۸

قاسم نے زور سے جو انی پہ رکھی انی
بھاگا شقی کہ جسم سے زور تہمتنی
بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آ بنی
تھی اس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی
اڑ کر گری زمیں پہ سناں اس نکان سے
گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

۱۱۹

جھلا کے چوب نیزہ کو لایا وہ فرق پر
قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

۱۲۰

نکلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب
چلے میں لے کمان کیا فی بعد غضب
چلے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب
تیر نگاہ سے وہ خطاکار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلا اتر گیا

۱۲۱

بولے یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسن
رخ پھیر یوں نہ او ستم ایجاد پیلتن

چلائے بڑھ کے حضرت عباسؓ صف شکن — کیا تجھ کو خوب یاد ہیں تیر افگنی کے فن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
دعویٰ ہے کچھ ابھی تو چڑھائے کمان کو

۱۲۲

کندو گدار تیز نظر ہے بھی کی نظر — ظالم عقاب تیر کے بھی اڑ گئے ہیں پر
شیروں نے کاٹ ڈالے ہیں یوں تیغ سے کمر — ہاں اب بتا صواب کدھر ہے خطا کدھر
ترکش کو پھینک دے جو حمیت کا جوش ہو
چٹکی سے کو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو

۱۲۳

دو سمت سے چلے جو ملامت کے اس پہ تیر — چلایا تیغ تیز علم کر کے وہ شیر یہ
ہاں ہے حسنؑ کے لال بدخشاں یہ وہ تکبیر — نکلی چمک کے یاں سے بھی تیغ قضا نظیر
چمکا کے تیغ تیز جو قاسم سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے

۱۲۴

مانند شیر غیظ میں آیا وہ سیل تن — آنکھیں ابل پڑیں صفت آہوئے ختن
ماری زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن — چلائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن
میخیں زمیں کی اس کی تگاپو سے ہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

۱۲۵

فرفرنفس کی آتی تھی نتھنوں سے جب صدا　　کہتے تھے لوگ سب کہ ہے یہ فرفرِ بادِ پا
دشمن کو گھورتا ہے دہانہ چبا چبا　　غل تھا کہ ہیں فرس تو ہیں ایسا ہوا وفا

دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو
لڑے کٹاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو

۱۲۶

چھل بل دکھاتی فوج کو دوڑا تھا اُڑا　　صورت بنائی جست کی سمٹا جما اُڑا
گہ تھی زمیں کبھی کبھی سوئے سما اُڑا　　مثلِ سمندِ بادشہ اتنا اُڑا

جن تھا پری تھا سحر تھا آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

۱۲۷

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بیک　　دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک　　اک زلزلہ تھا اوجِ ثریا سے تا سمک

چہرہ پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

۱۲۸

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد　　تھا جس قدر بلیغ وہ شقی بھی بلائے بد
جب تیغ شہ کے وار کرتا تھا وہ باقی حسد　　کہتا تھا بازوئے شہِ دیں یا علی مدد

یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول کو
جس طرح روکتے کوئی شہ زور پھول کو

۱۲۹

لایا جو حرف سخت زباں پر وہ بدخصال	جھپٹا مثال شیر درندہ حسنؑ کا لال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال	آنے بڑھی کہ لڑ گئی اس کی سپر سے ڈھال
اوجھڑ لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دئے سر پر سمند کے

۱۳۰

عباسؑ نامدار نے پہلو سے دی صدا	ہاں بے نہ جانے دیجو حسنت مرحبا
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا	سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا اُٹھی اس طرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

۱۳۱

غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو	تجھے نہ آج پست کیا مست پیل کو
کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو	لوگو سنو گرا دیا حرفِ ثقیل کو
دو ہو گئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا
دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے پہ کیا ہوا

۱۳۲

قاسمؑ سے پھر کہا کہ مبارک تمہیں ظفر	تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کے سر
اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر	اقبال آپ کا کہ ہم ہو گئی یہ سر
پشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو

کام آتے کیوں نہ راس جو استاد پاس ہو

۱۳۳

فرمایا جانِ عم یہ شبیر تھا کہ دیو تراد — ڈھایا ہی تم نے کفر کا گھر خانۂ عناد
آؤ کہ تم پہ پھونک دیں پڑھ کر وان یکاد — چلائی در سے ماں کہ بر آئی مری مراد
بیوہ کا لال بچ گیا صدقے حسین پر
اسپند کوئی کر دے مرے نورِ عین پر

۱۳۴

عباس نامدار تو سنتے چلے ادھر — یعنی خوشی کی جا کے شہ دیں کو دوں خبر
اس غمکدے میں ہو سکے شادی کہاں مگر — یاں سن کے یہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شر
لاکھوں سے لڑ کے پیاس سے مجبور ہو گئے
حربے ہزار ہا جو چلے چور ہو گئے

۱۳۵

کیونکر تمام فوج سے یہ تشنہ لب لڑے — اک اک لڑا نہ آہ بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم مثلِ امیرِ عرب لڑے — جانبازیاں غضب کی دکھائیں غضب لڑے
جلوہ میانِ تشنہ دہانی دکھا دیا
بچپن میں لڑ کے تیورِ جوانی دکھا دیا

۱۳۶

للکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے — یوں آئے جیسے شیرِ درندہ جھپٹ کے آئے
بجلی گری ادھر یہ جدھر کو جھپٹ کے آئے — صف کو بچھا کے آئے پرے کو الٹ کے آئے

مُنہ سرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے
بنکہ لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

۱۳۷

کاٹے رسالے تیغ سے کار قلم لیا | دہشت ہیں نے جنگ امام امم لیا
پھر دست چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا | تیورا کے سنبھلے مُنہ سے لہو ڈالا دم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں
سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں

۱۳۸

آخر گھر اسیاہ میں وہ چودھویں کا ماہ | روکے تھی فوج تیروں سے اور برچھیوں سے راہ
لشکر کے ساتھ تھا پسر سعد روسیاہ | تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
غل تھا کہ روند ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
ہاں غازیو بجھا دو حسن کے چراغ کو

۱۳۹

تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر | پڑتی تھیں وہ قریب سے سب ناتوان پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر | حملہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

۱۴۰

غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرت قمر | مارا کسی نے فرق پہ اک گرز گاؤ سر

برچھی لگی جو سینہ پہ ٹکڑے ہوا جگر گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پر لگا تیر
طارق کی تیغ کھا کے پکارے امام کو
فریاد یا حسینؑ بچاؤ غلام کو

۱۴۱

سنتے ہی استغاثۂ داماد کی صدا دوڑے حسینؑ جانب مقتل برہنہ پا
گھبرا کے بولے حضرت عباسؑ باوفا تلوار کس پہ چل گئی ہے ہے ہوا یہ کیا
چلاتی ماں ارے مری بستی اُجڑ گئی
اے بھائی دوڑو بن کے لڑائی بگڑ گئی

۱۴۲

جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
اس غیظ میں یہ ہیبت جو آئے سوئے سیاہ بھاگے پھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
بھاگڑ میں خون سے رن کی زمیں لال ہو گئی
دولہا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

۱۴۳

دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بہ حال مقتل بیچاں ہوا حسینؑ کے آگے وہ نیم جاں
جب لاش اٹھائی شہ نے تو چورا استخوان تھے
سب چاند سے بدن پہ سموں کے نشان تھے

۱۴۴

ڈیوڑھی پہ لائے لاش جو سلطان بحر و بر | پردہ اٹھایا ڈیوڑھی کا فضہ نے دوڑ کر
لاشے کے پاؤں تھامے تھا کوئی تو کوئی سر | چادر کمر کی تھامے تھے عباس نامور

لٹکی تھیں دونوں خاک پہ زلفیں اٹی ہوئی
رخ پہ پڑی تھیں سہرہ کی لڑیاں کٹی ہوئی

۱۴۵

لاشہ ادھر سے لیکے چلے شاہ کربلا | دوڑے ادھر سے بیٹیاں ناموس مصطفٰے
فضہ تھی آگے آگے کھلے سر برہنہ پا | آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا

چھپ جائے جس سے دور کا ناتا ہے صاحبو
دولھا دلہن کے لینے کو آتا ہے صاحبو

۱۴۶

بہنیں کدھر ہیں ڈالنے آنچل نئے یہ آئیں | اب دیر کیا ہے حجرے سے باہر دلہن کو لائیں
رخصت ہوں جلد تا کہ براتی بھی چین پائیں | جاگے ہیں ساری رات کے اپنے گھروں کو جائیں

دل پہ سہے فراق کی شمشیر تیز کو
ماں سے کہو دلہن کے نکالو جہیز کو

۱۴۷

ناگاہ لاش صحن تک آئی ہوئیں تر | بیٹھے جو سر عروس کو بھی ہو گئی خبر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر | گھبرا کے تب سکینہ سے بولی وہ نوحہ گر

دولھا کی لاش آئی ہے سہرہ کو توڑ دو
مسند الٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو

۱۴۸

یہ کہکے نوچنے لگی سہرہ وہ سوگوار　　افشاں یہ چھڑکی خاک ملی منہ پہ چند بار
کہنے لگی لپٹ کے سکینہ جگر فگار　　ہے ہے یہ بہن بڑھا تو نہ سہرے کو میں نثار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سو گئی
بی بی نے پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

۱۴۹

یہ کہکے غش ہوئی جو قلق سے وہ نوحہ گر　　حجرہ سے دوڑی بالی سکینہ برہنہ سر
آکر قریب صحن پکاری بچشم تر　　اے بیبیو کسی کو دلہن کی بھی ہے خبر
کیسی گھڑی ہے ہائے یہ اماں کدھر گئیں
دوڑو پھوپی جان سے کبرا گذر گئیں

۱۵۰

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر　　اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
بیٹی لٹی گئی اسکی ہمیں تھی نہ کچھ خبر　　اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہا کو اک نظر
زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا ہے نام کو بھی چچا کا پسر بھی ہے

۱۵۱

حضرت یہ کہکے سٹ گئے با چشم اشکبار　　بیٹی یہ سر کے غش ہوئی بانوئے دلفگار
چادر سپید اڑھا گئی دلہن کو بحال زار　　گودی میں لائی زینب غمگین سوگوار
چلائی ماں یہ گر کے تن پاش پاش پر

قاسم بنے اُٹھو دُلہن آئی ہے لاش پہ

۱۵۲

صدقے گئی چچی کو نہ ہو گی کہیں ملال — رکھو دُلہن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسن کے لال
واری میں اب اُٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال — کیسا یہ خواب ہے کہ دلہن کا نہیں خیال
کروٹ تو لو کہ ماں سے جگر کو قرار ہو
اس بچپنے کی نیند پہ اماں نثار ہو

۱۵۳

جس دم دلہن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ — نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشکِ ماہ — میرا قصور عفو ہو اے میرے بادشاہ
بولی نہ تھی حجاب سے تقصیروار ہوں
اب حکم ہو تو لاش پہ اُٹھ کر نثار ہوں

۱۵۴

اے پارۂ دلِ حسن اے فدیۂ حسین — کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین
کیا کہہ کے روؤں اُٹھ گیا اے نوجوان حسین — بیوہ کو کوئی سکھا دے تو صاحب کروں میں بین
چھوڑا دلہن کو لاش پہ رونے کے واسطے
دولہا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے

۱۵۵

صاحب بتا تو دو تمہیں دکھیا کیا کہوں — بیکس کہوں کہ فدیۂ راہِ خدا کہوں
پیاسا کہوں شہید کہوں اور کیا کہوں — دولہا کہوں کہ قاسمِ گلگوں قبا کہوں

ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
اک شب کی رانڈ دولہ کو کیا کہکے روتی ہے

۱۵۶ء

کیوں ورثے والو سنتے ہو آوازِ شور و شین
اس بزمِ پاک میں ہے نہاں نعرۂ حسینؑ
منبر کے پاس فاطمہؑ روتی ہیں کس کے ہیں
ماتم کرو کہ مرگیا حضرتؐ کا نورِ عین
شبرؑ کو بھی قلق ہے شۂ بے وطن کو بھی
پرسا دو تم حسینؑ کو بھی اور حسنؑ کو بھی

۱۵۷ء

لکھے انیس میں نے یہ سرعت سے چند بند
لیجائے شوق سے جسے مضموں ہو یہ پسند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند
اس فیض کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند
نہریں رواں ہیں فیض شہ مشرقین کی
پیاسو پیو یہ سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

مرثیہ ۳

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کے رخِ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے
مڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے

آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

۲

ہاں غازیو یہ دن ہے جدال و قتال کا
یاں خوں بہے گا آج محمد کی آل کا
چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہرا کے لال کا
گذری شبِ فراق دن آیا وصال کا

ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جنکے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

۳

یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جس کی شام
یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام
لکھے خدا نماز گذاروں میں اپنا نام

سب ہیں وحید عصر یہ غل چار سو اٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے سرخرو اٹھے

۴

یہ سن کے بسترں سے اٹھے وہ خدا شناس
اک اک نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس

شانوں پہ سنوں ہیں گئے سب بے ہراس	باندھے عمامے آئے امام زماں کے پاس
رنگین عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

۵۵

سوکھے لبوں پہ حمد الٰہی رخوں پہ نور	خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دور
فیاض و حق شناس و اولوالعزم ذی شعور	خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حسن صوت سے خطبہ ملا سے ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا سے ملے

۵۶

ساونت بردبار فلک مرتبت دلیر	عالی منش سبا میں سلیماں وغا میں شیر
گردان دہر ان کی زبردستیوں سے زیر	فاقے میں تین دن کے مگر زندگی سے سیر
دنیا کو ہیچ پوچ سرا پا سمجھتے ہیں
دریا دلی سے بحر کو قطرا سمجھتے ہیں

۵۷

تقریر میں وہ رمز و کنایے کہ لاجواب	نکتہ بھی منہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن کتاب بلاغت کا ایک باب	سوکھی زباں میں شہد فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعران عرب تھے مرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے

۵۸

لب پہ ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو　　پیدا نشوں سے پیرہن یوسفی کی بو
غلماں کے دل میں جنکی غلامی کی آرزو　　پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خو
پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا کہ ملک ہیں بشر نہیں

۹

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک مآب　　پر تھی رخوں پہ خاک تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب　　ہوتے ہیں خاکسار غلام ابوتراب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئینوں میں جلا اور ہو گئی

۱۰

خیمہ سے نکلے شہ کے عزیزان خوش خصال　　جن میں کئی تھے حضرت خیر النسا کے لال
قاسم سا گلبدن علی اکبر سا خوش جمال　　اک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال
سب کے رخوں کا نور سپہر بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

۱۱

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور　　دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوج طور
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور　　وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

۱۲

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

۱۳

قربانِ صنعتِ قلمِ آفریدگار تھی ہر ورق پہ صنعتِ ترصیع آشکار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
عالم تھا محوِ قدرتِ ربِّ عباد پر
مینا کیا تھا وادیِ مینو سواد پر

۱۴

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا درّاج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوشنوا سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

۱۵

وہ دشت وہ نسیم کے جھونکے وہ سبزہ زار پھولوں پہ جابجا وہ گہرہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زیبِ گلشنِ زہرا جو آب کے

شبنم نے بھر دئے تھے کٹورے گلاب کے

١٦

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم — کو کو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم — جاری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ علا کی مدح
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی مدح

١٧

چیونٹی بھی ہاتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار — اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حی یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار — تسبیح تھی کہیں کہیں تہلیل کردگار
طائر ہوا میں مست ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

١٨

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبی کے پھول — خوشبو سے جن کی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب و زینتِ کاشانۂ بتول — وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسول
ماہِ عزا کے عشرۂ اول میں لٹ گیا
دو باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لٹ گیا

١٩

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار — پھولے سماتے تھے نہ شہ کے گلعذار
دولہا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار — جاگے وہ ساری رات کہ وہ ..

راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے پھول کی کلیاں بکس گئیں

۲۰

وہ دشت اور خیمۂ زنگار گوں کی شان گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسمان
بے چوبہ سپہر بریں جس کا سائبان بیت العتیق دین کا مدینہ جہاں کی جان
اللہ کے حبیب کے پیارے اسی میں تھے
سب عرش کبریا کے ستارے اسی میں تھے

۲۱

گردوں پہ ناز کرتی تھی اس دشت کی زمیں کہتا تھا آسمان دہم چرخ ہفتمیں
پیدا سے رشک پردۂ چشمان حور عیں تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں
دیکھا جو نور شمسۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے بادِ گل آفتاب پر

۲۲

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں تشریف جانماز پہ لائے شہ زماں
سجادے بچھ گئے عقب شاہ انس وجاں صوت حسن سے اکبر مہرو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسول کی کانوں میں آگئی

۲۳

چھپنے لگے طیور جھومتے تھے وجد میں شجر تسبیح خواں تھے برگ گل و غنچہ و ثمر

محو ثنا کلوخ و نباتات و دشت و در
پانی سے منہ نکالے تھے دریا کے جانور
اعجاز تھا کہ دلبر شبیر کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

٢٤

ناموس شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار
چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوئے نامدار
زینب بلائیں لیکے یہ کہتی تھی بار بار
صدقے نمازیوں کے مؤذن کے میں نثار
کرتے ہیں یوں ثنا و صفت ذو الجلال کی
لوگو اذان سنو مرے یوسف جمال کی

٢٥

یہ حسن صوت اور قرأت یہ شد و مد
تھا کہ افصح الفصحا ہے انھیں کا جد
گویا ہے لحن حضرت داؤد با خرد
یارب رکھ اس صدا کو زمانہ میں تا ابد
شعبے صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسول میں

٢٦

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے
عین الکمال سے تجھے بچے خدا بچائے
وہ نوزمی کہ جس کی طلاقت لبوں کو بھائے
دو دن میں ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے
غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسین پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نور عین پر

٢٧

صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامت الصلوٰۃ قائم ہوئی نماز اٹھے شاہِ کائنات
وہ نور کی صفیں وہ مصلی ملک صفات سرور کے قدم سے تھی راہ نجات

ہوا اتنے جا نماز ہدایت مناط پر
یا قبلہ رو کھڑے تھے سلیماں بساط پر

۲۸

قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز بسم اللہ جیسے آگے ہو یوں تھے شہ حجاز
سطریں تھیں یا صفیں عقب شاہ سرفراز کرتی تھی خود نماز بھی اُن کی ادا پہ ناز

سمت سحر بیاض پہ تھیں اسطور کی
سب آیتیں تھیں مصحف ناطق کے نور کی

۲۹

امید مغفرت تھی علی علیم سے غیر از کرم کچھ اور نہ ہوگا کریم سے
لیکن ڈگیں نہ پاؤں رہ مستقیم سے پہلے اشارہ ہے یہ الف لام میم سے

حبل المتیں یہی ہیں نجات ان کے ہاتھ ہے
قرآں کا اور آل محمد کا ساتھ ہے

۳۰

باہم تکبیروں کی صدائیں وہ دلپسند کروبیان عرش تھے سب جس سے بہرہ مند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دو چند خوف خدا سے کانپتے تھے سب بند بند

خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے مہ نو تھے رکوع میں

٣١

اک صف میں سب محمد و حیدر کے رشتہ دار — اٹھارہ نوجواں ہیں اگر کیجیے شمار
پر سب جگر فگار حق آگاہ خاکسار — پیرو امامِ پاک کے دانائے روزگار
تسبیح ہر طرف تہِ افلاک انھیں کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک انھیں کی ہے

٣٢

دنیا سے اٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود — ان کے لیے تھی بندگی واجب الوجود
وہ عجز وہ طویل رکوع اور وہ سجود — طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کرتے تھے تیغوں کی چھاؤں میں

٣٣

ہاتھ ان کے جب قنوت میں اٹھتے تھے سوئے خدا — خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب وا
تھراتے آسمان ہلا عرشِ کبریا — شہپر تھے دونوں ہاتھ پئے طائرِ دعا
وہ خاکسار محوِ تضرع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دعائیں تھیں عرش پر

٣٤

فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام — آئے مصافحہ کو جوانانِ تشنہ کام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہِ خاص عام — آنکھیں ملیں قدم پہ کسی نے بہ احترام
کیا دل تھے کیا سپاہ رشید و سعید تھی

باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

۳۵

سجدہ میں شکر کے تھا کوئی مردِ باجدا پڑھتا تھا کوئی حزن سے قرآن کوئی دعا
نعت نبی کہیں تھی کہیں حمد کبریا مولا اُٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا
فاقوں پہ تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر
یارب مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

۳۶

زاری تھی التجا تھی مناجات تھی ادھر واں صف کشی و ظلم و تعدی و شور و شر
کہتا تھا ابن سعد یہ جا جا کے نہر پر گھاٹوں سے ہوشیار ترائی سے باخبر
دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسینؑ کو
ہاں مرتے دم بھی دیجیو نہ پانی حسینؑ کو

۳۷

بیٹھے تھے جانماز پہ شاہِ فلک سریر ناگہ قریب آ کے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوئے لشکرِ شریر عباسؑ اُٹھے تول کے شمشیرِ بے نظیر
پروانے تھے سراج امامت کے نور پر
روکی سپر حضور کرامت ظہور پر

۳۸

اکبر سے مڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں تم جا کے کہدو خیمہ میں یہ ای پدر کی جاں
باندھے ہے سر کشی پہ کمر لشکرِ گراں بچوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں

غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردن اصغر ہدف نہ ہو

۳۹

کہتے تھے یہ پسر سے شہ آسماں سریر — فضہ پکاری در سے کہ اے نورِ حق کے ہم
ہے ہے علی کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر — اصغر کے گاہوارے تک آ کر گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات تو گھٹ گھٹ کے رو دیے
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سو گئے ہیں

۴۰

باقر کہیں پڑا ہے سکینہ کہیں ہے غش — گرمی کی فصل ہے تپ و تاب درد عطش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیران ماہوش — بچوں کو لیکے یاں سے کہاں جائیں فرش
یہ کس خطا پہ تیر پیاپے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

۴۱

اُٹھے یہ شور سنکے امام فلک وقار — ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو رکھ کے رفیق چار
فرمایا مر کے چلتے ہیں اب بہر کارزار — کمریں کسو جہاد پہ منگواؤ راہوار
دیکھیں فضا بہشت کی دل باغ باغ ہو
امت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

۴۲

فرما کے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر — ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں ادھر

جوشن پہن کے حضرت عباس نامور　　　دروازہ پر ٹہلنے لگے مثل شیر نر
پر تو سے رُخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوش پاک پر

۴۳

شوکت میں تنگ تاج سلیماں تھا خود سر　　　کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہما کے پر
دستانے دونوں فتح کا مسکن ظفر کا گھر　　　وہ رعب الاماں وہ تہور کہ الحذر
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو

۴۴

خیمہ میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال　　　چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینب کی یہ دعا ہے کہ اے ربِ ذوالجلال　　　بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال
بانو ترے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

۴۵

آفت میں ہے مسافر صحرائے کربلا　　　بیکس پہ یہ چڑھائی ہے سید پہ یہ جفا
غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہوگا کیا　　　ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خدا
فاقوں سے جاں بلب ہیں عطش سے ہلاک ہیں
یارب ترے رسول کی ہم آل پاک ہیں

۴۶

سر پہ نہ اب علیؑ نہ رسولؐ فلک وقار　　گھر لٹ گیا گذر گئیں خاتونِ روزگار
اماں کے بعد روئی حسنؑ کو میں سوگوار　　دنیا میں اب حسینؑ ہیں ان سب کا یادگار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اس پہ بھی تو یہ مجمع تباہ ہے

۵۴۷

بولے قریب جا کے شہِ آسماں جناب　　مضطر نہ ہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
مغرور بیا خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب　　خود جا کے میں دکھاتا ہوں ان کو رہِ صواب
موقع یہیں نہیں ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

۵۴۸

معراج میں رسولؐ نے پہنا تھا جو لباس　　کشتی میں لائیں زینبؑ سی شاہِ دیں پاس
سر پہ رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس　　پہنی قبائے پاک رسولؐ فلک اساس
پہنیں درست و چست تھا جامہ رسولؐ کا
رومال فاطمہؑ کا عمامہ رسولؐ کا

۵۴۹

شملے کے دو سرے جو پڑے تھے بصد وقار　　ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
بل کھا رہا تھا زلف سمن بو کا تار تار　　جس کے ہر ایک پیچ پہ خطاء و ختن نثار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل کی اصل کیا ہے یہ گیسو کے پیچ ہیں

۵۰

کپڑوں سے آرہی تھی رسولِ زمن کی بو — دولھا نے سونگھی ہوگی نہ ایسی دلہن کی بو
حیدرؑ کی فاطمہؑ کی حسینؑ و حسنؑ کی بو — پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بو
لٹتا تھا عطر وادیٔ عنبر سرشت میں
گل جھومتے تھے باغ میں رضواں بہشت میں

۵۱

پوشاک سب پہن چکے جس دم شہِ زمن — لیکر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
چلائی ہائے آج نہیں حیدرؑ و حسنؑ — اماں کہاں سے لائے تمہیں اب یہ بے وطن
رخصت ہے اب رسول کے یوسف جمال کی
صدقہ گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی

۵۲

صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے — پیٹا منہ اپنا زینب عصمت پناہ نے
پہنی زرہ امام فلک بارگاہ نے — بازو پہ جوشنیں پڑھیں بس عزوجاہ نے
جوہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے اتنے ستارے چمک گئے

۵۳

یاد آگئے علیؑ نظر آئی جو ذوالفقار — قبضے کو چوم کر شہِ دیں روئے زار زار
تولی جو لیکے ہاتھ میں شمشیر آبدار — شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو نصرت قریب ہو

زیبا اس کی تجھ کو ضرب عدو کو نصیب ہو

۵۴

باندھی کمر سے تیغ جو زہرا کے لال نے
پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے
معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری سپر میں مہرِ نبوت کی شان تھی

۵۵

ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام
تیار اُدھر ہوا علم سید انام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام
روتی تھی تھامے چوب علم خواہر امام
تیغیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینب کے لال زیر علم آ کھڑے ہوئے

۵۶

گرد انے دامنوں کے قضا کی وہ گلعذار
مرقد تک آستینوں کو اُلٹے بصد وقار
جعفر کا رعب دبدبۂ شیر کردگار
بوٹے سے ان کے قد پہ نمودار و نام دار
آنکھیں ملیں علم کے پھریرہ کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

۵۷

گہ ماں کو دیکھتے تھے وہ گہ جانبِ علم
نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثار شہِ امم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورہ بہم
آہستہ پوچھنے لگے ماں سے وہ ذی حشم

کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا
اماں کسے ملے گا الم نانا جان کا

۵۸

کچھ مشورہ کریں جو شہنشاہ خوش خصال ہم بھی محق ہیں آپ کو اس کا رہے خیال
پاس ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال اس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزت طلب ہیں نام کے امیدوار ہیں

۵۹

بے مثل تھے رسول کے لشکر کے سب جواں لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشاں
خیبر میں دیکھ چکا رہا منت کش گراں پایا علم علیؑ نے مگر وقت امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے انہیں کے ہم ہیں انہیں کے نواسے ہیں

۶۰

زینب نے تب کہا کہ تمہیں اس سے کیا ہے کام کیا دخل مجھ کو مالک مختار ہیں امام
دیکھو نہ کیجیو بے ادبانہ کوئی کلام بگڑو گی میں جو لوگے علم کا زباں سے نام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں آئے ہو یہاں علی اکبرؑ کو چھوڑ کے

۶۱

سر کو جھکا کے ہٹ گئے وہ دونوں حق شناس ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہ فلک اساس

کھوتے ہو اور آتے ہوئے تم مری حواس — بس قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگو گے تم جو بُرا یا بھلا کہوں
اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

٦٢

عمریں قلیل اور ہوس منصبِ جلیل — اچھا نکالو فوج کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل — ہاں ہے ہمسنوں میں تمہارا نہیں عدیل
لازم ہے سوچے غور کرے پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ کیوں بشر اُس کی ہوس کرے

٦٣

ان ننھے ننھے ہاتھوں سے اٹھیگا یہ علم — چھوٹے قدوں میں سب سے سنوں میں ہو سب سے کم
نکلیں تو ہو سبطِ نبی کے قدم پہ دم — عہدہ یہی ہے بس یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے

٦٤

پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر فخرِ روزگار — زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی پہ افتخار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار — دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کارزار
تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علی کے ہیں

٦٥

کیا کچھ علم سے جعفر طیار کا تھا نام | یہ بھی تھی اک عطائے رسول فلک مقام
بگڑی ہی لڑائیوں میں بن آئی انھیں سے کام | جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
بے جاں ہوتے تو تحمل وغا نے ثمر دئیے
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دئیے

۶۶

لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب | بخشا علم رسول خداؐ نے علیؑ کو تب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جیتے شیر رب | در بند کر کے قلعہ کا بھاگی سپاہ سب
اکھڑا وہ یوں گراں تھا جو در سنگ سخت سے
جس طرح کوئی توڑے پتا درخت سے

۶۷

تم خیمے میں تھے سن کے یہ مشکل کشا کا لال | اماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
پوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال | ماں لٹ رہی ہے اور تمہیں منصب کا ہے خیال
غم خوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو نام کے

۶۸

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام | غصے کو آپ تھام لیں اے خواہر امام
واللہ کیا مجال جو اب لیں علم کا نام | کھل جائیگا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام
فوجیں بھگا کے گنج شہیداں میں سوئیں گے
تب قدر ہو گی آپ کو جب ہم نہ ہوئیں گے

۶۹

بس کہہ کے یہ بیٹھے جو سعادت نشان پسر
چھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
دیتے ہو اپنے سر تنگیں پیارو مجھے خبر
ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بُری لگی
بچو یہ کیا کہا کہ جگر پہ چھری لگی

۷۰

زینب کے پاس آ کے یہ بولے شہ زمن
کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنیں بہن
شیروں کے شیر عاقل و جرار و صف شکن
زینب یہ جنے عصر میں دونوں یہ گلبدن
یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کی اور ارادے ہی اور ہیں

۷۱

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ ولولے
بچے کسی نے دیکھے ہیں ایسے ہی من چلے
اقبال کیونکر ان کے نہ قدموں سے منہ ملے
کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے
بیشک یہ ورثہ دار جناب امیر ہیں
پر کیا کہوں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

۷۲

بس جس کو حکم ہو اُسے دیں فوج کا علم
کی عرض جو سلاح شہ آسماں حشم
فرمایا جب سے گئیں نہ سر اٹھے باکرم
اُس دن سے تم کو ان کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو کہ خورد ہو

جس کو کہو اُسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

۷۳

بولیں بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام — ہے کس طرف توجہ سردار خاص و عام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسماں مقام — قرآں کے بعد ہے تو علی کا ہے کچھ کلام
شوکت حشم میں شان میں ہمسر کوئی نہیں
عباسؑ نامدار سے بہتر کوئی نہیں

۷۴

عاشق غلام خادم دیرینہ جاں نثار — فرزند بھائی زینت پہلو وفا شعار
جرار یادگار پدر فخر روزگار — راحت رساں مطیع نمودار نامدار
صفدر ہے شیر دل ہے بہادر ہے نیک ہے
بے مثل سیکڑوں میں ہزاروں میں ایک ہے

۷۵

آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن — ہاں تھی یہی علیؓ کی وصیت بھی ای بہن
اچھا بلائیں آپ کدھر ہے وہ صف شکن — اکبر چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن
کی عرض انتظار ہے شاہ غیور کو
چلیے پھوپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

۷۶

عباسؑ نے ہاتھوں کو جوڑے حضور شاہ — جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
زینب وہیں علم لئے آئیں بعز و جاہ — بولے نشاں کو لیجئے شہ عرش بارگاہ

ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

٧٧

رکھکر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار — شمشیر کے قدم پہ ملا منہ بافتخار
زینب بلائیں لیکے یہ بولیں کہ میں نثار — عباسؑ فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار
ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

٧٨

کی عرض میرے جسم پہ جس وقت تک ہے سر — ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوج بد گہر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر — دیکھیں اٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب کیا جگر
سادات ہیں پسر اسد ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کے

٧٩

منہ کر کے سوئے قبر علیؑ پھر کیا خطاب — ذرے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عزم خاکسار ہے بس یا ابوتراب — آقا کے آگے میں ہوں شہادت کا میاب
حسرت ہے ابن فاطمہؑ کے روبرو گرے
شبیرؑ کے پسینہ پہ میرا لہو گرے

٨٠

یہ سن کے آئی زوجۂ عباسؑ نامور — شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر

یہ سبط مصطفےٰ کی بلائیں سحشتم تھے زینبؑ کے گرد دیکھ کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدق امام کا
عزت بڑھی کنیز کی رتبہ غلام کا

۹۸۱

سر کو لگا کے چھاتی سے زینبؑ نے یہ کہا تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا
کی عرض مجھ سے لاکھ کنیزیں ہوں گر فدا یا تو تیرے نامور کو سہاگن رکھے خدا
بچے جئیں ترقی اقبال و جاہ ہو
سایہ ہیں آپ کے علی اکبرؑ کا بیاہ ہو

۹۸۲

قسمت وطن میں پھر سے پھر شہ کو لیکے جائے تقریب بیاہ ہو کہ سفر سے حسینؑ آئے
اُم البنین جیاؤ و حشمت سے پسر کو پائے جلدی شب عروسی اکبرؑ خدا دکھائے
مہندی تمہارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دلہن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

۹۸۳

ناگاہ آکے بالی سکینہؑ نے یہ کہا کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا ان کو مبارک کرے خدا لوگو مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علیؑ کے نشان کی

۹۸۴

عباسؑ مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ — عمو تمہارے پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ — اب تو علم ملا تمہیں پانی مجھے پلاؤ
تحفہ کوئی نہ دیجئے نہ انعام دیجئے
قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجئے

۸۵

زیر علم تھے خاک بسر شاہ خاص و عام — باتوں پہ اس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام
کی عرض آ کے ابن حسن نے کہ یا امام — انبوہ سے بڑھی چلی آتی ہے فوج شام
شہ بولے یہ علم لیے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو بہن سے ملکے گئے ہم بھی چلتے ہیں

۸۶

ڈیوڑھی پہ خادمان محل کی ہوئی پکار — آتے ہیں سب حضور خبردار ہوشیار
خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار — نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

۸۷

ناگہ بڑھے علم لئے عباسؑ باوفا — دوڑے سب اہل بیت کھلے سر برہنہ پا
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے یہ ایک بیت کہا — لو الوداع ای حرم پاک مصطفا
صبح شب فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

۸۸

شہ کے قدم پہ زینبؑ ارو کے زمیں گری　　بانو پچھاڑیں کھا کے پسر کے قریں گری
کلثوم تھرتھرا کے برو ئے زمیں گری　　باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری
اُجڑا چمن ہر اک گل تازہ نکل گیا
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

۸۹

دیکھی جو شان حضرت عباسؑ عرش جاہ　　آگے بڑھی علم کے پئے تہنیت سپاہ
نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ　　نشتر بدل تھی بنتِ علیؑ کی فغان و آہ
رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گل آفتاب سے

۹۰

مولا چڑھے فرس پہ محمدؐ کی شان سے　　ترکش لگایا ہرنے پہ کس آن بان سے
نکلا یہ حرف، نوک ملک کی زبان سے　　اُترا ہے پھر زمیں پہ براق آسمان سے
سارا چلن خرام میں کبک دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دلہن کا ہے چہرہ پری کا ہے

۹۱

غصہ میں انکھڑیوں کے ابلنے کو دیکھئے　　جوبن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھئے　　تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھئے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق ہے

بالادوی میں اس کو ہما پر بھی فوق ہے

۹۲

تھم کر ہوا چلی فرسِ خوش قدم بڑھا | جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
گھوڑوں کی تیز سواروں نے باگیں علم بڑھا | زینت بڑھا کہ سرور یاقبالِ ارم بڑھا

پھولوں کو لیکے بادِ بہاری پہونچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہونچ گئی

۹۳

پنجہ ادھر چمکتا تھا اور آفتاب ادھر | اسکی ضیا تھی خاک پہ ضو اسکی عرش پر
زر ریز تھی علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر | دولہا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر

تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع سے
اُلجھے ہوئے تھے تار خطوطِ شعاع سے

۹۴

اللہ ری سپاہِ خدا کی شکوہ و شان | جھکنے لگے جنودِ ضلالت کی بھی نشان
کمریں کسے علم کے تلے ہاشمی جوان | دنیا کی زیب و زین کی عزت جہاں کی جان

ایک ایک دودمانِ علیؑ کا چراغ تھا
جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا

۹۵

لڑکے وہ سات آٹھ سہی قد سمن عذار | گیسو کسی کے چہرہ پہ دو اور کسی کے چار
حیدر کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار | کھیلیں جو تیغوں سے کمریں شیر کا شکار

تیروں کی سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آتے تھے عیدگاہ میں دولہا بنے ہوئے

۹۶

غزوں کو ریں دیکھ کے کرتی تھیں کلام
دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُرفضا مقام
دیکھو دُرو دُرِ جھکے سوئے لشکرِ امام
ہمشکل مصطفےٰ ہے یہی عرش احتشام
رایت لئے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اتنک جہاں میں ساتھ نبیؐ و علیؑ کا ہے

۹۷

دنیا سے اُٹھ گئے تھے جو پیغمبر زماں
ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے سب جہاں
کیونکر سوئے زمیں نہ جھکے پیر آسماں
پیدا کیا ہے حق نے عجب حسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسین پہ ہے
محبوبِ حق ہیں عرش پہ سایہ زمیں پہ ہے

۹۸

ناگاہ تیر ادھر سے چلے جانب امام
گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجت بھی کی تمام
نکلے ادھر سے شہ کے رفیقان تشنہ کام
بے سر ہوئے پیدوں میں ہمراں سیاہ شام
بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیرِ تنگ تھی
اک اک کی جنگ مالک اشتر کی جنگ تھی

۹۹

نکلے تپے جہاد عزیزانِ شاہ دیں
نعرے کئے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں

روباہ کی صفوں پہ چلے شیر خشمگیں کھینچی جو تیغ بھول گئے صف‌شکنی لعیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل ہیں ڈوب کے

۱۱۰۰

اللہ رے علیؑ کے نواسوں کی کارزار دونوں کے بیچ تھی کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا کسی نے جو روکا سپر پہ وار گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا تھا شمار
اتنے سوار قتل کئے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

۱۱۰۱

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش ترائیاں فوجوں میں تھیں نبیؐ و علیؑ کی دُہائیاں
شوکت بھی ہو بہو تھی جناب امیرؑ کی
طاقت دکھا دی شیروں نے زینبؑ کے شیر کی

۱۱۰۲

کس حسن سے حسنؑ کا جواں مہ جبیں لڑا گھر گھر کے صورت اسد خشمگیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا سہرا اُلٹ کے یوں کوئی دولہا نہیں لڑا
حملے دکھا دئیے اسدِ کردگار کے
مقتل میں سوئے ازرق شامی کو مار کے

۱۱۰۳

چمکی جو تیغ حضرت عباسؑ عرش جاہ — روح الامیں پکارے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں میں چھپ گیا سپرِ سعد روسیاہ — کشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
لی ترائی تیغوں کی موجوں میں تیر کے

۱۰۴

بے سر ہوئے موکل بر چشمۂ فرات — ساحل میں مثل موج صفوں کو نہ تھا ثبات
دریا میں گر کے ڈوب گئے کتنے بد صفات — گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ حیات
عباسؑ بھر کے مشک کو یاں تشنہ لب لڑے
جس طرح نہروال میں امیرِ عرب لڑے

۱۰۵

آفت تھی حرب و ضربِ علی اکبرؑ دلیر — غصے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
سب سربلند پست زبر دست تھے زیر — جنگل میں جا بجا تھے ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
مرکب اتر کے تن سے جو تھے رن چڑھے ہوئے
عباسؑ سے بھی جنگ میں تھے کچھ بڑھے ہوئے

۱۰۶

تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک — ہلتی رہی زمیں لرزتے رہے فلک
کانپا کئے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک — نعرے نہ پھر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگام ظہر خاتمہ فوج ہو گیا

۱۰۷

لاشے سبھوں کے سبطِ نبی خود اُٹھا کے لائے — قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے — فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پہ وہ خم نہ ہو
گر سَو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

۱۰۸

لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام — ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبی کی قبا تمام
افسردہ و حزین و پریشان و تشنہ کام — برچھی تھی دل کو فوج کے باجوں کی دھوم دھام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
تھرا کے دونوں ہاتھ سے دل تھام لیتے تھے

۱۰۹

پوچھو اُسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ — اک عمر کا ریاض تھا جس پہ لٹا وہ باغ
فرصت نہ اب بکا سے نہ ماتم سے ہے فراغ — جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تنِ پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبر کی لاش پر

۱۱۰

مقتل سے آئے خیمہ کے در پر شہِ زمن — پر شدتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن — اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن
پھر ایک بار اُس مہِ انور کو دیکھ لیں

اکبر کے شیر خوار برادر کو دیکھ لیں

۱۱۱

خیمے سے دوڑے آلِ پیمبر برہنہ سر — اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
بچّہ کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر — منہ سے ملے جو ہونٹ تو چونکا وہ سیم بر
غم کی چھری چلی جگرِ چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسینؑ نے زانوئے پاک پر

۱۱۲

بچّے سے ملتفت تھے شہِ آسماں سریر — تھا اس طرف کمیں میں بنِ کاہل شریر
مارا جو تین بھال کا اس بے حیا نے تیر — بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

۱۱۳

جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفلِ شیر خوار — چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
بچّہ کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار — اے خاکِ پاک حرمتِ مہماں نگاہ دار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علیؑ کی ہے
دولت ہے فاطمہؑ کی امانت علیؑ کی ہے

۱۱۴

پہلی منزل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے — واقف نہیں ہے قبر کی تنہائی تار سے
اے قبر ہوشیار مرے گلعذار سے — گردن چھدی ہوئی ہے بچانا فشار سے

سیّد ہے لال حضرتِ خیر النساء کا ہے
معصوم ہے شہید ہے بندہ خدا کا ہے

۱۱۵

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حسام
آنکھیں لہو تھیں غیظ سے چہرہ تھا سرخ فام
زیبِ بدن کئے تھے بصد عزّ و احتشام
پیراہنِ مطہرِ پیغمبرِ انام
حمزہ کی ڈھال تیغ شہِ لافتا کی تھی
بیٹی زرہ جناب رسولِ خدا کی تھی

۱۱۶

رستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں راہوار
جرّار و بردبار و سبک رو وفا شعار
کیا خوشنما تھا زینِ طلا و نقرہ کار
اکسیر تھا ذرہ کا جسے مل گیا غبار
خوش خو تھا خانہ زاد تھا دلدل نژاد تھا
شبیر بھی سخی تھے فرس بھی جواد تھا

۱۱۷

گرمی کا روزِ جنگ کی کیونکر کروں بیاں
ڈر ہے مثالِ شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لوں کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں
رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

۱۱۸

وہ لوں وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب

خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے تھے جو حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

۱۱۹

جھیلوں سے چارپائے نہ اُٹھتے تھے تابہ شام
مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام
آہو جو کاہلی تھے تو چیتے سیاہ فام
پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثل موم خام
سُرخی اُڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اُترا تھا سایہ کی چاہ سے

۱۲۰

آب رواں سے منہ نہ اُٹھاتے تھے جانور
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم تھی سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جاتے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

۱۲۱

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورت چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ مہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی پھول کے ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتے بھی مثل چہرۂ مدقوق زرد تھے

۱۲۲

شیر اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

۱۲۳

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گماں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
تہ میں تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ گرمی روز حساب تھی
ماہی جو سیخ موج تک آئی کباب تھی

۱۲۴

آئینہ فلک کو نہ تھی تاب تپ کی تاب
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامن سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب
کافور صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبد چرخ اثیر میں
بادل چھپے تھے جا کے کرۂ زمہریر میں

۱۲۵

اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہ امم
نے دامن رسول تھا نہ سایۂ علم
شعلے جگر سے آہ کے اٹھتے تھے دم بدم
اودے تھے لب زبان میں کانٹے کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو

۱۲۶

گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار　　آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آب نہر پرندے آ کے بے شمار　　سقے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دد کو پلانا ثواب تھا
اک ابن فاطمہؑ کے لئے قحط آب تھا

۱۲۷

سر پر لگاتے تھے پسر سعد چتر زر　　خادم کئی تھے مروحہ جنباں ادھر ادھر
کرتے تھے آب پاش مگر زمیں کو تر　　فرزند فاطمہؑ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ دشت کی وہ جلال آفتاب کا
سنولا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا

۱۲۸

کہتا تھا ابن سعد کہ اے آسماں جناب　　بیعت جو کیجیے ابھی تو حاضر ہے جام آب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب　　دریا کو خاک جانتے ہیں ابن بوتراب
فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آب بقا ہو یہ تو مرے کام کا نہیں

۱۲۹

کہہ دوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیل　　چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
کیا جام آب کا مجھے دیگا تو او ذلیل　　نے آبرو خسیس ستمگر دنی بخیل
جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے

کھلوائے فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے

۱۳۰

گر جم کا نام ہوں تو ابھی جام لیکے آئے کوثر ابھی رسولؐ کا احکام لیکے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لیکے آئے لشکر ملک کا فتح کا پیغام لیکے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

۱۳۱

فرما کے یہ نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار تھرا کے پیچھے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار آوازِ کوس حرب ہوئی آسمان کے پار
نیزے اُٹھا کے جنگ پہ اسوار تل گئے
کالے نشان فوج سیہ رو کے کھل گئے

۱۳۲

وہ دھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش کر ہو گئے تھے شور سے کروبیوں کے گوش
تھراتی یوں زمیں کہ اُڑے آسماں کے ہوش نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سواران شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

۱۳۳ مطلع دوم

جب رن میں تیغ تول کے سلطانِ دیں بڑھے گیتی کے تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانندِ شیر نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے گویا علیؑ الٹتے ہوئے آستیں بڑھے

جلوہ دیا جری نے عروس مصاف کو
شمشیر بے دریغ نے چھوڑا غلاف کو

۱۳۴

ہاتھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا
جیسے کنار شوق سے ہو خوبرو جدا
ضو سے شعاع جدا گل سے بو جدا
سینے سے دم جدا رگ جاں سے لہو جدا
گرجا تو رعد ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلی نکل پڑی

۱۳۵

آئے حسین یوں کہ عقاب آئے جس طرح
کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح
دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح
یوں تیغ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

۱۳۶

گرمی میں برق تیغ جو چمکی شرر اٹھے
جھونکا چلا ہوا کا جو سن سے تو سر اڑے
پرکالۂ سپر جو ادھر سے ادھر اڑے
روح الامین نے صاف یہ جانا کہ پر اڑے
ظاہر نشان اسم عزیمت اثر ہوئے
جن پر علیؑ لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

۱۳۷

جس پر چلی وہ تیغ دوپارا کیا اسے
کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارہ کیا اسے

واں تھی جدھر اجل نے اشارہ کیا اُسے — سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اُسے
نے زین تھا فرس پہ نہ اسوار زین پہ
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پہ

۱۳۸

آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی — دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
ایک ایک قصرِ تن کو زمیں پر گرا گئی — سیل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی
آ پہونچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

۱۳۹

یہ آبرو یہ شعلہ فشانی خدا کی شان — پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان — استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان
لہرائی جب اُتر گیا دریا بڑھا ہوا
تیزی پہ تھا ذوالفقار کا پانی چڑھا ہوا

۱۴۰

قلب و جناح و میمنہ و میسرہ تباہ — گردن کشانِ اُمتِ خیر الوریٰ تباہ
جنباں ہوئیں صفیں تہ و بالا پرا تباہ — بیجان جسم روح مسافر ہوا تباہ
بازار بند ہو گئے جھنڈے اُکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلے اُجڑ گئے

۱۴۱

اللہ ری تیزی و بُرِش اُس شعلہ رنگ کی — چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلبگار جنگ کی — حاجت نہ سان کی تھی اسے اور نہ سنگ کی
خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار دم میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

۱۴۲

تیغ خزاں تھی گلشن ہستی سے کیا اُسے — گھر جس کا خود اُجڑ گیا بستی سے کیا اُسے
وہ حق نما تھی کفر پرستی سے کیا اُسے — جو آپ سربلند ہو پستی سے کیا اُسے
کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ بُرِش دم کے ساتھ ہے

۱۴۳

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہوا — گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
چمکی تو الاماں کا غل چار سو ہوا — جو اس کے منہ پہ آگیا بے آبرو ہوا
رُکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اس کی آنچ سے

۱۴۴

بچھ بچھ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی — چمکی تو اس طرف اِدھر آئی وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی — اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
منہ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

۱۴۵

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوتے تھے جاں سے ہاتھ　　گردن سے سر الگ تھا جدا تھے نشاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ　　جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہ تھے منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے تھے فقط بھاگ جانے کو

۱۴۶

اللہ رے خوف تیغ شہ کائنات کا　　زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
دریا میں حال یہ تھا ہر اک بدصفات کا　　چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا
غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

۱۴۷

ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر　　منہ کھولے چھلتی پھرتی تھیں لیکن ادھر ادھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر　　تھے تہ نشیں نہنگ مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

۱۴۸

آیا خدا کا قہر جدھر صف شکن سے آ گئی　　کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آ گئی
دو کر کے خود وہ زین پہ جوشن سے آ گئی　　کھنچتی ہوئی زمین پہ توسن سے آ گئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغِ جناب کی

بستی بسی تھی مُردوں کی قرینے اجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے

۱۵۳

غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے
تھی طرفہ کشمکش فلکِ پیر کے تلے
چلّے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے
چھپتی تھی سر جھکائے کماں تیر کے تلے
اس تیغِ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

۱۵۴

چاروں طرف کمانِ کیانی کی وہ ترنگ
رہ رہ کے ابرِ شام سے تھی بارشِ خدنگ
وہ شور صیحۂ فرسِ ابلق و سمرنگ
وہ لُو وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ
پھنکتا تھا دشت کیں کوئی دل تھا نہ چین سے
اُس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے حسین سے

۱۵۵

سقّے پکارتے تھے یہ مشکیں ہیں لے ادھر
بازار جنگ گرم ہے ڈھلتی ہے دوپہر
پیاسا جو ہو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر
مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہلِ شر
کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو
پیتے تھے سب حسین ترستے تھے آب کو

۱۵۶

گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر
اُف اُف کبھی کیا کبھی چہرہ پہ لی سپر

آنکھوں میں ٹپس اُٹھی جو پڑی موج پر نظر	چھپٹے کبھی ادھر کبھی حملہ کیا اُدھر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

۱۵۷

سیراب چھیتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے	چلتی تھی ایک تیغ علیؑ لاکھ رنگ سے
چمکی جو فرق پہ تو نکل آئی تنگ سے	رکتی تھی نہ سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

۱۵۸

سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر	پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
مردم کی کشمکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر	گوشوں میں ڈھونڈھتی تھیں پر چھپا کے سر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگہ نہ تھی
جس نے کہ سر پہ ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

۱۵۹

گھوڑوں کی وہ تڑپ وہ چمک تیغ تیز کی	سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی	تھی چار سمت دھوم گریز اگریز کی
آخر سپر جو ہو گئی تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے منہ پھرا لئے تھے کارزار سے

۱۶۰

اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی سونلائی رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
سوکھے تھے لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی تصویر ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی
ہوتا تھا غل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

۱۶۱

پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسینؑ کی اللہ کا غضب تھا لڑائی حسینؑ کی
دریا حسینؑ کا ہے ترائی حسینؑ کی دنیا حسینؑ کی ہے خدائی حسینؑ کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم واسطہ علی اکبرؑ کی روح کا

۱۶۲

اکبرؑ کا نام سن کے جگر پر لگی سناں آنسو بھر آئے روک لی رہوار کی عناں
مڑ کر پکارے لاشِ پسر کو شہِ زماں تم نے نہ دیکھی جنگ مری اے مدینے کی جاں
قسمیں تمہاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

۱۶۳

چلایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابن سعد اے وا فضیحتا یہ ہزیمت ظفر کے بعد
تربیا دلاوروں کو نہیں یہ خلافِ وعد اک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثالِ رعد
نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابنِ سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر

بند ۱۶۴

بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر
روئیں تن و سیاہ دروں آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے ترکش اجل کا گھر
تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی طبیعت بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

بند ۱۶۵

ساتھ اس کے اور سی قد و قامت کا ایک یل
آنکھیں کبود رنگ سیہ ابروؤں پہ بل
بدکار و بدشعار و ستمگار و پر دغل
جنگ آزما بھگا کے ہوئے تشنۂ ازل
بھالے لئے کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ حرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر

بند ۱۶۶

کھنچ جائے شکل حرب وہ تدبیر چاہئے
دشمن بھی سب مقر ہوں وہ تقریر چاہئے
تیزی زباں میں صورت شمشیر چاہئے
فولاد کا قلم دم تحریر چاہئے
نقشہ کھنچے گا صاف صف کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

بند ۱۶۷

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی
ساونت بچ اس ہراساں تھے ہلچلی
ڈر تھا کہ لو حسین بڑھے تیغ اب چلی
غل تھا ادھر ہیں مرحب و عنتر ادھر علی
کون آج سربلند ہوا اور کون پست ہو

کس کی ظفر ہو دیکھئے کس کی شکست ہو

۱۶۸

آواز دی یہ ہاتف غیبی نے تب کہ ہاں — بسم اللہ اے امیر عرب کے سرور جہاں
اٹھی علی کی تیغ دو دم چاٹ کر زباں — بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہ زماں
واں سے وہ شور بخت بڑھا نعرہ مار کے
پانی بھر آیا منہ میں ادھر ذوالفقار کے

۱۶۹

شکستہ بیدل تھے لڑائی میں جی چھٹے — وہ بد نظر تھا آنکھوں پر آنکھیں دکھا گئے
ڈھالیں اٹھیں سپاہ کی یا ابر گڑگڑاتے — غصہ میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت کرکرائے
ماری جو ٹاپ ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پاؤں
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاؤ زمیں کے پاؤں

۱۷۰

نیزہ ملا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند — مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا جب وہ بہرہ مند — چلّہ ادھر کھنچا کہ چلی تیغ سربلند
وہ تیر کٹ گئے جو در آتے سنگ میں
گوشے نہ تھے کماں میں نہ پیکاں خدنگ میں

۱۷۱

ڈھالیں تھا کے گر کے تو آیا جناب پر — طاری ہوا غضب خلفِ بوتراب پر
مارا جو ہاتھ پاؤں جما کر رکاب پر — بجلی گری شقی کے سرِ پُرعتاب پر

بد ہاتھ میں شکست ظفر نیک ہاتھ میں
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں

۱۷۲

کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار
پیچھے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار
واں اُس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آبدار
یاں سر سے آئی پشت کی مہروں پہ ذوالفقار
قربان تیغ تیز شہ نامدار کے
دو ٹکڑے تھے سوار کے دو راہوار کے

۱۷۳

پھر دوسرے پہ گرز اٹھا کر لپکا یہ تباہ
کیوں ضربِ ذوالفقار پہ توڑی ہی کی نگاہ
سرشار تھا شراب تکبر سے روسیاہ
جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئی تھی راہ
غل تھا اُسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
لو دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے

۱۷۴

آتا تھا وہ کہ اسپِ شہِ دیں پلٹ پڑا
ثابت ہوا کہ شیر گرسنہ جھپٹ پڑا
تیغا شقی نے ڈھال پہ مارا تو ہٹ پڑا
ضربت پڑی کہ گنبدِ دوّار پھٹ پڑا
پیوند صدر و زیں جسد و فرق ہو گیا
گھوڑا زمیں میں سینہ تلک غرق ہو گیا

۱۷۵

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر
شیروں سے دشت گرگ سے بن اژدروں سے در

شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر　　اڑ کر گرے جزیروں میں جنگل کے جانور
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دیئے پر کانپ کانپ کے

۱۷۶

آئی صدائے غیب کہ شبیرؑ مرحبا　　اس ہاتھ کے لئے تھی یہ شمشیر مرحبا
یہ آبرو یہ جنگ یہ توقیر مرحبا　　دکھا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پہ
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پہ

۱۷۷

بس اب نہ کرو وغا کی ہوس اے حسینؑ بس　　دم لے ہوا ہیں چند نفس اے حسینؑ بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس اے حسینؑ بس　　وقت نماز عصر ہے بس اے حسینؑ بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں اژدہام میں
اب اہتمام چاہیئے اُمت کے کام میں

۱۷۸

لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں　　پلٹی سپاہ آئی قیامت جہان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں　　پھر کھل گئے لپٹ کے پھریرے نشان میں
بیکس حسینؑ ظلم شعاروں میں گھر گئے
مولا تمہارے لاکھ سواروں میں گھر گئے

۱۷۹

سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر　　چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پہلو کے پار ، یہ چھپاں سینہ کے پار تیر　　پڑتے تھے دس جو کھینچے تھے تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ ظلِ الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر

۱۸۰

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؓ پر　　ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؓ پر
یہ دُکھ نبی کی گود کے پالے حسینؓ پر　　قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؓ پر
تیرِ ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

۱۸۱

لاکھوں میں ایک بیکس و دلگیر ہائے ہائے　　فرزند فاطمہؓ کی یہ توقیر ہائے ہائے
بھالے وہ اور وہ پہلوئے شبیر ہائے ہائے　　وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے
غصے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کئے حسینؓ پہ ترکش بھرے ہوئے

۱۸۲

وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ　　اک سنگدل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
صدمہ سے زرد ہو گیا سبطِ نبی کا رنگ　　ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلقِ مبارک کو توڑ کے

۱۸۳

لکھا ہے تین بھال کا تھا ناوکِ ستم　　منہ کھل گیا اُلٹ گئی گردن رُکا جو دم
کھینچی سری گلے کی طرف سے بچشم نم　　بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم
اُبلا جو خوں نکلنا ہوا دم ٹھہر گیا
چلّو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا

۱۸۴

دشمن تھا شہ کا اعور سلمی عدوئے دیں　　سر پہ لگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں
ماری جو سینہ پہ ابن انس نے سناں کہیں　　بھالا گڑا وہ کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
تھرا گئی ضریح رسالت پناہ کی

۱۸۵

گرتے ہیں حسین فرس پر سے ہے غضب　　نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب　　غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب
قرآن رحل زیں سے سوئے فرش گر پڑا
دیوار کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

۱۸۶

گر کر کبھی اُٹھے کبھی رکھا زمیں پہ سر　　اُبلا لہو کبھی تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر　　کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر لی کبھی اُدھر
اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے

تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بھل گرے

۱۸۷

جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا
اُمت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمدا
اس وقت کون حق محبت کرے ادا
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
اُنیس سو ہیں زخم تن چاک چاک پر
زینب نکل حسین تڑپتا ہے خاک پر

۱۸۸

پردہ اُلٹ کے بنت علی نکلی ننگے سر
لرزاں قدم خمیدہ کمر غرق خوں جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر
اے کربلا بتا ترا مہمان ہے کدھر
اماں قدم اب اُٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہونچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

۱۸۹

اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ
لوگو خدا کے واسطے مجھ کو بتا دو راہ
سید کدھر تڑپتا ہے اماں کدھر ہیں آہ
کس سمت ہے نبی کے نواسہ کی قتل گاہ
شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

۱۹۰

کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ
بس اب سفر قریب ہے لٹد گھر میں جاؤ
اب ڈوبتی ہے آل رسول خدا کی ناؤ
یا مرتضیٰ غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ

اب چھوڑیو نہ دشتِ بلا میں حسینؑ کو
یا فاطمہؑ چھپا لو ردا میں حسینؑ کو

۱۹۱

بنتِ علیؑ تو پھرتی تھی ننگے سر
کٹتا تھا نورِ چشمِ علیؑ کا گلا ادھر
زینبؑ کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر
لیکن وہ دوڑی جاتی تھی بھائی کی لاش پر
پہونچی جو قتل گاہ میں اس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسینؑ کو نیزے کی نوک پر

۱۹۲

نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار
سید تری لہو بھری صورت پہ میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا چھری کی دھار
بھولے بہن کو واہ اسدِ حق کے یادگار
صدقے گئی لٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی یادِ الٰہ میں

۱۹۳

بھیا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو
چلا رہی ہے دخترِ حیدرؑ جواب دو
سوکھی زباں سے پھر ہمیں جواب دو
کیونکر جئے گی زینبِ مضطر جواب دو
جز مرگ دردِ ہجر کا چارہ نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

۱۹۴

بھیا میں اب کہاں سے تمہیں لاؤں کیا کروں
کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں

۵

عرش بریں غبار ہے کس بارگاہ کا　　مہر مبیں نگینہ ہے کس شاہ کا
کس کا علم نشان ہے فضل الٰہ کا　　کس کی ولا چراغ ہے کوثر کی راہ کا
پھرتے ہیں کس کے دست بریدہ نگاہ میں
ڈوبے ہوئے ہیں تیغ بھی کس کی چاہ میں

۶

فولاد کی ضریح میں کس کا مزار ہے　　کنگیرہ جس کا رحمت پروردگار ہے
باہم ضریح و قبر پہ نور آشکار ہے　　اس کی بہار وہ ہے یہ اس کی بہار ہے
قبر و ضریح پہ ہے نمود آفتاب کی
وہ آفتاب ہے یہ کرن آفتاب کی

۷

تربت بھی اور ضریح بھی ہے نور سے بھری　　صاحب مزار ماہ بنی ہاشمی جری
فولاد کی ضریح نہیں قبر پہ دھری　　اترا ہے برج سنبلہ بہر مجاوری
کیا قبر نے ضریح سے رتبے بڑھائے ہیں
حور و ملک نے دیدۂ نم یہ چڑھائے ہیں

۸

روضوں کا فرش قدسیوں کی ہے ابرنی　　جھاڑ آئے ہیں دونوں وقت جو دنیا میں روشنی
کیا جانے ان کی قدر کہ ہے کس نور سے بنی　　ہنگام صبح دھوپ سر شام چاندنی
آتی ہے یہ نماز جو در روضہ اکر سے

خیبر کشا محبّوں کی حاجت روا کرے

۸

روشن چراغ شعلۂ عقل و شعور کا — پروانوں کے پردوں میں ہے انوار حور کا
قندیل کہہ رہی ہے میں ہمتا ہوں طور کا — تربت کا یہ سبق ہے کہ سہرہ ہے نور کا
کیونکر پڑھیں نہ معتقد خاص فاتحہ
الحمد کی ندا ہے باخلاص فاتحہ

۹

پیارے ستون و سقف ہیں عرش جلیل کو — جیسے عصا کلیم کو کعبہ خلیل کو
قبہ کی تازگی ہے جیا سلسبیل کو — سدرہ کی راہ بھولتی ہے جبرئیل کو
دیتا ہے چرخ گنبد انور کی شان سے
جس طرح پیر زور میں عاجز جوان سے

۱۰

یہ اُس کی بارگاہِ ملائک پناہ ہے — دربار حق میں جس کی محبت سے راہ ہے
فوجِ خدا گواہ خدا بھی گواہ ہے — عباسؑ شیر بیشۂ شیر الٰہ ہے
تصویر ہے یہ فاتح بدر و حنین کی
شمشیر ہے خدا کی سپر ہے حسینؑ کی

۱۱

سقائی حسینؑ کی مدت تمام ہے — پیاسی سکینہ ہے نہ تشنہ کام ہے
اب کیوں حضور کا لب دریا مقام ہے — درپیش اپنے خاص غلاموں کا کام ہے

اب جو کنارہ کش نہیں دریا سے ہوتے ہیں
شیعہ گناہ کرتے ہیں عباس دھوتے ہیں

۱۲

صل علیٰ یہ شاہ شہیداں کا بھائی ہے | مشکل کشائی باپ سے ورثہ میں پائی ہے
شانے پہ بیں ہاتھ میں مشکل کشائی ہے | تیغ خدا کے قبضہ میں ساری خدائی ہے
سقائے شاہ خشک لباں پر دلیر ہے
دریائے آبرو کی ترائی کا شیر ہے

۱۳

ان کے علم کے نیچے سے خورشید زرد ہے | پرچم کے سامنے چمک انجم کی گرد ہے
مردوں کی تاج پیشہ مرد ان سے مرد ہے | دفتر فلک میں یہ نایاب و فرد ہے
ان کے سخن سے جوہر تیغ آشکار ہے
خود سیف ذو الجلال ہیں لب ذو الفقار ہے

۱۴

چشم کرم ہے شیعوں کے حال تباہ پر | جیسے خدا کی مہر حسینی سپاہ پر
یوں بند ہے زبان سخن عذر خواہ پر | جیسے کھلا ہوا در توبہ گناہ پر
مشرق کا سکہ مہر سے مغرب کا ماہ ہے
داں رات اختیار سفید و سیاہ ہے

۱۵

حاضر جو اس جناب کی درگاہ میں ہوا | گھر اس کا شاہ کے دل آگاہ میں ہوا

اس عابد کی سکینہ کی مولا تمہیں قسم — شمر لعین کی جس پہ لگی سیلی ستم
اس ناتواں کا واسطہ اے صاحب کرم — جو بیڑیوں کے بوجھ سے گرتا تھا ہر قدم
مجھ سے فلک کے رنگ بدلنے کو دیکھئے
روضہ کو اپنے اور مرے جلنے کو دیکھئے

۲۰

کہتا تھا یہ کہ نار وہیں نور ہوگئی — زیر کفن جو آگ بھی کافور ہوگئی
فانوس قبر قمقمہ طور ہوگئی — آئی ندا کہ خوش ہو بلا دور ہوگئی
مجھ کو رلا دیا جو ترے شور و شین نے
تجھ کو بچا لیا مرے آقا حسینؑ نے

۲۱

کیوں مومنو کہاں ہے کہاں ہے یہ معجزہ — آیات کبریا کا نشاں ہے یہ معجزہ
عاجز کنندۂ دو جہاں ہے یہ معجزہ — دشمن بھی کہہ رہے ہیں کہ ہاں ہے یہ معجزہ
عباسؑ چاند ہیں شہ بدر و حنین کے
لیکن پیارے جلوہ ہیں حب حسینؑ کے

۲۲

دیکھی جہاں ضریح شہ کم سپاہ کی — پہلو میں اس کے ان کے علم پر نگاہ کی
تربت پہ ہے جو نذر شہ دیں پناہ کی — حاضر ہے حاضری بھی علمدار شاہ کی
کچھ شیعہ یا حسینؑ ابصد یاس کہتے ہیں
کچھ رو کے ہاتھ حضرت عباسؑ کہتے ہیں

۲۳

وہ رازِ حق تو سینۂ مشکل کشا یہ ہیں   حکمِ خدا وہ ہیں تو دلِ مرتضیٰ یہ ہیں
حسن قبول وہ ہیں علیؓ کی دعا یہ ہیں   عیسیٰ گواہ ہیں کہ شفا وہ دوا یہ ہیں
غازی کے سر پہ شاہِ حجازی کے ہاتھ ہیں
حق ہے علیؓ کے ساتھ علیؓ حق کے ساتھ ہیں

۲۴

بچپن سے تھے یہ عاشقِ سلطانِ مشرقین   طاعت خدا کی جانتے تھے خدمتِ حسینؓ
آقا کے دیکھنے کو سمجھتے تھے فرضِ عین   اور بے طوافِ کعبۂ رخ دل کو تھا نہ چین
جھکنا قدم پہ شاہ کے معراج تھی انھیں
نعلینِ ابنِ فاطمہؓ سر تاج تھی انھیں

۲۵

لیتے تھے اٹھتے بیٹھتے شبیر کا جو نام   ہنس ہنس کے ان سے والدہ کرتی تھی یہ کلام
تم کون ہو حسینؓ کے یہ کہتے تھے غلام   وہ پوچھتی تھی کچھ سند اے عاشقِ امام
قیمت میں کیا دیا ہے شہ مشرقین نے
کہتے کو واری مول لیا ہے حسینؓ نے

۲۶

یہ کہتے تھے غلام بھی حاضر جواب ہے   اس بات کی حضور نہیں کچھ کتاب ہے
دعویٰ نہیں بتولؓ سے کیا انتساب ہے   کہتی ہو میری بی بی وہ عفت مآب ہے
آقا یہ ہے مرا جو وہ بی بی تمہاری ہے

قیمت جو آپ کی وہی قیمت ہماری ہے

۳۷

بیساختہ لپٹ کے وہ کہتی تھی مرحبا　　کیا ڈھونڈ کے جواب دیا واری واہ وا
تیوری نہ اب چڑھائیے بس غصہ ہو چکا　　کچھ خیر ہے ہنستی تھی تم ہو گئے خفا
زینت ہے دام شہ مشرقین کی
روزی نصیب تم کو غلامی حسینؓ کی

۳۸

اے مومنین کہ شبیر روتے ہیں　　نامی جواں تو گنج شہیداں میں سوتے ہیں
بچے تمام پیاس سے جان اپنی کھوتے ہیں　　اور اب جدا حسینؓ سے عباسؓ ہوتے ہیں
خالی رفیق و یار سے ہے پہلوئے حسینؓ
کس وقت توڑتی ہے اجل بازوئے حسینؓ

۳۹

آرام جانِ فاطمہؓ اب بیقرار ہے　　رو دیتے ہیں کچھ اور نہیں اختیار ہے
اتنا ہی غم ہے جتنا کہ بھائی کا پیار ہے　　پھر ماتم علیؓ ولی رو بکار ہے
حضرت کو موت اُن کی جدائی کا داغ ہے
یہ داغ اور کا نہیں بھائی کا داغ ہے

۴۰

تصویر خاص حیدرؓ کرار اٹھتی ہے　　تفسیر نور احمد مختار اٹھتی ہے
لشکر کے بعد شکلِ علمدار اٹھتی ہے　　شیعوں کے بادشاہ کی سرکار اٹھتی ہے

افسوس حسین کی مادر بیوہ وطن میں ہے
باری اب اس جوان کے مرنے کی رن میں ہے

۳۱

تہمید شہ سے پھر اجازت اٹھاتی ہے
جوڑے ہیں ہاتھ پاؤں پہ گردن جھکائی ہے
کہتے ہیں یا امیر روا ہو مری حاجت رد نہ کیجیے
آقا کے ہاتھ بندہ کی مشکل کشائی ہے
کوثر دیا شہیدوں کو مولا ہمیں بھی دو
اک قبر کی جگہ لب دریا ہمیں بھی دو

۳۲

سوکھے ہیں ساتویں سے لب شاہ بحر و بر
ہوتا ہے خون خشک مرا دیکھ دیکھ کر
آنکھیں ملا کے کہتے ہیں خادم سے مدگر
سقائے اہلبیت ہو تو آؤ نہر پر
تم بھی زباں سے اپنی تو قربان جاتے ہو
پانی نہیں امام کو اپنے پلاتے ہو

۳۳

دیکھی ہیں جاں نثار نے آنکھیں حضور کی
خشک نہ ہی اٹھیگی نہ اہل غرور کی
حالت ہے اب تباہ دل ناصبور کی
آئندہ جو رضا ہو امام غیور کی
گو یا لتیمیں سے بھائی بھی اک اس غلام کا
پر مجھ کو غم ہے خشکی حلق امام کا

۳۴

صفین میں بھی گھیرے تھے یہ نہر خود پسند
فوج معاویہ لب دریا تھی بہرہ مند

مشکل کشا کی فوج پہ آپ واں تھا بند		تھی موریوں سے واعطشا کی صدا بلند
پر مضطرب نہ والد عالی صفات تھے
اصغر سے بچے بھی تو نہ بابا کے سات تھے

۳۵

طاقت دکھائی آپ نے زہرا کے شیر کی		دیکھی گئی نہ پیاس جناب امیر کی
سقائی کی سپاہ تشنہ قلعہ گیر کی		اُلٹیں صفیں جناب نے فوج شریر کی
بابا کو لا کے نہر سے پانی پلا دیا
سب مر چکے تھے پیاس سے تم نے جلا دیا

۳۶

آقا نے میرے حق پدری یوں ادا کیا		فرماتے ہیں غلام نے حضرت سے کیا کیا
فدوی کو پال پوس کے تم نے بڑا کیا		بابا کے آگے بھی تمہیں بابا کہا کیا
میں جانتا ہوں قبلہ کونین آپ کو
اور دیکھتا ہوں پیاس سے بیچین آپ کو

۳۷

اصرار کر کے آپ نے بابا سے لی رضا		میں بار بار عرض کروں یہ مجال کیا
جو مار کرتے آپ علی سے وہ تھا بجا		سبط نبی ہو اور پسر اشرف النسا
پڑھتا ہوں کلمہ آپ کے میں نانا جان کا
ہے فرق مجھ میں تم میں زمین آسمان کا

۳۸

آئی ہے جب سے عید مجھے انفعال ہے — کہتا ہوں دل سے صبر کر اب انفصال ہے
حضرت کو آبرو کا مری خود خیال ہے — اب بھی مصر نہیں ہوں فقط عرض حال ہے
یوں فوج کو نہ کوئی علمدار دیوے گا
ایسا کبھی واقعہ نہ ہوا ہے نہ ہوئے گا

۳۹

صفین میں جب پیاسے شہ ذوالفقار تھے — منہ ان کا دیکھ دیکھ کے آپ اشکبار تھے
پھرتے تھے آس پاس بہت بیقرار تھے — عباسؑ کی طرح سے نہ بے اختیار تھے
پیاسا ہی سا ہر ایک کا دل جان لیجئے
اب اس غلام کا بھی کہا مان لیجئے

۴۰

تم باپ کی جگہ ہو یہ خادم پسر کی جا — صفین کا وہ دشت تھا یہ دشت کربلا
واں ایک معاویہ تھا یہاں لاکھ اشقیا — واں ابتدا تھی پیاس کی اور یاں ہے انتہا
شامی وہی ہیں اور وہی نہر فرات ہے
انصاف اب غلام کا آقا کے ہات ہے ۔

۴۱

رو کر کہا حسینؑ نے دریا پہ جاؤ گے — عباسؑ پانی لاؤ گے ہم کو پلاؤ گے
واللہ بھائی داغ جدائی دکھاؤ گے — ہم آئے تھے فرات سے پر تم نہ آؤ گے
سمجھو تو خیمہ کیوں لب دریا سے اٹھ گیا
پانی مرے نصیب کا دنیا سے اٹھ گیا

۴۴۲

صفّین میں گیا تھا جو دریا میں خبر یں　　بابا بھی میری بیکسی و تنہائی کیا یوں ہیں
جب سے کہ میرے پانی کے لانے کا تھا یقیں　　ہم کو تو آس آپ کے آنے کی ہے نہیں
جان لو جدا جو ہوئے تم تو ہم نہیں
سکینہ سے سر کے ٹوٹنا بازو کیا تم نہیں

۴۴۳

بھائی جدا بھائی کی ہی باعث قضا　　بن بھائی کا کرے نہ کسی بندہ کو خدا
اکبر عصا ہے میری ضعیفی کا یہ بچا　　پر ہاتھ ہی نہ ہونگے تو کیا رہتے عصا
کس درد کا جگر سے مرے سامنا ہوا
دشوار اب حسینؑ کو دل تھامنا ہوا

۴۴۴

خیمہ کے ایک گوشہ میں یہ حشر تھا بپا　　اور سن رہی تھی چھپ کے سکینہ یہ ماجرا
مولا جو چپ ہوئے تو پکاری وہ مہ لقا　　ای او گویاں تو آؤ کہ یہ گفتگو ہے کیا
دریا کے آنے جانے کے کچھ ذکر ہوتے ہیں
اے لو چچا بھی روتے ہیں بابا بھی روتے ہیں

۴۴۵

شہ سے کہا چچا کو نہ آنسو بہانے دو　　اچھا تو کہتے ہیں انھیں دریا پہ جانے دو
پانی حضور کے لئے لاتے ہیں لانے دو　　غصہ کی آنکھ اہل ستم کو دکھانے دو
پانی جو آپ کے لئے عباسؑ لائیں گے

جعفر کی روح آ کے لاشے پہ روئے گی
ہے ہے ابا اس علم کی زیارت نہ ہوئے گی

۵۵۰

زینب نے ٹہر ٹہر کے کان میں یہ کچھ کہا
سنتے ہی پھر سجدہ جھکا ابن مرتضیٰ
زینب نے پوچھا کیسی اندیشہ جدا جدا
ہم سے یہی کہہ بھائی سے ارشاد کیا کیا
باچھیں نو کھل گئیں اس با تمیز کی
بولو قسم حسین کی جان عزیز کی

۵۵۱

روکر کہا یہ زینب عالی مقام نے
ام البنین پھرتی ہیں آنکھوں کے سامنے
یثرب سے جبکہ کوچ کیا تھا امام نے
کی تھی سفارش ان کی یہ اس نیک نام نے
جب تک یہ اٹھائیں سبک دوش کیجیو
میری طرف سے دودھ مرا بخش دیجیو

۵۵۲

لوگو گواہ رہیو کہ تم سب کے سامنے
ان کا سخن ادا کیا تشنہ کام نے
کھوئے حواس بیبیوں کے اس کلام نے
پردہ اٹھایا پانو سے شاہ انام نے
جھٹکا کہ ہلال برج فلک سے نکل گیا
نور نگاہ تھا کہ پلک سے نکل گیا

۵۵۳

عباسؓ جب کہ جانب باغ جناں چلے
شانہ پہ لاکھ شان سے لیکر نشاں چلے

زوجہ نے پوچھا اے مری والی کہاں چلے — بولے جہاں سے آپ پدر بھی گئے وہاں چلے
اب آخری وداع کی باری نہ آئے گی
آتی ہے سب کی لاش ہماری نہ آئے گی

۵۵۴

عباس سے سنا جو یہ اُس تشنہ کام نے — دنیا سیاہ ہو گئی آنکھوں کے سامنے
اک آہ کی کمر کو پکڑ کر امام نے — پردہ اُٹھایا تو نے شاہ انام نے
جھک کر ہلال برج فلک سے نکل گیا
نور نگاہ تھا کہ پلک سے نکل گیا

۵۵۵

پاس ادب سے پیچھے کو سب دور دور آئے — عفو قصور کے لئے کبر و غرور آئے
غل پڑ گیا جلو کے لئے فوج نور آئے — یاں لاؤ مرکب دو رویہ حضور آئے
آیا سجا سجایا نکا در جناب کا
پاکھر کرن کے تاروں کی زین آفتاب کا

۵۵۶

نکلی سے لگ کے گردن توسن پہ یا علی — اک جست میں سوار ہو حق کا وہ ولی
فی الفور نور طور کے معنی ہوئے جلی — بجلی جلا یا پھول کو خود رشک سے جلی
ٹھنڈی ہوئی ہوا جو یہ گرم عناں ہوا
صرصر کی سانس رک گئی جب یہ رواں ہوا

۵۵۷

پابوسی کو رکاب کا حلقہ وہاں بنا
اور اس میں پھر وہ پائے مبارک نشاں بنا
پھر آستان خانۂ زیں آسماں بنا
عرش جلیل زین تجلی نشاں بنا
آنسو مگر نہ تھمتا تھا اس راہوار کا
یعنی مجھی پہ آئے گا لاشہ سوار کا

۵۵۸

رکھنے لگا جو ہاتھ تصور عناں پہ
بگڑا بنا کے منہ کو نہ کھیل اپنی جان پہ
بولی زمیں کدھر تو کہا آسمان پر
پوچھا جو آسماں نے کہا لامکان پہ
یہ کہہ کے فکر و وہم کی حد سے گذر گیا
سایہ ہوا سے پوچھ رہا تھا کدھر گیا

۵۵۹

غل ہر مکاں سے وادکا تا لامکاں اٹھا
ایسا جھکا کہ پھر نہ سر آسماں اٹھا
شعلہ علم کے نور سے اک ناگہاں اٹھا
جنگل میں رعب جلگئی کو سوں دھواں اٹھا
انساں کیسے جان جنوں کی نکل گئی
گاو زمیں یہ تڑپی کہ مچھلی اچھل گئی

۵۶۰

کچھ عقل سے سروں پہ بن آئی کر پڑی
تسکیں کی کہیں نہ جگہ پائی کر پڑی
ہر سقف سینہ خوف سے تھرائی گر پڑتی
لرزی یہ طاق چشم کہ بینائی گر پڑی
قائم نہ دین لشکر کفار کا رہا
اقرار تک نہ وحدت غفار کا رہا

۶۱

خیبر شکن کے لال کی آمد ہے صف شکن　　گرتی ہے فوج فوج پہ پڑتا ہے رن پہ رن
تیغِ خدا کی تیغ کا سایہ ہے تیغ زن　　غلطاں کہیں قدم ہے کہیں سر کہیں بدن
نے حوصلہ بغضِ امام مبیں رہا
اب دل میں بھاگنے کے سوا کچھ نہیں رہا

۶۲

گاہک اجل کے شامی ایماں فروش ہیں　　بازار مثلِ شہر خموشاں خموش ہیں
آمد کے غلغلہ سے پراگندہ ہوش ہیں　　قبریں کفن سے مردوں کی منہ پہ روپوش ہیں
لبیک کہتے خضرؑ اور الیاسؑ آتے ہیں
غل ہے جناب حضرتِ عباسؑ آتے ہیں

۶۳

اب فرقِ روز و شب سحر و شام کو نہیں　　ہلنے کو ہوش گردشِ ایام کو نہیں
دنیا میں آبرو کسی صمصام کو نہیں　　سوفار کے لبوں پہ ہنسی نام کو نہیں
خنجر مثال طائر بسمل پھڑکتے ہیں
دل کی طرح سے ڈھالوں کے سینے دھڑکتے ہیں

۶۴

بڑھ کر کہا عمر نے وحید الزماں یہ ہے　　ہمنام ذوالجلال کا نام و نشاں یہ ہے
ہاں لشکرِ خدا کا نمودی جواں یہ ہے　　تیغ شکوہ حمزہؑ صاحب قراں یہ ہے
سیف خدا خطاب ہے عباس نام ہے

یہ بازو تے حسین علیہ السلام ہے

۶۵

عباسؓ ہوئے مدح کے قابل امام ہیں — بھائی بھی اُن کے بس حسن سبز فام ہیں
باقی جو اور بھائی ہیں وہ سب غلام ہیں — وہ رہنما و قبلہ ہر خاص و عام ہیں
گمراہ ہے تو دور ہو جا اپنی راہ سے
ورنہ یہ ہے نبی کا علم آپ شاہ سے

۶۶

ذکر حسینؓ حور و ملک کا وظیفہ ہے — تیرا خلیفہ طالب دنیائے جیفہ ہے
وہ ہے خلاف حق یہ نبی کا خلیفہ ہے — وہ خود غلط ہے اور یہ خدا کا صحیفہ ہے
ناداں تیا خدا کا شناسا نہیں حسینؓ
لے تو ہی کہہ نبی کا نواسا نہیں حسینؓ

۶۷

یہ رتبہ زر کے زور سے حاشا نہ ہوئے گا — ادنیٰ ہوا و حرص سے اعلیٰ نہ ہوئے گا
فرعون جا کے طور پہ موسیٰ نہ ہوئے گا — حکمت سے کوئی اپنی مسیحا نہ ہوئے گا
کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود میں
آیا نہ آیا مثل علیؓ مدح و جود میں

۶۸

ہر سبز پوش خضر نہیں عز و جاہ میں — ہر سبز حیدری ہیں جناب اِلٰہ میں
یوسف نہ ہوگا لاکھ گرے کوئی چاہ میں — دن رات کا ہے فرق سفید و سیاہ میں

کوئی یتیم فاطمہ سا خوش گہر نہیں
ہر اک یتیم در یتیم اسے عمر نہیں

۶۹

چاہے زرہ بنا کے جو داؤد کا وقار	واللہ جلسا زہے کیا اس کا اعتبار
ہر بخیہ گر نہ ہو کبھی ادریس نامدار	ہر نا خدا کو نوح کہیگا نہ ہوشیار
کیا جاہلوں کے عیش کا سامان ہو گیا
بیٹھا جو تخت پر وہ سلیمان ہو گیا

۷۰

گوسالہ نے کیا تھا جو دعوی تو کیا ہوا	کہہ تو ہی کذب صدق ہوا تب خدا ہوا
یوں ہی یزید بھی جو خلیفہ ہوا ہوا	باطل نہ اس سے حق امام ہدا ہوا
جس طرح سے خدا کوئی غیر از خدا نہیں
یوں ہی بجز حسینؑ امام ہدا نہیں

۷۱

وارث ہر اک نبی کا یہی سید جلیل	بیٹے کو ذبح کرنے لگے جس گھڑی خلیل
دنبہ ریاض خلد سے لے آئے جبرئیل	فدیہ ہوا ذبیح کا حیوان بے عدیل
نعلین اس کے پوست کی ہے شہ کے پاؤں میں
اور چتر حق کے سایہ کا ہے دھوپ چھاؤں میں

۷۲

قرآں ورق ورق ہے سپر ہے حسینؑ کی	چشم نبیؐ زرہ ہے شہ مشرقین کی

اور یہ تیغ تیز فاطمہ کے نور عین کی ہے ذوالفقار فاتح بدر و حنین کی
اتری ہے گو زمین پہ عرش جلیل سے
پر کاٹنے کا حال کھلا جبرئیل سے

۷۳ء

جس کی زمین عرش ہے وہ گھر ہمارا ہے کرسی خدا کے نور کی منبر ہمارا ہے
ایماں ہے جس کی فردوہ دفتر ہمارا ہے مکتب ازل سے عرش منور ہمارا ہے
احمد مدینہ علم کے در بوتراب ہے
اس باب میں حدیث رسالتمآب ہے

۷۴ء

اپنی ولا سے فوق ملک پر ہے روح کو ہم روح تازہ دیتے ہیں سام ابن نوح کو
حکم خدا سے قبض بھی کرتے ہیں روح کو ہم کھولتے ہیں جنگ میں باب فتوح کو
فیصل ہوا ہے قول یہ خیبر کے قصہ میں
آیا ہے لافتیٰ مرے بابا کے حصہ میں

۷۵ء

لذت ملیگی حشر کے دن ان کلاموں کی جس دن نکل پڑیگی زباں تشنہ کاموں کی
کوثر نبیؐ کا ہوگا حکومت اماموں کی سقائی ہم کرینگے علیؑ کے غلاموں کی
آل رسولؐ مالک روز حساب ہے
کیا قہر ہے انھیں کے لئے قحط آب ہے

۷۶ء

یہ دن وہ ہیں طپش کے کہ سب رحم کھاتی ہیں   اکثر سبیلیں رکھتے ہیں پانی پلاتے ہیں
پردیسیوں کو سایہ میں لاکر بٹھاتی ہیں   یا اپنے مہمان سے پانی چھپاتے ہیں
ہے ہے قلق یہ ہوں چھ مہینے کی جان کو
آنکھیں پھرا کے ہونٹوں پہ پھیرے زبان کو

۷۷

اب بھی سمجھ خدا کے لئے آ جہاں میں آ   دے پانی بے بہشت نہ جا نار میں نہ جا
بیعت ابن فاطمہ کی بیعت خدا نے   تیری بھلائی کے لئے کہتے ہیں ہم کو کیا
سب خاک ہے نہ زر نہ پسر کام آئیں گے
تربت میں بو تراب ہی آکر بچائیں گے

۷۸

بولا وہ منہ پھیر کے سنو اے گروہ شام   لو ہم سے لینے آئے ہیں یہ بیعت امام
میں وہ نہیں ہوں مان لوں عالم کا ہوں غلام   دنیا مجھے پسند ہے ایمان کو سلام
بیعت یزید کی تو نہ شاہ امم کریں
قدرت خدا کی بیعت شبیر ہم کریں

۷۹

یاں کان آشنا تھی کب اس بول چال سے   دیکھا لرز کے تیغ کو قہر و جلال سے
بھاگا چھپا کے روئے سیاہ کو وہ ڈھال سے   بادل اٹھے نشانوں کے دشت قتال سے
تیغیں دبی ہوئی جو یکایک نکل پڑیں
پرتو سے مچھلیاں بھی برابر اچھل پڑیں

۵۸۰

بڑھکر نقیب بولے سے کہ ہاں سرفروشو ہاں   شیر و دلیر و غازیو نازی کی لوغاں
مرتے ہیں مرد نام پہ نامرد بہرناں   سنبھلے ہوئے کہ سامنے ہی ہاشمی جواں
لینا نہ موںھ پہ ٹوھال کہ ہستی حباب ہے
دینا نہ آبرو کہ یہ موتی کی آب ہے

۵۸۱

بولی یہاں رضائے خدا و تد ذو الجلال   بسم اللہ اے جناب امیر عرب کے لال
عدل خدا پکار اکہ خون عدو حلال   نیچہ بڑھایا مہر علی نے سوئے ہلال
قبضہ وفور شوق سے دو ہاتھ اچھل پڑا
قالب سے ماہ نو کے مہ نو نکل پڑا

۵۸۲

نکلی غلاف نور سے تفسیر جوہری   یا آکے دست بوس سلیماں ہوئی پری
یا حجلہ سے عروس نے کی جلوہ گستری   یا ہے یہ شاخ میوۂ طوبیٰ ہری ہری
اس ہاتھ سے مرادیں تھیں جو جو وہ مل گئیں
باچھیں خوشی سے تیغ کے قبضہ کی کھل گئیں

۵۸۳

شاخ نیام سے ہوا اس طرح پھل جدا   پیروں کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا
ہستی زمیں پہ تیغ کی جدا اور اجل جدا   خنجر جدا فلک پہ گرا اور زحل جدا
غل تھا کہ اب مصالحہ جسم و جاں نہیں

لو برق تیز دم کا قدم درمیاں نہیں

۸۴

سایہ بھی صاف تیغ سے فوراً جدا ہوا   مطلب ملا کہ پانی سے روغن جدا ہوا
تنہا نہ رنگِ چہرۂ دشمن جدا ہوا   گردن سے سر تو روح سے سر تن جدا ہوا
پیہم صدا دلوں کے دھڑکنے کی آتی تھی
آواز بوق اٹھتی تھی اور بیٹھ جاتی تھی

۸۵

سیدھی ہوئی جو تیغ تو لشکر اُلٹ گیا   میداں سے ہاتھوں جی سے دل سب کا پھٹ گیا
سب بے ہے کھی زور کو واں سے جو گھٹ گیا   مانند ناف خوف سے سینہ سمٹ گیا
بولی یہ تیغ دم سر اعدا پہ لوں گی میں
برش پکاری تو یہ ٹھہرنے نہ دوں گی میں

۸۶

بڑھتی ہوئی زبان سی یہ لافتی چلی   روشن نگاہ کہنے کو آگے قضا چلی
بائیں کو قہر داہنی جانب بلا چلی   بالکل چراغ عمر ہوتے گل ہوا چلی
کہتے تھے تیغ دولہا کو سہرے جیسی لگائی تھی
اُن پر حسین کی آہ نے بجلی گرائی تھی

۸۷

پھل وزن میں تھا پھول تجلی میں نخل طور   گرمی میں محض نار تو نرمی میں صاف نور
آسیب سا یہ چال پری قبضہ چشم حور   خود نہر آب زہر تڑپ قہر شور صور

یوں دفعتہً زمیں سے گئی آسمان پر
جس طرح غصہ آئے کسی ناتوان پر

۸۸

تیغیں بڑھیں تو اور گھٹی شان اشقیا — دست سوال جیسے سب اعضا میں بدنما
الزام ان کی تیغ نے سب تیغوں کو دیا — گرمی سے اس کی سرد تھی اعدا کی دست و پا
جوہر کے خرمنوں پہ جو مثل شرر گری
ہر تیغ پھلجھڑی کی طرح چھوٹ کر گری

۸۹

پھر تو پکارتی یہ ادھر وہ ادھر گرا — وہ نیچہ وہ ہاتھ وہ خود اور وہ سپر گرا
بن بن کے برق سایۂ تیغ ظفر گرا — واں مورچہ سے باپ اٹھا یاں پسر گرا
گر گر کے سر پہ رن میں برابر طپاں ہوئے
جو رن میں سند میں کے معنی عیاں ہوئے

۹۰

اس تیغ سے تھا ساری زمانہ میں ماہ عید — روشن تھا پنجتن کے گھرانہ میں ماہ عید
آتے ہیں فرعید تو جاتے ہیں ماہ عید — صایم کو تھا غذا کے کھلانے میں ماہ عید
دل کے شکست ہونے سے روزی کا در کھلا
برسوں کے بعد روزۂ فتح و ظفر کھلا

۹۱

دینار تیغ رونق بازار ہوگیا — نادار اس کے چلنے سے زردار ہوگیا

اور دورِ مفلسی کا سب آزار ہو گیا — یہ آبِ تیغ شربتِ دینار ہو گیا
صد پارہ رن میں قالبِ ہر بے دریغ تھا
اس عہد میں یہ خوردہ دینارِ تیغ تھا

۹۲

آندھی تھی گرد گھوڑے کی ذرہ خاک اڑاتی تھی — دریائے تیغ نے نئی گرمی دکھائی تھی
آندھی نے آگ پانی کے اندر لگائی تھی — شعلوں کی بجلیوں سے ہر اک شے جلائی تھی
چل پھر سے اس کی تیغ کی جنبش زیادہ تھی
کشتی تیغ کے لئے بادِ مراد تھی

۹۳

چہروں پہ مردنی کی طرح تیغ چھا گئی — ہر استخواں میں مثلِ تپِ دق سما گئی
اعجازِ خاکساریِ حیدر دکھا گئی — مانندِ خاک ناریوں کے تن جلا گئی
سب کے گلوں سے ملتی تھی لیکن رکی ہوئی
جوہر یہ تھے کہ بوجھ سے خود تھی جھکی ہوئی

۹۴

باطل کو حق سے تیغ نے خود کر دیا پرے — خورشید جیسے رات کو دن سے جدا کرے
خالی طرارے رخشِ جہندہ نے جو بھرے — میدان سے ہرن ہوئے روباہوں کے پرے
شعلہ جو اس کے مشعلِ سم سے عیاں ہوا
کیا کیا چراغ پا فرسِ آسماں ہوا

۹۵

آتے تھے جوڑ توڑ عجب تیغ تیز کو   سر سے گری جدا کیا پائے گریز کو
اپنے سے گرم دیکھ کے اس شعلہ ریز کو   برق و شرر نے نذر کیا جست و خیز کو
بو گل نے رنگ لالہ نے سرعت ہوا نے دی
یہ ہدیہ کیا ہے اپنی نیابت قضا نے دی

۹۶

ڈوبی سپر میں گر کے نئی چال ڈھال سے   پا کر بچ بیچ میں یہ پڑی سیدھی چال سے
اٹھ کر زرہ میں آئی شکوہ و جلال سے   اک جال میں تڑپ کے گئی ایک جال سے
گذری جو چار آئینہ سے منہ کو موڑ کے
غل تھا یہ ہی نکل گئی شیشہ کو توڑ کے

۹۷

قربان فوج بازوئے شاہ جلیل پر   تر تیغ دست جود کو تھی سلسبیل پر
یوں فوج کا ہجوم تھا تیغ اصیل پر   گرمی سے جیسے پیاسوں کا یادہ سبیل پر
تازے ہے جو اس تیغ رو ان نے دکھا دئیے
پانی کے بدلہ پیاس کے تیور بجھا دے

۹۸

سکان شام و کوفہ میں اک باخدا نہ تھا   ان کا سوائے قہر خدا نا خدا نہ تھا
مطلب بجز خلاصی جاں تیغ کا نہ تھا   ڈوبا وہی حسینؑ سے جو آشنا نہ تھا
رنگ سیہ کے اڑنے میں یہ امتیاز تھا
دریائے تیغ میں وہ دھویں کا جہاز تھا

۹۹

قربان برق دہر تیغ شعلہ تاب — موتی کی آب و تاب سمندر کا پیچ و تاب
خود نوح و خود سفینہ و خود ماہی و خود آب — سرگوشیاں فرات میں کرنے لگے حباب
ظرف تنک میں تھی یہ جگہ اُن کے آب کی
بند مٹھی تھی اور کھلی تھی مٹھی حباب کی

۱۰۰

ہے قاعدہ کہ بھرتا ہے پانی جو ناگہاں — دریا میں بیٹھ جاتی ہے ہر کشتی رواں
پر اس جہاز تیغ کو خطرہ نہ تھا وہاں — عباس ناخدا تھے علم شہ کا بادباں
دریائے خوں تھا تیغ سکے روکے نا ڈوبا
پر واں رواں تھی جیسے کہ کشتی بہاؤ پر

۱۰۱

پوچھا فلک نے امن و اماں زیر ناؤ ہے — آواز دی زمین نے تیرا ڈباؤ ہے
اس نے کہا کہ تخت ہی نہ کچھ بچاؤ ہے — بولی نمود سینہ ماہی و گاؤ ہے
اس پوچھنے میں تیغ کا دریا یہ بڑھ گیا
نو پل فلک کے کیا ہیں کئی پل یہ چڑھ گیا

۱۰۲

کاٹا پلک میں آنکھ کو پتلی میں نور کو — پاؤں میں کجروی کو سروں میں غرور کو
سینہ میں بغض و کینہ کو دل میں فتور کو — نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو
ذات اک طرف مٹا دیا بالکل صفات کو

کیسی زباں زباں میں یہ کاٹ آئی بات کو

۱۰۳

جب سرکشوں پہ سایۂ تیغ اجل پڑا | بالوں کی طرح ہوش سروں سے نکل پڑا
جھکڑ اسر و قدم میں عجب بے محل پڑا | دونوں کی بیخودی پہ بدن خود اچھل پڑا

سر بھاگ گئے کو یا تھے سیاہ عمر سے
بچنے کی آرزو میں قدم اٹھ گئے سر سے

۱۰۴

مردہ تھا سر میں ہوش سراسیمہ سر فروش | سر قبر خود تھا گنبد قبر جو اس میں ہوش
بیجاں سلاح جنگ پریشاں سلاح ہوش | دم مارا تیغ نے نہ ہلایا سپر نے گوش

چلایا کی کمان نہ تیر اک رواں ہوا
ڈھالوں کے پھول جلنے کو چالیسواں ہوا

۱۰۵

رو کی جو ڈھال اور بھی اندھیر چھا گیا | روز سیاہ شامیوں کے منہ پہ آگیا
آخر بغیر بھاگے نہ سر گذر رہ گیا | اور نہر علقمہ میں وہ بحر و بیا گیا

ڈر ہاتھ آبرو سے جو دریا کو بھر دیا
ڈر نحیف نے بحر کو بحرین کر دیا

۱۰۶

چلو بھر افرات سے سر کا کے آستین | غیرت سے دیر تک اسے دیکھا کئی وہیں
پھر لا کے امتحاں کے لئے ہونٹوں کے قریں | سینہ میں دل تڑپ کے پکارا نہیں نہیں

گو مہر فاطمہ ہے یہ مجھ پر حرام ہے
ہفتم سے فاطمہ کا پسر تشنہ کام ہے

۱۰۷

پانی جو بے حسین کے منہ سے لگائے گا ہے ہے وفا کا نام ابھی ڈوب جائیگا
اس وقت آس ٹوٹ گئی کیا پھر نہ پائے گا یہ روز اب زمانہ میں کا ہیکو آئیگا
حضرت کہاں فرات کہاں کربلا کہاں
تا عصر خاتمہ ہے یہ دکھ یہ بلا کہاں

۱۰۸

غازی نے دل کے مشورہ پہ مرحبا کہا دریا سے روکے پیاسوں کا ساتھ جا کہا
کاندھے پہ بھر کے مشک کہی یا خدا کہا چلتے ہوئے اجل نے پیام قضا کہا
ہے ہے نصیب پیاسوں کا رستہ میں پھر گیا
سقہ حرم کا فوج کے طوفاں میں گھر گیا

۱۰۹

بانو پکاری ضامن عباس کو بلاؤ لوگو کہو سکینہ سے لاؤ چچا کو لاؤ
انگلی پکڑ کے فضہ کی سوئے فرات جاؤ حضرت تڑپ رہے ہیں علمدار کو ملاؤ
بھیجا تھا کیوں جواں کو نہیں اب بلاتی ہو
عاشق ہو کیسی باپ کو اپنے رلاتی ہو

۱۱۰

سہمی ہوئی سکینہ قریب آئی تنگے پا ننھے سے ہاتھ جوڑ کے حضرت سے یہ کہا

میں جاؤں بابا جان نہ آئیں اگر چچا — ضامن ہو بابا ہی لو مجھے جھوٹا کرینگے کیا
ایسے تو وہ نہیں ہیں کہ وعدہ بھلائیں گے
فرما گئے ہیں نہر سے آ کے نہ جائیں گے

۱۱۱ ه

شہ رو کے بولے ٹوٹ پڑا ہم پہ آسماں — سچے ہیں بھائی ٹھیک تمہارا لگا ہے بیاں
اچھا نہ آ گئے جائیگا حیدر کا وہ نشاں — کیا نہر پہ اجل نہیں آ سکتی میری جاں
دریا پہ کون روکنے والا قضا کا ہے
دو لاکھ سے مقابلہ تیرے چچا کا ہے

۱۱۲ ه

یہ سن کے ہوگئی وہ سراسیمہ اور کہا — ہے ہے یہ اب کھلا مجھے بہلا گئے چچا
لائے کہیں صحیح و سلامت انہیں خدا — یوں روٹھوں میں کہ اُن کو بھی معلوم ہو گیا
مجھ کو بھی ضد ہے پیاس سے جان اپنی دونگی میں
پانی بھی اُن کا لایا ہوا اب نہ لونگی میں

۱۱۳ ه

یہ ذکر تھا کہ نہر سے ماتم کا غل اُٹھا — نوحہ یہ تھا کہ وا ولیہ وا مصیبتا
اکبر لپٹ کے رونے لگے شہ سے اور کہا — دادا کی روح روتی ہے مارے گئے چچا
اُن کی عزا کا آپ بھی سامان کیجئے
شہ بولے میرا چاک گریبان کیجئے

۱۱۴ ه

ناگہ ندا یہ آئی میں قربان یا حسینؑ — آقا حسینؑ قبلۂ ارض و سما حسینؑ
اے میرے وقت نزع کو حاجت روا حسینؑ — اے جان اب غلاموں کے مشکل کشا حسینؑ
ہچکی لگی ہے دم کو قرار ایک دم نہیں
بالیں پہ میری آہ تمہارے قدم نہیں

۱۱۵

شہ نے کمر پکڑ کے کہا ہائے بھائی جان — جانا نہ بے ملے ہم ابھی آئے بھائی جان
اللہ تم تلک ہمیں پہونچائے بھائی جان — دھڑکا یہی ہے غش کہیں آ جائے بھائی جان
گو نور چشم تھامے ہوئے ہاتھ میرا ہے
اس پر بھی دونوں آنکھوں کے آگے اندھیرا ہے

۱۱۶

اکبر کو ساتھ لیکے چلے شاہ کربلا — یاں قبہ و خیام گرے ہل کے جا بجا
دوڑی سکینہ ڈیوڑھی پہ رو رو کے دی صدا — ہے ہے ستم ہوا ارے لوگو غضب ہوا
بابا سوئے فرات ابھی ننگے سر گئے
لو صاحبو ہمارے چچا جان مر گئے

۱۱۷

واں شہ کو نہر پہ گہر مدعا ملا — پر لعل خوں میں وہ دُرِ بے بہا ملا
مچھلی کی طرح شیر تڑپتا ہوا ملا — آنکھیں عطش سے بند لبیں منہ کھلا ملا
دیکھا کہ روح پاک سوئے حق رجوع ہے
رُکتی ہے سانس موت کی ہچکی شروع ہے

۱۱۸

یہ دیکھتے ہی آگے بڑھے اکبر جواں
بڑھنا تھا بس کہ ہو گئے گبڑی لہولہاں
دیکھا کہ دھار خون کی سینے سے ہے رواں
حضرت نے پوچھا کیا ہے کہا ہے بابا جان
نوک سناں کلیجے کے جگر میں در آئی ہے
کیا لے جگہ کسی نے یہ برچھی لگائی ہے

۱۱۹

لاشہ پہ تھرتھرا کے گرے شاہ نامدار
جھک جھک کے کان میں کہا ہو ہو کے بیقرار
ہمدم رفیق دوست مددگار جاں نثار
بازو جگر ضیائے نظر رونق کنار
ہر زخم پر حسین فدا ہو نثار ہو
آنکھوں کو تو کھولو بات کرو ہوشیار ہو

۱۲۰

سنتا تھا یہ کہ ہونٹ علمدار نے ہلائے
شہ نے جو کان لب پہ دھرے تو سنا یہ ہائے
چپکے سے کہہ رہے ہیں میں صدقے حضور آئے
بچپن سے ناز آپ نے کیا کیا مرے اٹھائے
اپنا غلام کہہ کے پکارو تو بولیں ہم
آئی نہ ہو سکینہ تو آنکھوں کو کھولیں ہم

۱۲۱

یہ کہہ کے بیکسوں کے مددگار مر گئے
حمزہ سدھارے جعفر طیار مر گئے
جبرئیل بولے حیدر کرار مر گئے
اب مصطفےٰ کے سارے علمدار مر گئے
مولا جدا نہ بھائی کے لاشہ سے ہوتے تھے

شانوں کا خون چہرہ پہ مل مل کے روتے تھے

۱۲۲

مل کر لہو جبیں پہ امام امم چلے
لاشہ سے مڑ کے بولے کہ لو بھائی ہم چلے
اکبر اٹھا کے کاندھے پہ مشک و علم چلے
وا حسرتا سوئے خیمہ کہ اہل حرم سب چھپ چلے
سقہ کو ڈھونڈھتے ہوتے گھر میں پھرے حسینؑ
پھر ہائے بھائی کہہ کے زمیں پر گرے حسینؑ

۱۲۳

بانو نے رو کے پوچھا علم دار کیا ہوئے
بولے تمہاری بچی پہ پیاسے فدا ہوئے
شبیرؑ کے حقوق سب اُن سے ادا ہوئے
ہم مبتلائے صدمۂ شرم و حیا ہوئے
اس بیکسی پہ سوگ کا سامان کیا کریں
عباسؑ کے یتیموں پہ احسان کیا کریں

۱۲۴

اس نے کہا یہ سچ ہے نہ مقدور نے وطن
موجود ہے سکینہ و اکبر کا پیرہن
عباسؑ کے یتیموں کو بخشیں شہ زمن
پہنیں پدر کا خلعت ماتم وہ گلبدن
چادر کو پھاڑ کر کفنی اب بناتی ہوں
رنڈسالہ ان کی بیوہ کی خاطر میں لاتی ہوں

۱۲۵

زیر علم بچھائی نبی زادیوں نے صف
بیوہ بھی آئیں کہتی ہوئی یا شہ نجف
سر ننگے بیٹھی اس طرف اور بیٹیاں اس طرف
ملبوس لائی بچوں کا بانوئے با شرف

یہ پیرہن تو سقہ کی اولاد کے لیے
اور سادے کپڑے بیوۂ ناشاد کے لیے

۱۳۶

آئی نظر جو اکبر مظلوم کی قضا
تھرائی تڑپی بیوۂ عباس باوفا
اور دونوں ہاتھ جوڑ کے بانو سے یہ کہا
ٹھہرو خدا کے واسطے ہی ہے یہ کیا ہوا
اکبر کے کپڑے خلعت ماتم میں دیتی ہو
زینب کھڑی ہیں ان سے نہیں پوچھ لیتی ہو

۱۳۷

کیوں لائیں فرش سوگ پہ بن بیاہی کا لباس
زینب بھی بیچواس ہیں لونڈی بھی بیچواس
وسواس جو نہ دیکھا جائے ہے قیاس
بیٹھا ہے سوتو خیر غضب ہے یہ بھوک پیاس
سب کنبہ اب تو جیتا ہے اکبر کی آس پہ
صدقہ اتاروں بچوں کو میں اس لباس پہ

۱۳۸

اکبر یہ جو کہ آئی ہو میرے پسر پہ آئے
اللہ شاہزادہ کا سہرا تمہیں دکھائے
کرتے سکینہ جان کے اور بیٹی میری ہائے
بس اب سدھارتے کہ مرا سایہ پڑ نہ جائے
پُرسے سے تم سرفراز نہ فرمائیے مجھے
یہ سادے کپڑے آپ نہ پہنائیے مجھے

۱۳۹

رو کر کہا یہ بانو نے اس نیک ذات سے
بس بس کلیجہ پھٹتا ہے ہر ایک بات سے

رنڈ سالہ پہنو فاطمہ کبرا کے ہات سے　　یہ نامراد بیوہ ہے شادی کی رات سے
بیٹی حسینؑ کی ہے بہو یہ حسنؑ کی ہے
گھونگھٹ میں فکر دو لہا کی خاطر کفن کی ہے

۱۳۰

رو رو کے بین فاطمہ کبرا نے یہ کئے　　ہے ہے دلہن بنی تھی میں ان کلموں کے لئے
بس اے دبیرؔ خوب صلے نظم کے لئے　　تائید غیب سے ہیں نمونے یہ مرثیے
بحر رواں ہے پاک طبیعت ملی ہے یہ
سقائے اہلبیت کی دریا دلی ہے یہ

رہنمائے انشاء

مرتبہ از ماسٹر عبد المجید خاں ایم - اے - بی - ٹی

درجات پنجم و ششم و ہفتم کے لئے مضمون نگاری اور خطوط نویسی کی جدید کتاب ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب نہیں ہے بلکہ مضمون نویسی کا استاد ہے - جو لڑکوں کو اُن کے تمام نقائص جو وہ امتحان میں کرتے ہیں اُن کو دور کرنے کے طریقے مضمون نویسی کے ذرائع - تمہید کس طرح شروع کی جائے - مضمون کو کیونکر مفید اور دلچسپ بنایا جاوے - الفاظ و عبارت کی خوبیاں - زوردار بنانے کے ڈھنگ بتلاتا ہے - دوسرے باب میں نمونہ کے بہترین مضامین کا مرقع ہے تیسرے باب میں قدیم خطوط نویسی کے قواعد اور خطوں کے نمونے - چوتھے باب میں جدید خطوط نویسی کا بیان ہے - پانچویں باب میں مختلف اقسام کے خطوط کاروباری کاغذات - تمسک - کرایہ نامے - رسیدات اور ڈاکخانہ کے قواعد پر مشتمل ہے -

ہم کو یقین ہے کہ یہ کتاب طلباء کے لئے امتحان ہی پاس کرانے کا ذریعہ ثابت نہ ہوگی بلکہ ان کی روزانہ زندگی میں کام آئیگی اور ان کے ماتھے سے یہ کلنک کا داغ مٹا دیگی کہ مڈل پاس کرکے خط بھی لکھنا نہیں آتا صفحہ ۶۸ قیمت ۹/

خطوط نویسی حصّہ دوم

(برائے درجہ سوم و چہارم اور زبان دیگر مڈل درجات)

یہ پہلی کتاب ہے جو مڈل درجات کے زبان دیگر ہندی کے طلباء کے لئے لکھی گئی ہے اس کے تمام خطوط بالکل نئے ڈھنگ کے ہیں۔ بھاشا زوردار اور موثر ہے۔ ترتیب مندرجہ ذیل ہے

باب اوّل۔ میں خطوط نویسی کے قاعدے جدید و قدیم القاب آداب لکھنے کے ڈھنگ،

باب دوم۔ میں خانگی معاملات سے خطوط مثلاً بیماری کی اطلاع۔ رخصتی کی اطلاع سامان کی رسید وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک خط کے نیچے سوالات درج ہیں۔

باب سوم۔ میں میلہ۔ تماشہ۔ کھیل اور قدرتی نظاروں پر خطوط اس ڈھنگ سے لکھے گئے ہیں کہ لکھنے والا ان کی سیر کر رہا ہے۔ ہر ایک خط کے نیچے اس قسم کے خطوط لکھنے کے متعلق ہدایات اور مشق کے لئے سوالات درج ہیں۔ اور اسی باب میں فصل کا حال صحت کے طریقے۔ زیور کے نقصان اور تعلیم نسواں وغیرہ پر خطوط جمع کئے گئے ہیں۔

باب چہارم۔ میں ہر قسم کے مضامین معمولی چیزوں (پیڑ و پہاڑ۔ جانور وغیرہ) اور اخلاقی مسئلے درج ہیں۔ آخر میں ختقیہ سوالات اور مضامین کے خاکے اور سرخیاں دی گئی ہیں سچ تو یہ ہے کہ اس کی خوبیاں ایکبار دیکھنے سے ظاہر ہو سکتی ہیں تعداد صفحات ۹۶ قیمت ۵

نوٹ۔ یہ کتاب درجہ ۳ و ۴ کے طلباء کے لئے بھی خاص طور سے مفید ہے بالکل طرز جدید میں لکھی گئی ہے

کتاب ملنے کا پتہ۔ گپت برادرس منڈی دھنورہ (ضلع مراد آباد)